دنیا بھر کے تمام مسلم و غیر مسلم کو

دعوت فکر و نظر

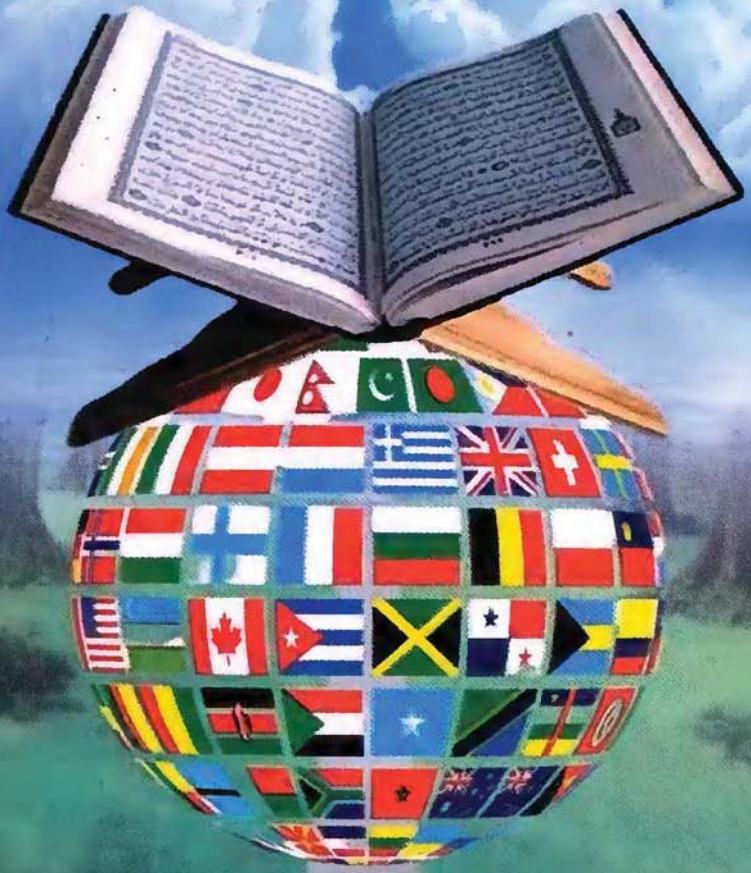

مولانا نور اللہ رشیدی

ڈائریکٹر: النور ریفارمنگ سینٹر اسلام آباد

ناشر

النور ریفارمنگ سینٹر اسلام آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

دعوتِ فکر و نظر

مؤلف

مولانا نوراللہ رشیدی

ڈائریکٹر النور ریفارمنگ سنٹر، اسلام آباد

ناشر

النور ریفارمنگ سنٹر، اسلام آباد

0300-2475468

0311-8470209

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب کا نام	:	دعوتِ فکر و نظر
مصنف	:	مولانا نور اللہ رشیدی
اشاعت اوّل	:	مئی 2022ء
صفحات	:	320
ہدیہ	:	750 روپے
مطبع	:	فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

عرضِ ناشر

کتاب اپنی تکمیل میں کئی مراحل سے گزرتی ہے جس میں کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور طباعت وغیرہ ہے لہٰذا کسی مرحلہ پر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم ادارہ کو مطلع کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جاسکے۔

النور ریفارمنگ سنٹر، اسلام آباد
0300-2475468
0311-8470209

انتساب

ہر اس پاک اور سعید روح اور اسلام کے سچے شیدائی کے نام

جس نے دنیا بھر میں اسلامی نظام کو غالب کرنے کا عزم کیا،

مغرب کی ملحدانہ تہذیب اور فحش ثقافت کے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا

اور نہ صرف خود اس سے محفوظ رہا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے

مضر اثرات سے بچانے کی کوشش کی۔

ترتیب

تقاریظ	13 تا 27
صدائے مرتب	28
پیش لفظ	29
اسلام کسے کہتے ہیں؟	31
اسلام اور الٰہی نظام کی خصوصیات	33
حقیقی عالمگیر دین کی شناخت کا صحیح معیار	38
اسلام کی ۴۰ خصوصیات	45
دنیا کے تمام مذاہب کو اسلام کی طرف دعوت	48
شریعتِ اسلام ایک کامل اور مکمل شریعت ہے	53
اسلام کی سچائی کا سائنسی ثبوت	55
عصرِ حاضر کی ایجادات آخرت کی ہر خبر کو سچا ثابت کر رہی ہیں	62
اسلامی ریاست کے اوصاف	64
مقصدِ حیات	71

اسلام کا نظامِ تعلیم	72
اسلام کا نظامِ قانون	74
اسلام کا سیاسی نظام	74
اسلام کا عائلی نظام	75
اسلام انسانی حقوق کا نظام	76
اسلام کا نظامِ عفت و عصمت	76
اسلام اور مزدور کے حقوق	77
اسلام اور جانوروں کے حقوق	77
اسلام کا نظام حقوق و فرائض	78
اسلام کا معاشرتی نظام	80
اسلام کا معاشی نظام	80
اسلام کا اخلاقی نظام	81
اسلام کا روحانی نظام	82
اچھے اخلاق ایک نظر میں	83
بُرے اخلاق ایک نظر میں	85
اسلام کا اقتصادی نظام	86
اسلام اور جدید معاشی نظام	90
عالمگیر مذہب اسلام	94
پہلی خصوصیت (حفاظت تعلیم)	94
دوسری خصوصیت (مکمل ضابطہ حیات)	95
تیسری خصوصیت (آسان مذہب)	96
چوتھی خصوصیت (پُر تاثیر)	97

پانچویں خصوصیت (دنیا کا یکساں مذہب)	98
چھٹی خصوصیت (غیر جبری مذہب)	99
ساتویں خصوصیت (دوسرے مذاہب کے بزرگوں کا احترام)	99
آٹھویں خصوصیت (مساوات و حریت)	100
مذہب اسلام کی چند مزید خصوصیات	107
تمام آسمانی کتابوں پر قرآن مجید کی برتری	112
آسمانی کتابوں میں صرف قرآن اپنی اصلی حالت پر باقی ہے	116
نبی امن و آشتی ﷺ وہ ہیں، جنہوں نے	118
اسلام اور دہشت گردی	122
وجود باری تعالیٰ	132
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	135
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	137
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	138
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	139
دین اسلام کی چند خوبیاں	140
مغربی فکر اور اسلامی فکر	145
مسلمانوں کا ہر عمل اسلام کی ترجمانی نہیں کرتا	148
مسلم معاشرہ میں مسجد کی اہمیت	150
دہشت گردی اور جہاد میں فرق	151
مغرب اور اسلام کے اساسی نظریات میں فرق	153
جدید انسان کا داخلی بحران اور اس سے نکلنے کی صورت	155
اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کے ذریعے قیامِ امن	165

اسلامی حدود و تعزیرات کا فلسفہ	165
نبی امن و آشتی ﷺ کا جنگ سے متعلق ضابطہ اخلاق	168
حدود شریعہ کے نفاذ میں حکمت اور ان کے نفاذ کے فوائد	171
جس معاشرے میں حدود شرعیہ کا نفاذ کیا جاتا ہے، اور جس میں نہیں کیا.....	177
تقابلی جائزہ	186
دعوتِ دین میں جبر نہیں	195
خطباء اور آئمہ مساجد کی خدمت میں عاجزانہ درخواست	197
جدید فلسفے اور تحریکیں	199
جدید مادہ پرست تہذیب کی کچھ نمایاں ''خصوصیات''	208
یورپ کا ظاہر اچھا اور باطن خراب بنیادی حقیقتوں میں مفلس	213
لادین سیاست کا نتیجہ.....دو عالمگیر لڑائیاں	218
اختلاف سے پہلے تحقیق ضروری ہے	221
لادینیت کا فکری نظام	223
خدا اور آخرت کا انکار	223
وحی کی ضرورت	224
انسان کی حقیقت	229
یورپ کا تصورِ انسان	233
عقل پرستی	240
چند گمراہ کن افکار و نظریات کی تعریفات	243
سیکولرزم، گلوبلائزیشن، جمہوریت، سرمایادارانہ نظام	243
لبرل ازم، کیپیٹل ازم، نیشنل ازم، الحاد	244
تصورِ آزادی، تصورِ ترقی، تصورِ انسانیت	245

مساوات، سوشلزم، سامراجیت، استعماریت	246
نظریہ ارتقاء، جنس آزادی	248
قوم پرستی	249
گلوبلائزیشن اسلام مخالف	254
مغرب کا بے بنیاد کفالتی دعویٰ	257
دور حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ	259
نام نہاد محقق	264
استشراق و مستشرقین	265
موجودہ دور کے فکری چیلنجز اور فضلاء کی ذمہ داری	266
ثقافتی ہیرو	269
علاقائی تہذیب و ثقافت	270
آزادی نسواں کے لیے پروپیگنڈہ مہم	273
مغرب میں عورت کو کیا ملا؟	276
ہم جنس پرستی دنیا کو تباہ و برباد کرنے کی ایک منظم تحریک	278
مطلق آزادی کا تصور	279
اباحیت اور جنسی آزادی	280
مذہبی و معاشرتی حالات	282
نفس پرستی	284
عقلی و نظریاتی وجوہات	285
وحدت ادیان	287
عالم اسلام کے خلاف مغربی مصنفین کی سازش	289
ا۔ پورا مغربی پریس اسلام کے خلاف مصروف کار ہے	291

۲۔مغربی میڈیا مغربی میڈیا مسلمانوں کے عیب اچھالنے کی تلاش میں رہتا ہے	292
۳۔مغربی مصنفین کا منافقانہ رویہ	292
۴۔مغربی جرائد کے چند مقالوں کے عنوان	293
لائبریریوں میں اسلام مخالف لٹریچر	294
امریکہ میں اسلام کے خلاف ۲۵ ہزار کتابیں چھپیں	295
الزام جبر و تشدد پسندی	297
بنیاد پرست	303
امریکی میڈیا	304
یہودی لابی اور میڈیا:	305
رائٹرز:(Reuters)	306
ایسوسی ایٹڈ پریس:	306
یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل:	307
فرانسیسی نیوز ایجنسی:	307
علماء اور جدید مسائل	308
دنیا بھر کے تمام مذاہب کو ایک منصفانہ چیلنج	310
اسلام کی راہ میں صحابہ کرام کے مصائب	312
مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ	317
ماخذ و استفادہ	319

تقاریظ

شیخ الحدیث مفتی عبدالشکور حنیف (افغانستان)

اما بعد: اسلام دین پسندیدهٔ پروردگار جهانیان و برنامه کامل زندگی برای همگان است دعوت بسوی دین خدا و معرفی نظام الله برای بندگان ناآگاه ولاترین هدف و بزرگترین مقصد است.

از صدر اسلام تا این زمان پروانه گان شمع فروزان اسلام از هر نوع کوشش و تلاش برای پیشبرد دین مقدس اسلام کار گرفتند و از دادن مال، جان، وقت و از ریزاندن خون های لاله گون خویش دریغ نور زیدند و درخت اسلام عزیز را آبیاری نمودند

جامع السلاسل صاحب فکر و نظر مؤسس مرکز تبلیغ اسلام حضرت مولانا نورالله رشیدی صاحب مدظله العالیٰ از جمله شاهکاری ها و فعالیت هایی چشمگیری که در این اواخر انجام داند یکی می توان به کتاب کم نظیر ایشان (دعوت فکر و نظر) اشاره نمود

بعد از مطالعه فهرست آن پی بردم: موصوف از هیچ نوع کوشش در تالیف و جمع آوری داشته های کتاب مذکور دریغ نور زیده است

باید این کتاب مفید و پر ثمر به زبان های مختلف جهان ترجمه شود و به بهره برداری سپرده شود تا اسلام را صحیح بشناسیم و علی بصیره آن را به جهانیان معرفی کنیم و توشهٔ برای سفر آخرت خود داشته باشیم

مفتی عبدالشکور (حنیف)

کندز - افغانستان

مورخِ اسلام محمد اسماعیل ریحان

تبصرہ بر کتاب ''دعوتِ فکر و نظر''

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا نوراللہ رشیدی صاحب ایک ولولہ انگیز، بیدار مغز اور مجاہد صفت عالمِ دین ہیں جو ایک طرف غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے دن رات سرگرم ہیں اور دوسری طرف پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے بھی ایک مستقل مہم چلا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف کی نگاہ عالمی فتنوں اور طاغوتی طاقتوں کے مکر و فریب اور ان کی تزویراتی سازشوں پر بھی ہے اور اس حوالے سے بھی وہ معلومات مرتب کر رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں وہ زیرِ نظر کتاب میں نہایت قیمتی مواد عمدہ احسن ترتیب سے پیش کر رہے ہیں۔ بندہ وقت کی کمی کے باعث کتاب کو مکمل طور پر نہیں پڑھ سکا، تاہم مولانا سے دیرینہ تعلق کی بنا پر ان کے علم و فہم اور اخلاص پر اعتماد ہے اور کتاب پر ایک نگاہ ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فاضل مؤلف نے اس کے لیے بڑا مطالعہ کیا ہے اور بہت سی مستند کتب سے یہ فکر انگیز اور چشم کشا مواد جمع کر دیا ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ طبقے اور نوجوان نسل کو اس کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ وہ صحافی، اساتذہ، وکلاء، ڈاکٹرز، ججز، بیوروکریٹس اور سیاست دان جو تباہی کی طرف گامزن اس ملک اور معاشرے کو بچانا چاہتے ہیں، وہ اغیار کی سازشوں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

عبدالرحمٰن

(سابق ہندو پنڈت)

اسلام ایک مکمل اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں دنیا اور آخرت کی کی نجات اور فلاح موجود ہے۔ اسلام دنیا و آخرت کے معاملات کے ہر پہلو پر ہماری رہنمائی کرتا ہے اور زندگی کے کسی بھی زاویہ کو تشنہ نہیں چھوڑتا جس میں اسلام کا کوئی ضابطہ یا اصول نہ ہو۔

اسلام میں ہمارے تمام مسائل اور مشکلات کا حل موجود ہے۔ انسان کے جتنے بھی مجموعی مسائل ہیں یا انفرادی ان تمام میں اسلام کا ایک فریم ورک موجود ہے۔

سیاست ہو یا اقتصادیات، معاشی مسائل ہوں یا امورِ مملکت، فرد کے انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی و معاشرتی الغرض زندگی کے ہر میدان میں اسلام ہمیں رہنما اصول فراہم کرتا ہے جس کی روشنی میں ہم اپنی زندگی بہترین انداز میں گزار سکتے ہیں۔ لہٰذا کسی دوسرے نظام یا ازم کی ضرورت نہیں۔ اسلام کا دامن بہت وسیع اور کشادہ ہے۔ اس کی موجودگی میں نہ کمیونزم کی ضرورت ہے نہ سوشلزم یا کیپٹل اور سیکولرازم کی جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے پھر بھی اپنے مسائل کا حل ان خود ساختہ نظاموں میں تلاش کرتا ہے تو وہ شخص کج فہم ہے۔

کسی حکومت یا ریاست کے جو اہم شعبہ جات ہیں اس کے لیے جس طریق کار کی ضرورت ہے اسلام کے دائرہ کے اندر اس کے لیے اصول و ضوابط موجود ہیں۔ کسی بھی ملک کے دفاعی نظام، عدالتی نظام، اقتصادی نظام و دیگر انتظامی امور یا دفتری معاملات اور ریاست کے دوسرے امور، اسلام کی روشنی میں اُن کا جو تصور ہے وہ دوسرے نظاموں میں موجود نہیں۔

میرے دل میں جب سے میں اسلام میں داخل ہوا ہوں یہ آرزو انگڑائی لیتی ہے کہ اس موضوع پر ٹھوس اور مضبوط کام اور ایسا تحقیقی مواد ہونا چاہیے جس سے مخالفین اور معترضین کے بیہودہ سوالات اور اعتراضات کا ازالہ ہو سکے کیوں کہ وہ لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام میں مسائل کا حل موجود نہیں اور اسلام ریاست کا کام نہیں چلا سکتا۔ ان کے نزدیک اسلام صرف چند عبادات کے مجموعے کا نام اور ذات کی اخلاقی اصلاح و تربیت ہی کر سکتا ہے۔ باقی رہا ریاست اور سیاست اس کا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں۔

الحمدللہ آج میری آرزو اور میری تمنا میرے محسن جس کے ہاتھ پر میں اسلام قبول کر چکا ہوں داعی اسلام مولانا نوراللہ رشیدی جنہوں نے دو ہزار سے زائد غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کر چکے ہیں، نے پوری کر دی۔ اور ماشاء اللہ ہمارے علماء اور نامور مصنفین نے یہ کتاب دیکھی اور اپنے موضوع پر اس کتاب کے بارے میں انتہائی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

نہ صرف یہ کہ وطن عزیز کے علماء و مصنفین و مفکرین نے تقاریظ لکھی ہیں بلکہ افغانسان، انڈیا، ترکیا، نیپال، ایران تک کے علماء و مفکرین نے اس کتاب کو پسند کیا۔

اگر موضوع کی اہمیت اور وقت کی ضرورت کے مدنظر کتاب کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کر دیا جائے اور شائع ہو جائے تو اس کا فائدہ عام ہو جائے گا اور اسلامی نظام کے اشاعت اور معترضین کے اعتراضات کو دور کرنے میں موثر کردار ادا کرے گا۔ کتاب میں مسلم و غیر مسلم دونوں کے لیے دعوت فکر و نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائیں۔ آمین

آپ کا بھائی

عبدالرحمٰن

سابق ہندو پنڈت

داعی اسلام حضرت مولانا محمد عزیز

الحمدلله رب العالمین والعاقبه للمتقین والصلاة والسلام علی خیر خلقه محمد وعلی آله واصحابه اجمعین

حضرت مولانا نوراللہ رشیدی صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

آپ نے کتاب کی جو فہرست بھیجی، یہ فہرست بہت جامع ہے، مجھے بڑی خوشی ہوئی، اللہ پاک آپ کا دعوت کا جذبہ اور عالمی طور پر اسلام کو کس طرح پیش کیا جائے، اس کی خوبیاں اور اس کو خوب آپ نے گہرائی کے ساتھ مختلف پہلو اس کے بڑے اچھے واضح فرمائے، عنوانات سے پتہ چل رہا ہے۔ اور پھر اس کے لیے جو موانع ہیں اور رکاوٹیں ہیں، اس کی بھی آپ نے اچھی وضاحت فرمائی، اور یہی دونوں باتیں ہوتی ہیں کسی چیز کے وجود کے لیے اس کے اپنے ذاتی مواد جس سے وہ وجود میں آتا ہے اور دوسری چیز اس کے رفع موانع ہیں، وہ رکاوٹیں جو اس کے وجود میں آنے میں دقتیں اور مصائب اور مشکلات ہوتی ہیں بعض دفعہ جس سے وہ وجود میں بھی نہیں آپاتا، تو سمجھداری کی بھی یہی دو باتیں ہوتی ہیں کہ جس سے بننا ہے اس کے سارے اجزا موجود ہو جائیں، مکان بنانا ہے تو مکان بنانے کے جتنے اجما ہیں وہ موجود ہو جائیں، لیکن ساتھ موانع بھی ختم ہونے چاہئیں، اب حکومت کی طرف سے اجازت ہی نہیں ہے، حکومت رکاوٹ بن گئی تو باقی آپ کی ساری تیاری ہے اس کے اجزا کی، لیکن بنیادی کام ہی نہیں ہوا ہے تو تعمیر نہیں ہوسکتی۔ بہرحال موانعات بھی بہت اہم ہوتی ہیں اور اس پہ فلاسفہ کی دورائے ہیں کہ آیا کسی چیز کو موجود کرنے میں پہلے موانعات کو رفع کرنا ضروری ہے یا جس سے وہ وجود میں آتا ہے اس کے اجزا کا موجود ہونا، ہیں تو دونوں ضروری لیکن آیا پہلے کیا کیا جائے، تو بہرحال یہ دونوں آپ نے بہت اچھی واضح کیں کہ اسلام وجود میں کیسے آیا اور اس کے اپنے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور دوسری طرف سے وہ موانع کیا ہیں جو اسلام کے لیے رکاوٹ ہیں۔

جزاکم اللہ خیرا، اللہ پاک آپ کے اس کام میں برکت دے اور قبولیت سے نوازے، اور خوب خوب آپ کی دعوت میں آپ کی تصنیف میں آپ کے سفر میں آپ کے حضر میں اللہ پاک خوب برکتیں نصیب فرمائے۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دارِارقم، بنارس، کراچی

محمد عزیز

مفکر اسلام حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب

مولانا نوراللہ رشیدی صاحب بڑے متحرک اور فعال شخصیت ہیں۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر کافی مطالعہ کیا ہے ان کے مطالعہ کا سفر جاری ہے۔

اس مطالعہ کا حاصل وہ مختلف کتابوں کی ترتیب کی صورت میں ہمارے استفادہ کے لیے پیش کرتے رہتے ہیں۔

ان کی زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں۔

نامور مصنف و محقق رضی الدین سیّد

اسلام کو ہمہ طور پر سمجھانے کے لیے محترم مولانا نوراللہ راشد کی یہ کتاب ان کے اخلاص کی غمازی کرتی ہے۔ قوم کو صراط مستقیم پر دوبارہ جادہ پیما کروانے کی خاطر وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دین کی گہرائیوں کو سمجھے اور جانے کہ یہی وہ عقیدہ (دین) ہے جو عالم انسانیت کے لیے رحمت بھی ہے اور جس کے دامن میں زندگی کے تمام گوشے ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ بھی ہیں۔ انسانیت کا جذبہ جو سب سے ارفع ہے، دنیا میں سرِعام سسک رہا ہے بلکہ صحیح معنوں میں اپنے ہی ہاتھوں راندہ درگہہ بنا ہوا ہے۔

مغربی افراد اپنے ہاں کے حاوی بے رحم اور بدترین مادی نظام سے چوٹ کھا جانے کے سبب اب ہر ہفتے اور ہر مہینے ایک معقول تعداد میں اسلام کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ادھر ہماری عام مسلم آبادی، اُلٹی اسلام ہی سے کوسوں دُور جا رہی ہے۔ مغرب کی مانند انہوں نے بھی مادیت کو اپنا پہلا خدا بنا لیا ہے، تو پھر ان کی زندگیوں میں راحت کہاں سے ملے اور سکون کیسے پیدا ہو؟

مولانا نوراللہ راشد ایک معتدل فکر کے داعی ہیں اور تمنا رکھتے ہیں کہ دنیا شفقت بھرے اس دین کے سایہ عاطفت میں مضبوط پناہ پکڑیں ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس دین کو ایک دن تمام بحر و بر میں غالب تو آنا ہی ہے، خواہ دنیا اس کے آگے خوشی سے سپر ڈالے یا ذلیل و خوار ہو کر سر جھکائے۔

کتاب کی فہرست دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کے موضوعات کتنے ہمہ پہلو ہیں اور صاحبِ کتاب کا مطالعہ کتنا پھیلا ہوا ہے۔

نامور مصنف ومترجم مفتی امداد اللہ انور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا نوراللہ رشیدی انسانیت کے لیے وہ اعلیٰ ترین ہمدردی رکھتے ہیں کہ کسی طرح سے وہ دنیا اور آخرت میں اپ حقیقی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور حقیقی کامیابی خالق کائنات کو تسلیم کرنا اور اس کے احکام کی پیروی کرنا ہے اور یہ اسلام کو دل وجان سے قبول کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے دنیا کو اسلام کی حقانیت اور خصوصیات کی پہچان کرانا ضروری ہے تاکہ دنیا اس کو سمجھے اور اسلام کو دل وجان سے قبول کرے۔ اس کے لیے انہوں نے یہ کتاب ''دعوتِ فکر ونظر'' تصنیف فرمائی جس میں انہوں نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی نظاموں کا تعارف کرایا، اسلامی اخلاقیات سے متعارف کرایا، اسلام کی برتری کو دلائل کی روشنی میں واضح کیا، اسلام کی خوبیاں آشکار کیں، اسلام پر منکرین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ پیش کیا، دنیا میں مروّج غلط رویوں اور ان کے نقصانات سے آگاہ کیا، اس سب سے ان کا مقصد اسلام کی صداقت اور اسلام میں نجات کو واضح کرنا ہے، اس سے پہلے بھی مولانا اس طرح کے کئی عنوانات پر گوہر فشانی کر چکے ہیں اور ایک عرصہ سے لوگوں کو دائرۂ اسلام میں لاکر ابدی نجات کا مستوجب بنا چکے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ سب مساعی جمیلہ قبول فرمائیں اور لوگوں کو جوق در جوق اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط

امداد اللہ انور

دارالمعارف، جامعہ قاسم العلوم ملتان

۲۶_۰۵_۲۰۲۲

معروف سیرت نگار ڈاکٹر محمد رفیق

السلام علیکم!

ہمارے پیارے دوست اور باذوق ساتھی جناب نوراللہ رشیدی صاحب نے یہ کتاب ''دعوت فکر و نظر'' بڑی دقتِ نظر سے تالیف فرمائی ہے جس میں اسلام کا متعدد حوالوں سے تعارف ہے۔ ایک طرف اسلام کے عقائد، اخلاقیات، معاملات، معاشرت اور اسلام کے معاشی و سیاسی نظام اور اُس کی فکری ساخت پر عمدہ بحث کی ہے اور زندگی کے مختلف نظام ہائے حیات کو لا کر ثابت کیا ہے۔ اسلام ایک جامع فکر اور جامع عمل بھی ہے۔ دوسری طرف آج کے دور میں جو جدید ذہن کے شبہات اور مغربی تہذیب کی برتری سے پیدا ہونے والا احساس کمتری کے نتیجہ میں جو سوالات اور شبہات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں مختلف مصنفین کے جوابات کو جمع کر کے اور اس پر اپنی فاضل رائے کا اضافہ کر کے بہترین جواب پیش کیا ہے۔ اسی طرح آج کے دور میں جہاد اور دہشت گردی کو جو ایک دوسرے کا مترادف سمجھ لیا گیا ہے، فاضل محترم نے اُن کا اچھے اور عمدہ دلائل سے تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ دہشت گردی انسانیت کی دشمن ہے اور جہاد مظلوم کا سہارا ہے۔ پھر کتاب میں جا بجا اُسوۂ پیغمبر ﷺ سے استدلال کیا گیا ہے۔ قرآن کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اولیائے کرام خصوصاً فقہائے کرام کی آراء سے استدلال کر کے بتایا ہے کہ ہماری فقہ میں بھی انسانیت کے لیے خیر کے کتنے پہلو ہیں۔

مصنف و کالم نگار.....محمد انور عباسی

دعوت فکر و نظر.....مولانا نور اللہ رشیدی

میرے سامنے ایک کتاب کا خاکہ ہے جس کا عنوان ہی انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ فی زمانہ جب لوگ کتاب سے ہی دُور ہوتے جا رہے ہیں ایک ایسی کتاب پر محنت صرف کرنا جو انسان کو بدلنے پر مجبور کر دے، بڑی ہمت کا کام ہے۔ یہ کام وہی اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے جس کے دل میں انسانیت کے لیے بے پناہ محبت کا جذبہ موجزن ہو۔ جو یہ دل سے چاہتا ہو کہ لوگ جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں۔ ظاہر ہے انسان کو ایسے رُخ پر لے جانا انتہائی مشکل کام ہے۔ اسی کام کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لاتے رہے۔

کتاب کے مندرجات ہی اس قدر متنوع ہیں کہ اس کو ایک دفعہ ہاتھ میں لیا جائے تو پوری کتاب پڑھے بغیر انسان کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ اسلام کی حقانیت کو جدید انسان کے سامنے اسلام کے مختلف نظام ہائے زندگی کو زندگی لایا گیا ہے۔ تقابل ادیان ایک اہم عنوان ہے۔ اس دور میں مذہب کو دہشت گردی سے منتقی کرنا ایک عام چلتا ہوا طریقہ ہے۔ مصنف نے اس مسئلے کو بھی قابلِ اعتنا سمجھ کر اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔

جدید نظریات، خصوصاً سیکولرزم، گلوبلائزیشن، لبرل ازم اور سرمایہ دارانہ نظام جس سے ہمارا عام پڑھا لکھا طبقہ متاثر ہوتا ہے، پر بھی کام نظر آتا ہے۔ یہ تاثر محض کتاب کے عنوانات کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کتاب ہمارے دینی لٹریچر میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مصنف محترم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو اُمت کے لیے راہنما بنائے۔ آمین

الحمد لاهله والصلاة على أهلها

نامور مصنف ڈاکٹر اختر احمد

مکرم نور اللہ رشیدی صاحب کی کتاب ''دعوت فکر و نظر'' نہایت اہم کتاب ہے۔ اس سے پہلے ان کی متعدد کتابیں آ چکی ہیں۔ ان میں ''ہم دعوت اسلام کا کام کیسے کریں'' اور ''ہندوؤں کو دعوت فکر'' نہایت اہم ہیں۔ کیونکہ بحیثیت مسلمان ہم سب پر فرض ہے کہ اسلام کے آفاقی اور انقلابی پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں۔

دعوت فکر و نظر میں دنیا کے تمام مذاہب کو اسلام کی طرف دعوت دی گئی ہے اور دنیا کے سامنے اسلام کی ۴۰ خصوصیات پیش کی گئی ہیں جو کہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہیں۔

کتاب میں بہت سی مفید معلومات دی گئی ہیں یہ کتاب ہر گھر اور ہر مدرسہ میں ہونی چاہیے۔

آخر میں مکرم نور اللہ رشیدی صاحب کی ایک نہایت مفید اور معلوماتی کتاب لکھنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب لوگوں کی راہنمائی اور ہدایت کا باعث بنائے۔ آمین۔ والسلام

ڈاکٹر اختر احمد

بانی چیئرمین گلوبل قرآن موومنٹ

بانی چیئرمین گلوبل یوتھ موومنٹ

مائنڈ سائنسز ایکسپرٹ/کنسلٹنٹ

پیر طریقت مولانا محمد ایاز صاحب انعامی (انڈیا)

خلیفہ ومجاز شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ سید بلال حسین صاحب تھانوی دامت برکاتہم

باسم اللہ الرحمن الرحیم ۔نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

اسلام بہت آسان، کشادگی اور وسعت سے بھرا ہوا، معتدل اور افراط وتفریط سے پاک دین ہے، اس کی تمام تعلیمات خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے، معاملات سے تعلق رکھتی ہوں یا معاشرت سے، عدل وانصاف اور میانہ روی پر مبنی ہیں، نہ ان میں افرط ہے کہ عمل کرنے والا ملال وتنگ دلی کا شکار ہو جائے اور نہ تفریط وجفا ہے کہ صاحب حق کا حق ادا نہ ہو سکے بلکہ ہر میدان میں ایک درمیانی اور معتدل راہ ہے۔

بالیقین دین اسلام ایک نظامِ حیات ہے، دین اسلام جو عالمِ انسانیت کے لیے ایک رحمت ہے، دینِ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے تمام لوگ اسلام قبول کر کے سلامتی اور امن وامان میں آجائیں، اسی لیے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ دین کی گہرائیوں کو ضرور سمجھے، اور دل وجان سے قبول کرے اور اسلام اور اسلام کی تعلیمات کو عام کرے، اسی لیے دنیا بھر کے تمام مسلم وغیر مسلم کے لیے اسی بات کو سمجھانے کے لیے ہمارے نہایت ہی قابلِ احترام شخصیت، لائق وفائق عالم دین اور صاحب نسبت عالم ربانی حضرت اقدس مولانا نوراللہ رشیدی صاحب دامت برکاتہم ودامت فیوضھم (ڈائریکٹر النور ریفارمنگ سنٹر، اسلام آباد) نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو قبول فرمائے، عوام وخواص بلکہ اُمت کے ہر فرد کو کتاب سے خوب استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، مزید دلی دعا ہے کہ ان کی دوسری تالیفات کی طرح اس کو بھی پذیرائی حاصل ہو۔ واللہ ھوالمستعان

طالبِ دعا، ننگِ اسلاف، محمد ایاز انعامی غفرلہ

۵ ذی القعدہ ۱۴۴۳ھ ۶ جون ۲۰۲۲ء

نوجوان فاضل شیخ طریقت محمد عزیز الاسکوداری (ترکیا)

الحمدالله رب العالمین۔ والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین

میں فضیلۃ الشیخ مولانا نوراللہ رشیدی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جنہوں نے اس کتاب ''دعوت فکر و نظر'' کو مرتب کیا جو آج کے حالات اور آنے والی نسلوں کی اسلامی علوم کی روشنی میں راہ نمائی کرے گا اور قارئین کے لیے بھی۔

میں ان کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

الشیخ محمد عزیز الاسکوداری

خادم العلم والطرق الصوفیۃ

ترکیا، استانبول

حضرت مولانا مفتی محمد حسن (ایران)

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسول اکرم الاکرمین وعلی آل وصحبه المنتجبین.

اما بعد: یا ایها الناس قدجائتکم موعظه من ربکم وشفاء لمافی الصدور .(یونس) بدرستی که بشر درهر برهه ی ومکانی بجز رهنما و مرشدی توان رسیدن به آرامش وسکون قلبی ندارد .دین مبین اسلام وکتاب قرآن مجید به همراه احادیث گهر بار آنحضرت صلی الله علی و السلام . بهترین راهنما هستند- دراین زمان حساس وپرفتن احساس می شد کتابی برای جوانان که مباحث آن پیرامون دعوت به تدبروتفکر درآموزه هادین اسلام باشد ماشا الله برادرمحترم مولانانور الله رشیدی .دامت برکاتهم العالیه . این خلا را احساس نموده وپابه این عرصه گذاشته امیدوارم مورد قبول درگاه الهی واقع گردد.آمین- وهرچه زودتر به زبان فارسی ترجمه شود تا در دسترس فارسی زبانان عزیز نیز باشد. درپایان اروز موفقیت وپیشرفت دارم برای مولف عزیز. ومن الله التوفیق.

محال است سعدی که را صفا توان رفت..

جز بریی مصطفی

برادر شما :

(مفتی)حسن بلوچزهی.

پم پشت، ایران،

۱۴۴۱/۱۱/۴۱

مولانا محمد رضوان ندوی، نیپال

اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے نبی اور رسول بھیجے اور جب نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ اختتام کو پہنچا تو اصلاح وہدایت، تربیت وارشاد اور حفاظت دین وشریعت کا کام اُن سے لیا جن کا طور وطریق نبیوں اور رسولوں کے طور وطریق سے قریب تر رہا، دین اسلام کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ برابر اور ہر زمان ومکان میں ایسے افراد پیدا کرتا رہا ہے، جو ان چیزوں کو دُور کرتے رہے، جن سے دین کا تصور متاثر ہوسکتا تھا، حضرات صحابہ کرام اس کے بعد تابعین اس کے بعد ائمہ محدثین پھر مجتہدین نے یہ خدمت انجام دی اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

آج کی دنیا میں جو شخصیتیں سامنے آرہی ہے ان میں سے ایک مولانا نوراللہ رشیدی کا بھی ہے، جنہوں نے ایک بہترین کتاب (دعوت فکر نظر) کے نام سے قلم بند کی۔ مولانا ایک بہترین مصنف ہیں اور ایک شاندار مؤلف بھی ہیں، حضرت مولانا ایک اچھے داعی بھی ہیں، اللہ نے ان کو وہ جرأت اور حق اظہار کا وہ حوصلہ عطا فرمایا ہے جس سے وہ کسی بھی موقع پر کمزور نظر نہیں آتے ہیں۔ موصوف کی یہ کتاب بہت ہی قابل قدر ہے اور شاندار اسلوب سے مزین ہے، عنوان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مطالعہ بہت وسیع اور ٹھوس ہے ساتھ ہی ساتھ قلم میں بھی بہت سلاست ہے۔

عزیز القدر حضرت مولانا نوراللہ رشیدی کا یہ کام قابل قدر اور لائق تحسین ہے موصوف دھن کے سچے اور پکے ہیں انسانیت کے لیے کام کرنے کو پسند کرتے ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اس کام کو قبول منظور فرمائے اور اس کتاب کو پوری انسانیت کے لئے مفید اور نافع بنائے اور مصنف کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

بیرگنج پرسا (نیپال) محمد رضوان ندوی

صدائے مرتب

اسلام سارے انسانوں کے لیے ان کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ دین انسانیت اور دین فطرت ہے۔ اسلام سب کے لیے کوئی نعرہ نہیں ہے بلکہ یہ سب سے بڑی سچائی ہے۔ اس سچائی کو سارے انسانوں تک پہنچانا تمام مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے۔ دعوت دین کسی خاص دینی جماعت کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے تمام انسانیت تک اسلام کا پیغام اپنے قول و عمل، سیرت و کردار کے ذریعہ پہنچانے کی تمام ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد آپ کی اُمت یعنی اُمتِ مسلمہ ہے۔ اسلام صرف مذہب نہیں ہے بلکہ مکمل جامع نظامِ حیات ہے۔ نظامِ حیات ہونے کی پوزیشن دنیا کے کسی بھی مذہب، نظریہ یا فلسفہ حیات کو حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے کتنے ہی دعوے کر لیے جائیں۔

ہر مذہب کے ماننے والے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کا مذہب آج کے دور سے مطابقت رکھتا ہے اور سارے مسائل کا حل پیش کرتا ہے؟ لیکن ہم مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ تنہا صرف اسلام ہی انسانوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی تعلیمات کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے کوئی اصولی ہدایت اور رہنمائی نہیں ہے اسلام کی رہنمائی صرف آج سے ۱۴۵۰ سال قبل کے انسانوں کے لیے نہیں تھی بلکہ اسلام کے اصولی و بنیادی رہنمائی سارے زمانوں اور قیامت تک کے لیے ہے جدید دور میں بھی زندگی کے پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل کرنے کے اصول، رہنمائی اسلام میں موجود ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد دنیا بھر کے تمام انسانوں کو فکر و نظر کی دعوت ہے۔ اللہ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔

آپ کا بھائی
نور اللہ رشیدی

پیش لفظ

داعیٔ اسلامی نظام محمد زاہد اقبال

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم امّا بعد

طلوعِ اسلام سے پہلے آج تک ہر دور میں جہاں اہلِ علم نے اسلام کی خوبیوں اور خصوصیات کو علمی طور پر دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ وہاں اسلام کی ان خوبیوں اور خصوصیات نے عملی طور پر ہر دور میں غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی تعداد اسلام کی انہی خصوصیات سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتی رہی ہے اور آج بھی داخل ہو رہی ہے۔ عالمِ ربانی، داعیٔ اسلام حضرت مولانا نور اللہ رشیدی مدظلہ کی زیرِ نظر کتاب ''دعوتِ فکر و نظر'' کا موضوع یہی ہے۔ مؤلف مدظلہ نے اس کتاب میں:

۱۔ اسلام کی خوبیوں اور خصوصیات پر کلام کیا ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت کی جامعیت و کاملیت کو واضح کیا ہے اور اسلام نے اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں تعلیم، معاشرت، معیشت، قانون و عدالت، سیاست وغیرھا کے حوالے سے جو نظام پیش کیا ہے، اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۳۔ انسانوں کے حقوق و فرائض کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظامِ حیات اور تعلیمات کا مغرب کے نظام اور افکار و نظریات سے موازنہ کر کے اسلام کی ترجیح کو مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

۴۔ اعداءِ اسلام بالخصوص مغرب کی طرف سے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جو

سازشیں، منصوبے اور طریقے اپنائے گئے ہیں اور اب تک اپنائے جا رہے ہیں ان کی نشاندہی کر کے اسلام اور اہلِ اسلام کے دفاع کے طریقے اور طرز کو بھی واضح کیا ہے۔

اگرچہ اس موضوع پر عربی و اُردو میں معیاری کتب موجود ہیں لیکن مؤلف مدظلہ نے اس موضوع پر عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر بہت قیمتی مواد نئی ترتیب اور عمدہ انداز میں جمع کر دیا ہے۔

موجودہ دور میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نت نئے انداز میں ہر طرح کا مواد پیش کر رہا ہے اور حق و باطل اور صحیح و غلط کی تمیز کیے بغیر نوجوان نسل کے قلوب و اذہان کو متاثر کر رہا ہے، لہٰذا ان حالات میں زیرِ نظر کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنے کی کامیاب کوشش ہے، اس لیے ہر نوجوان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے اسلام کی منور و پاکیزہ تعلیمات سے روشناس ہو اور ان کو اپنے دل و دماغ میں پختہ کر کے شاہراہِ عمل پر گامزن ہو۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت مؤلف مدظلہ کو دارین کی سعادت سے نوازیں اور اس کتاب کو قبولیت اور مقبولیت عطا فرمائیں۔ آمین

محمد زاہد اقبال

مسجد انوارِ مدینہ، رسول پورہ، ہلوکی، لاہور

۲۳۔۱۱۔۱۴۴۳ھ

اسلام کسے کہتے ہیں؟

لفظ اسلام 'سلم' سے نکلا ہے جس کا لغوی معنی (یعنی عربی زبان میں اس لفظ 'سلام' کا معنی) سلامتی و تابعداری، صلح اور رضامندی ہے۔ سیاق و سباق کی مناسبت سے لفظ ''سلم'' عربی میں جہاں بھی استعمال ہوتا ہے وہاں انہی معانی (یعنی سلامتی و تابعداری، صلح اور رضامندی) میں سے کسی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو ان سب معانی میں قدرِ مشترک ''امن و سلامتی'' ہی ہے۔

دین اسلام کو بھی اسلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ ''اسلام'' کا لغوی معنی ہے تابداری و فرمانبرداری کرنا۔ دین اسلام قبول کرنے والا چونکہ اللہ تعالیٰ کی تابداری کا اقرار کرتا ہے اس لیے اسے مسلمان (یعنی مطیع و فرمانبردار) کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں لفظ 'سلم' کی مناسبت سے اسلام کا یہ مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ اس دین میں داخل ہونے والا دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے امن و سلامتی حاصل کر لیتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رقم طراز ہیں کہ:

''اسلام''..... کے اصل معنی 'سلم' (صلح) میں داخل ہونے کے ہیں اور صلح کے معنی یہ ہیں کہ فریقین باہم ایک دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچنے سے بے خوف ہو جائیں.....

شرعاً اسلام کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ کوئی شخص محض زبان سے اسلام کا اقرار کرے، دل سے معتقد ہو یا نہ ہو، اس سے اس انسان کا مال و جان اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے، مگر اس کا درجہ ایمان سے کم ہے اور اس آیت: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ (۴۹:۱۴)

''دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم (یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔''

.....میں اَسْلَمْنَا سے یہی (پہلی قسم) مراد ہے۔

۲۔ اسلام کا دوسرا درجہ وہ (ایمان) ہے جو اس (پہلے درجہ) سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کے اعتراف کے ساتھ ساتھ قلبی اعتقاد بھی ہو اور عملی طور پر اس (دین) کے تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے، مزید برآں یہ کہ اذہان ہر طرح سے قضاء و قدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں حضرات ابراہیمؑ کے بارے میں ہے کہ

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳۱:۲)

''جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔''

گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ گویا یہ اقرار کرتا ہے کہ میں اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ میرا نفس اللہ کے تابع ہوگا۔ میرا ہر عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہوگا۔ میں من مانی اور خواہش پرستی کی بجائے خدا پرستی کا ثبوت دوں گا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسا شخص دنیا میں وہی کام کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کے مطابق اور ہر ایسے کام سے اجتناب کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

اسلام اور الٰہی نظام کی خصوصیات

انسان فطری طور پر اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ اکٹھی زندگی گزارتا ہے اور انسان عقلاً اپنے فائدے کے لیے کوشاں اور نقصان سے بچنے کے لیے تگ و دو کرتا ہے اور ایک عام المنفعت نظام کے تحت زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اگر ایک سا نظام موجود نہ ہو تو انسان کے لیے اپنے گروہ اور مجالس میں زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے اور منزل مقصود کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

روئے زمین پر دو قسم کے نظام: وضعی اور الٰہی:

یہ بات واضح ہے کہ دنیا پر ہمیشہ سے دو قسم کے نظام چل رہے ہیں: ایک وہ نظام ہے کہ ملک کے دانشور جمع ہو کر لوگوں کے لیے ایک نظام تشکیل دیں اس نظام کی خصوصیات یہ ہیں۔ واضع محدود العلم، محدود الاستعداد، محدود الزمان، محدود المکان اور محدود الادراک ہو یعنی اس کا ادراک اور علم محدود زمانہ، محدود حالات اور محدود اشخاص کے لیے خاص ہو۔

خود ساختہ نظام میں محدود زمانہ کے منافع پر غور و خوض کیا جاتا ہے اور محدود ممالک کے حالات اور منافع معلوم کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ حالات اور زمان و مکان کے تغیر سے اس میں تغیر و تبدل، تجدید و ترمیم ہو سکتی ہے۔ دنیا میں ایسے خود ساختہ نظاموں کا بہت اچھی طرح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک ملک کا نظام دوسرے ملک کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتا اور حالات اور شرائط کے اعتبار سے کتنے ہی تغیرات آتے ہیں۔

اسلام کا مقدس نظام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا قانون اور دستور ہے۔ یہ دنیا کے اور نظاموں (جو کہ انسانی ذہنوں کی اختراعات ہیں) سے چند وجوہ سے امتیاز رکھتا ہے۔

(۱) ربانی نظام:

اسلامی نظام کا ماخذ وحی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو کی ہے۔ چاہے یہ وحی لفظاً و معناً دونوں اعتبار سے ہو جو کہ قرآنِ کریم سے عبارت ہے یا صرف معناً ہو کہ حدیث نبوی سے عبارت ہے۔ اسی وجہ سے یہ نظام دیگر نظاموں سے ممتاز ہے۔ اسلامی نظام کا ماخذ وحی ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل آیات مبارکہ دلالت کرتی ہیں۔

(۱) ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [سورۃ القدر: آیت:۱]

ترجمہ: ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں۔

(۲) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [سورۃ الحجر: آیت:۸۷]

ترجمہ: اور ہم نے دی ہے تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجے کا۔

(۳) ﴿وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ﴾ [سورۃ النمل: آیت:۶]

ترجمہ: اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔

(۴) ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [سورہ النجم: آیت:]

ترجمہ: اور نہیں بولتا اپنی نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

چونکہ اسلام ایک ربانی نظام ہے۔ یہ دیگر نظاموں کے مقابلہ میں نظام کامل ہے اور ہر قسم کے نقص اور کمی سے منزہ ہے اور وجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کا واضع کامل مطلق ذات ہے۔ اس کے مقابلے میں وضعی نظاموں کے واضعین قاصر انسان ہیں تو ان میں خواہشِ جہل، ظلم ہوگا۔ اس لیے کہ یہ انسان کا جزلاینفک ہے تو اس کا عمل بھی اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔

(۲) عقیدوی نظام:

اسلامی نظام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک عقیدہ والا نظام ہے جو کہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان گناہ پر قادر ہے۔ حاکم، قاضی اور پولیس وغیرہ سے بھی نہیں ڈرتا لیکن عقیدہ اور ایمان کی وجہ سے گناہ کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ بخلافِ دیگر نظاموں کے جو کہ انسان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے نظام ہیں۔

اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے صرف عقیدہ بھی کارآمد ہے۔ مثلاً اسلام سے پہلے شراب اتنی مروج تھی کہ گھر گھر شراب کے ذخائر تھے اور ہر گھر میں پورا میخانہ تھا لیکن جب اسلامی شریعت کے ماننے کے بعد حکم ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [سورۃ المائدۃ: آیت:۹۰]

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں۔ شیطان کے، سے بچتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔

تو ان لوگوں نے جن کے لیے شراب پانی کی طرح تھی اس آیت کے سنتے ہی تمام مٹکے بہا دیے اور شراب کے تمام پیالے توڑ ڈالے اور سب میخانے ختم کر دیے۔ فاجتنبوہ کلمہ کی ایسی طاقت تھی کہ فوج اور پولیس کی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دوسری طرف بیسویں صدی میں امریکا نے شراب کی پابندی کا حکم جاری کیا اور شراب کو حرام قرار دیا۔ لوگوں کو اس حکم پر آمادہ کرنے کے لیے اور اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خوب اعلانات کیے اور تمام وسائل بروئے کار لائے۔ یہاں تک کہ اس حکم کو جاری کرنے کے لیے اجتماعی دعوت پر ۶۵ ملین ڈالر خرچ کیے اور شراب کے نقصانات بتلانے کے لیے ۹۰۰۰ ملین صفحات نشر کیے۔

۱۹۳۰ء میں شراب کے پینے، بنانے اور خرید و فروخت سب کو قانونی جرم قرار دیا۔ اور اس فرمان کو نافذ کرنے کے لیے ۲۰۰ انسانوں نے اپنی زندگی کا خاتمہ کیا اور ۵ لاکھ قید ہوئے اور حکومت کے مخالفین نے اس کی تنفیذ کی وجہ سے چار ہزار ملین ڈالر کا نقصان اٹھایا اور لوگوں سے بطور جرمانہ (مصادری) دس ہزار ملین ڈالر لیے گئے۔

لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر ۱۹۳۳ء میں شراب کی ممانعت کا حکم واپس لے لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اسلام ایک عقیدہ والا نظام ہے جو کہ لوگوں کے نہ صرف جسموں پر بلکہ دلوں پر بھی حکومت کرتا ہے۔

(۳) انسانی زندگی کے ہر پہلو کو شامل نظام ہے:

اس نظام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو شامل ہے۔ اسلامی نظام کے شمول کی صفت عام اور کامل ہے۔ یہ تبعیض قبول کرتا ہے نہ استثنا اور اسی طرح تغیر قبول کرتا ہے نہ تخصیص۔ اسلام کے شمول کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر چھوٹے اور بڑے کام کو اسلامی نظام سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔ مثلاً:

(۱) اسلامی عقیدے کے احکام یا ایمانیات (۲) اخلاق حسنہ سے اتصاف اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب۔ (۳) وہ عبادات جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رابطہ کرتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ (۴) وہ احکام جن سے افراد آپس میں ربط و تعلق پیدا کریں اس کے مندرجہ زیل اجزا ہیں۔:

(۱) خاندانی احکام مثلاً نکاح، طلاق، میراث اور نفقہ جن کو موجودہ اصطلاحِ قانون میں احوالِ شخصی کہتے ہیں۔

(۲) وہ احکام جو مالی معاملات سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً بیع، اجارہ، سلم، رہن وغیرہ جن کو موجودہ اصطلاح میں مدنی قانون کہا جاتا ہے۔

(۳) وہ احکام جو دعوی، یمین یا شہادات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس کو قانون محاکمہ کہتے ہیں۔

(۴) وہ احکام جو خارجی غیر مسلم سے تعلق رکھتے ہوں جب یہ اسلامی مملکت میں داخل ہو جائیں اور وہ احکام جو اس کے لیے وضع کیے گئے ہوں۔ اس کو بین الاقوامی خاص قانون کہتے ہیں۔

(۵) وہ احکام جو اسلامی مملکت کے دیگر حکومتوں کے ساتھ تعلق رکھنے اور صلح و جنگ کے مذاکرات سے تعلق رکھیں۔ اس کو موجودہ اصطلاح میں بین الاقوامی عام قانون کہتے ہیں۔

(۶) وہ احکام جو امیر المؤمنین کی حکومت سے متعلقہ افراد کے حقوق واجبہ سے متعلق ہوں۔ اس کو دستوری قانون کہتے ہیں۔

(۷) وہ احکام جو مال و دولت، خرچہ جات اور لوگوں کے مال سے تعلق رکھتے ہوں۔ موجودہ اصطلاح میں اسے مالی قانون کہتے ہیں۔

(۸) وہ احکام جو اسلامی حکومت میں جرائم اور جزا سے متعلق ہوں، موجودہ اصطلاح میں اس کو قانونی جرم کہتے ہیں۔ جرائم کی تحقیق اور جرم ثابت ہونے پر سزا، اس قانون کے تحت شامل ہیں۔ موجودہ اصطلاح میں اسے قانون ''تحقیق الجنایات'' اور ''قانون مرافعات جزائیہ'' کہا جاتا ہے۔

(۴) عالمی نظام ہے:

یہ ایک اٹل اور واضح حقیقت ہے کہ اسلام ایک عالمی نظام ہے۔ ہر زمانہ میں ہر انسان کے لیے قابل عمل ہے۔ ایک خاص گروہ یا خاص وقت کے لیے یہ مخصوص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ [سورۃ سبا: آیت:۲۸]

ترجمہ: اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا ہے سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔

(۲) ﴿وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ [سورۃ القلم: آیت:۵۲]

ترجمہ: اور یہ قرآن نصیحت ہی ہے سارے جہان والوں کے لیے۔

(۳) ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾ [سورۃ الاعراف: آیت:۱۵۸]

ترجمہ: تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

جب یہ ثابت ہوا کہ اسلامی نظام ایک کامل نظام ہے۔ نسخ تبدیل اور تغیر کو قبول نہیں کرتا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان میں کوئی عملی شکل دینے والا موجود ہو۔

(۴) بخلاف یہودیت اور عیسائیت کے کہ یہ تو بنی اسرائیل تک خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ☆ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ﴾

[سورۃ طٰہٰ: آیت]

ترجمہ: سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا۔ یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

حقیقی عالمگیر دین کی شناخت کا صحیح معیار:

پہلے ذکر ہوا کہ اسلام ایک واقعی عالمگیر دین ہے۔ جب ایک دین حقیقی اور عالمگیر ہو تو اس کے لیے معیار کیا ہوگا؟ تو حقیقی عالمگیر دین کا صحیح معیار معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل دس امور ہیں:

(۱) پہلا معیار یہ ہے کہ خود اس دین میں عالمگیر ہونے کا دعویٰ موجود ہو یعنی خود دین یہ اعلان کرے کہ وہ عالمگیر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دین خود کسی قوم کے لیے مختص ہونے کا اقرار کرے یا کم از کم بین الاقوامی اور عالمگیر ہونے سے خاموش ہو اور اس کے ماننے والے سیاسی مصلحت یا کسی اور ضرورت کے تحت اس کے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کریں۔ اس صورت میں مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہو جائے گا جو کسی عدالت میں قابل قبول نہیں۔ پہلے کے لیے اسلام اور دوسرے کے لیے مسیحیت ہے۔

(۲) دوسرا معیار یہ ہے کہ اس میں خالقِ کائنات کا خاص توحیدی تصور موجود ہو۔ جو فطرت کائنات کے مطابق ہو۔ کیونکہ نظم کائنات اور قوانین فطرت میں یکسانیت اور وحدت موجود ہے جو سائنس کے قوانین کی بنیاد ہے۔ اگر اشیاء کے خواص میں یگانگت نہ ہوتی اور وہ روز بدلتے یا پہلے کسی وقت میں کچھ اور، اور دوسرے وقت میں کچھ اور ہوتے تو سائنس کی ترقی کے راستے ختم ہو جاتے اور قوانین قدرت میں سے کسی قانون پر اعتماد باقی نہ رہتا اور نہ اس سے استفادہ ممکن ہوتا۔ اسی بنا پر کوئی ایسا دین عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں جس میں خالق کائنات کا خالص توحیدی تصور موجود نہ ہو بلکہ اس میں شرک کی آمیزش ہو جیسے مسیحی دین میں ہے۔

(۳) انسان فطرتاً دین و دنیا اور روح و جسم دونوں کے ساز و سامان کا محتاج ہے۔ اس لیے وہ دین عالمگیر ہوگا جس میں دین و دنیا اور روح و مادہ دونوں کے فوائد کو جمع کیا ہو اور دونوں کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہو۔

(۴) **وحدتِ حق:** حق فطرتاً قابل تقسیم نہیں اور نہ کسی زمان و مکان یا قوم سے مختص ہے۔

مثال دو دونی چار ہے ہر ملک میں اور ہر زمانے میں یہی حق حق رہے گا اور اس حقیقت سے تھوڑی سی فہم رکھنے والا بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آسمانی حق جو انسانوں تک بذریعہ انبیاء علیہم السلام پہنچا ہے وہ اصولی طور پر ایک ہے اور اس کے لانے والے رسل و انبیاء علیہم السلام سب کے سب حق پر تھے لہٰذا فطرت انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ دین عالمگیر میں اس امر کی گنجائش نہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو تسلیم کیا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔

اگر کوئی دین ایسا ہے جس میں تفریق بین الرسل ہو وہ فطری اور عالمگیر دین نہیں ہو سکتا۔ مثلاً یہودیت اور نصرانیت۔

(۵) **وحدتِ نسبت اور مساوات انسانی:** انسان کو خالق کائنات کے ساتھ عمومی نسبت ایک ہے وہ نسبت خالق و مخلوق، عبد اور معبود کی ہے۔ یعنی خالق کائنات سے کسی خاندان یا قوم کا بجز عبدیت کے اور کوئی رشتہ نہیں۔ سب یکساں طور پر اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔ لہٰذا جو تھوڑا بہت فرق مراتب میں ہوگا وہ عبدیت کی بنیاد پر ہوگا، اطاعت کی اساس پر ہوگا۔ نسل و قوم کی بنیاد پر نہ ہوگا اور قانون عدل کی نگاہ میں سب مساوی ہوں گے۔

(۶) **قوت اصلاح:** بدن کے علاج کے لیے وہ دوا استعمال کی جاتی ہے جس میں اصلاحِ مرض کی تاثیر موجود ہو اور جس قدر وہ تاثیر قوی ہوگی وہ مقبول عام بنے گی اور مقبولیت اختیار کرے گی۔ جس طرح انسان کو جسمانی امراض کے لیے دوا کی ضرورت ہے اس سے زیادہ روحانی امراض کے ازالہ کے لیے روحانی دوا کی ضرورت ہے۔ کیونکہ روح بدن پر حکمران ہے اور حکمران کی درستگی رعیت کی درستگی ہے۔ بدن کا خمیر چونکہ زمین سے بنا ہے اس لیے اس کی دوا بھی زمین ہی سے حاصل ہوگی اور روح چونکہ آسمانی ہے اس کی غذاء بھی آسمانی ہوگی۔ کسی بھی دین کا دین الٰہی ہونا اور اس کا عالمگیر ہونا اس کی اصلاحی قوت سے معلوم کیا جاتا ہے۔

(۷) **شان جامعیت:** جسم و روح کے امراض چونکہ مختلف اور متعدد ہیں اس لیے

عالمگیر دین وہی ہوگا جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی دوا موجود ہو۔ خواہ اعتقادی شعبہ ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا مبادی، دنیوی ہو یا اخروی۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں صرف چند مذہبی رسومات پر اکتفا کیا گیا ہو۔

(۸) **معقولیت:** فطرت انسانی میں ایک امتیازی صفت عقل ہے اس کی وجہ سے انسان غلط اور صحیح کے درمیان فرق کرتا ہے حق الگ کرتا ہے۔ فطرت انسانی کی طرح عقل بھی عالمگیر ہے۔ اگر کوئی دین ایسا ہو کہ اس کے اصول عقل تسلیم کرتا ہے وہ دین عالمگیر ہے۔ جیسا کہ اسلام، اور اگر اصول عقل تسلیم نہ کرتا ہو تو یہ عالمگیر نہیں ہے جیسا کہ ادیان باطلہ۔

(۹) دنیا اور آخرت کے درمیان صحیح ربط اور دونوں میں اعتدال۔

(۱۰) دوام دین اور محفوظیت جیسا کہ اسلام دین کی یہ صفت ہے۔ [شمس الحق افغانی: عالمگیر مذہب: ص۱۰]

مذکورہ دس معیار صرف اور صرف اسلام میں موجود ہیں فقط تو یہ شور مچایا گیا کہ آسمانی ادیان میں کیا صرف اسلام عالمگیر مذہب ہے؟

(۵) اسلام ایک اخلاقی نظام ہے:

اخلاق خلق کی جمع ہے اور لغت میں طبیعت اور خصلت کے معنی آتے ہیں۔ اور علماء کی اصطلاح میں:

هيئة للنفس راسخة تصدر بها عنها الأفعال بسهولة ويسر من غير حاجة الى فكر ورؤية. [سید سند: التعریفات: ص۴۵]

یہ انسان کے نفس میں ایک راسخ ہیئت ہے کہ بغیر سوچ و بچار کے اس سے با آسانی افعال صادر ہوتے ہیں۔

علامہ زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ اُس ہیئت اور حالت کا نام ہے جو نفس انسانی میں اس طرح راسخ اور قائم ہے کہ

اس کی وجہ سے نفس سے اعمال اور کردار بآسانی و بسہولت صادر ہوتے ہیں اور بغیر فکر و غور وجود پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

اسلام میں اخلاق کا مقام

عقل اور فطرت سلیمہ نے حسن خلق کو فضائل اخلاق میں جو جگہ دی ہے وہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ اس لیے اسلام نے بھی جو کہ دین فطرت ہے، اس فضیلت کو بہت بلند مقام بخشا ہے۔ قرآن عزیز نے رسول اکرم ﷺ کی صفات حمیدہ میں سے جس صفت کو بلند مقام عطا کیا ہے وہ یہی حسن خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وانک لعلی خلق عظیم﴾ [سورۃ القلم: آیت:]

ترجمہ: اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خُلق پر۔

مندرجہ ذیل احادیث سے اخلاق کا مقام واضح ہوتا ہے:

حسن خلق کا تعلق:

درحقیقت حسن اخلاق کا تعلق خدائے تعالیٰ اور مخلوق خداوندی ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور صاحب اخلاق کہلانے کا وہی شخص مستحق ہوسکتا ہے جو ان دونوں جانبوں کا پورا پورا لحاظ رکھے اور ان میں سے جس رُخ میں بھی عدم اور فقدان پایا جائے گا وہ صاحب اخلاق نہیں کہلایا جاسکتا، بلکہ ہر دو جوانب کی اپنی حقیقی اہمیت کے اعتبار سے مختلف تعبیروں کا مستحق قرار پائے گا۔ خدا اور مخلوق خدا دونوں کے ساتھ حسن اخلاق کا مدار صرف دو حرفوں پر ہے جن کو عجیب و غریب حسن تعبیر کے ساتھ شیخ الصوفیہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ادا فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

کن مع الحق بلا خلق، ومع الخلق بلا نفس.

حق کے ساتھ اس طرح تعلق رکھ کہ مخلوق کے درمیان میں حائل نہ ہو اور خدا کی مخلوق کے ساتھ اس طرح وابستگی رکھ کہ نفس کا بیچ میں دخل نہ ہو۔

پس انسان کا فرض ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں کبھی مخلوقات کو درمیان میں نہ لائے اور مخلوقِ خدا کے ادا حقوق فرائض کی ذمہ داری میں کبھی اپنی نفس

(خواہشات نفس) کو درمیان میں نہ لائے تاکہ وہ حسن خلق کے دونوں پہلوؤں میں کامیاب ثابت اور اخلاق کریمانہ کا مالک بن سکے۔

(۶) اسلامی عادلانہ نظام ہے

روئے زمین پر اسلام عادلانہ نظام ہے۔

عدل کے معانی:

عدل کے مختلف معانی آتے ہیں۔

(۱) بمعنی انصاف کے آتا ہے جبکہ یہ ظلم کے مقابلے میں ہو۔

(۲) بمعنی تقوی کے جب یہ فسق اور فجور کے مقابلے میں ہو۔

(۳) عصمت کے معنی دیتا ہے لیکن یہ صفت انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کے ساتھ خاص ہے۔

(۴) گناہوں سے بچنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں نتیجے کے لحاظ سے عدالت اور عصمت میں کوئی خاص فرق نہ ہوگا۔ البتہ عصمت ایک فطری اور وہبی چیز ہے اور گناہوں سے بچنا ایک کسبی ملکہ ہے۔ اس اساس پر انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم اور اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

(۵) عدالت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ حدیث شریف کی رو سے عادل وہ ہے جو جھوٹ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔

عدل کے چند معانی درج ذیل ہیں:

[۱] العدل : بذل الحقوق الواجبة وتسوية المستحقين فی حقوقهم.

واجب حقوق کو ادا کرنا اور حقداروں کو ان کے حقوق میں برابری دینا عدل ہے۔

[۲] علامہ صالح ملوحی فرماتے ہیں:

هو أن تعطی من نفسک الواجب وتاخذه

دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اپنے حقوق کا لینا عدل ہے۔

[۳] علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں:

العدل :الأمر المتوسط بين طرفي الافراط والتفريط.

یعنی تفریط اور افراط کی درمیانی حالت عدل ہے۔

[۴] والعداله في الشريعة :عبارة عن الاستقامة على طريق الحق بالاجتناب مما هو محظورا دينا.

اور شریعت میں عدالت یہ ہے کہ صحیح راستے پر استقامت اختیار کر کے عینی ممنوعات سے اپنے آپ کو بچائے۔

یہاں عدالت اس معنی کے ساتھ مشکل ہے کہ وہ مبدأ جس پر اسلامی سیاسی نظام کی اساس قائم ہے، یہ مبدأ ہر صاحب حق کو اس کا حق دینے سے قائم ہوتا ہے اور دوسروں پر ظلم وجور نہ کرنے سے۔

عدالت کی اہمیت اور وُسعت

اسلامی معاشرے کی وحدت اور اسلامی حکومت کے قیام میں اجتماعی عدل ہی بنیادی ستون ہے۔ اور جس معاشرے کا حاکم ظالم ہو اس میں کامل اسلام کا وجود نہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ معاشرے میں اجتماعی عدالت کی اساس موجود ہوگی۔ پس اکثر قرآنی آیت اور احادیث مبارکہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ سارے لوگ شریعت کے سامنے برابر ہیں۔ افراد، جماعات اور ممالک کے درمیان عدل کا قائم کرنا مستحب امور نہیں ہیں جو کہ حاکم کے مزاج اور خواہش کے موافق چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اسلامی شریعت میں لوگوں کے درمیان اقامتِ عدل سب سے اہم اور معزز واجبات میں شمار ہوتا ہے۔ پوری اُمت عدل کے وجوب پر متفق ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

أجمع على أن من كان حاكما وجب عليه أن يحكم بالعدل.

اس بات پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص حاکم ہو، اس پر عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا واجب ہے۔

اسلام میں عدل کی اصل اُن قواعد میں سے ہے جس کی بنیاد پر زندگی کے تمام شعبے رواں دواں ہوں۔ نہ یہ کہ اسلام نے صرف حکومتی نظام میں عدل کا اہتمام نہیں کیا بلکہ ہر فرد کا اپنے نفس کے ساتھ تعلق میں، اور کسی شخص کا لوگوں کے ساتھ تعلق میں اور حکام و محکومین کے درمیان تعلق و علاقہ میں بھی عدل کا اہتمام کیا ہے، حاکم اور محکوم دونوں کے لیے عدل کرنا لازم ہے۔

علامہ صلابی ؒ نے لکھا ہے :اگر ہم نبی علیہ الصلوۃ والسلام، خلفائے راشدین ؓ اور تابعین ؒ میں سے ان لوگوں کے زمانہ پر نظر دوڑائیں جو ان کے طریقے پر چلے تھے تو ہم کو ایک درخشندہ صورت دکھائی دے گی جس میں اس دین کی عظمت آشکارا ہو جائے گی اور اس امت کی عدل کے ساتھ محبت پر دلالت بھی ظاہر ہو جائے گی۔

معاشرہ میں عدل کی اہمیت

عدالت اسلام کی ان لطیف خصوصیات میں سے ہے جسے دینِ متین نے زندگی کے ہر موڑ پر پوری اہمیت دی ہے اور دین اسلام عدالت کے مقتضی پر عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

قرآن کریم میں (۲۶) بار عدل کی اہمیت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے عدل کی اہمیت مزید واضح ہوگئی۔ اگر ہم عدل کے استعمال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ عدل کے تصور میں دو حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق کے لحاظ سے توازن برقرار رکھا جائے۔ دوسرا یہ کہ دوسروں کا حق بآسانی دیا جائے۔ عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے معلوم حقوق میں توازن قائم ہو، اس کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی، سیاسی، اور تمدنی حقوق مل جائیں۔

[اسلام کا نظامِ سیاست و حکومت، جلد ا، ص ۳۰ تا ۴۳]

اسلام کی ۴۰ خصوصیات

۱۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو ہر میدان میں علم اور عقل کو ساتھ رکھتا ہے۔

۲۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو تہذیب و تمدن کا داعی ہے۔

۳۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو روحانیت اور مادیت کا حامل ہے۔

۴۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کے حق میں متمدن دنیا کے فلسفہ نے شہادت دی۔

۵۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کا تجربات سے ثابت کرنا آسان ہے۔

۶۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی بنیادی تعلیم تمام انبیاء و رُسل اور آسمانی کتابوں پر ایمان لاتا ہے۔

۷۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو بنی نوع انسان کی تمام ضروریاتِ زندگی کا جامع ہے۔

۸۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی شہادت علمی تجربات نے دی ہے۔

۹۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں آسانی اور لچک ہے۔

۱۰۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو اُمت اور ہر زمانہ کے لیے مناسب ہے۔

۱۱۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس پر ہر حال میں عمل کرنا آسان ہے۔

۱۲۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہے۔

۱۳۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی مقدس کتاب (قرآن) محفوظ ہے۔

۱۴۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی مقدس کتاب تمام بنی نوع انسان کے لیے چشمہ ہدایت ہے۔

۱۵۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو تمام مفید علوم کے حصول کی اجازت دیتا ہے۔

۱۶۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس سے موجودہ تہذیب مستفاد (فائدہ) اُٹھا رہی ہے۔

۱۷۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں موجودہ تہذیب کی خرابیوں کا صحیح علاج ہے۔

۱۸۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے تہذیب کی روح اور مادہ کے جامع ہونے کی شہادت دی ہے۔

۱۹۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس سے دنیاوی امن و آشتی پوری ہو سکتی ہے۔

۲۰۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کا اثبات علمی تجربہ سے آسان ہے۔

۲۱۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے تمام طبقاتی امتیازات کو ختم کر دیا ہے۔

۲۲۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے تمام انسانوں کے مابین یکساں قانونی معاملات کا اعلان کیا۔

۲۳۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے سماجی انصاف قائم کیا۔

۲۴۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں خلافِ فطرت کوئی چیز نہیں ہے۔

۲۵۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں حکام کو ظلم و تشدد سے روکتے ہوئے باہمی مشورے کا درس دیا ہے۔

۲۶۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف قائم رکھنے کا سبق دیا ہے۔

۲۷۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی بشارت آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

۲۸۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے عورت کا خواہ بیوی ہو یا بیٹی تحفظ کیا ہے۔

۲۹۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے گورے کالے عربی و عجمی میں مساوات قائم کی۔

۳۰۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے سیاسی حقوق ثابت کیے۔

۳۱۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے تعلیم دین کی ترغیب دیتے ہوئے علم نافع کے چھپانے کو حرام قرار دیا۔

۳۲۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے اپنے اوامر کو جدید طبی انکشافات کے موافق رکھا۔

۳۳۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے غلاموں کو بہیمانہ سلوک سے بچاتے ہوئے حکام کو

مساوات اور حریت کی ترغیب دی (جس کے نتیجہ میں تاریخ گواہ ہے کہ غلام بھی سربراہ سلطنت پر فائز ہوا اور بادشاہ بنے۔)

۳۴۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے عقل کی بالادستی اور اس کے فیصلے کی اطاعت ثابت کی۔

۳۵۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے فقراء کے لیے اغنیاء کے مال میں حصہ متعین کر کے دونوں کو بچایا ہے۔

۳۶۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے فطرت اور حکمتِ خداوندی کے مطابق اخلاق کی سختی اور نرمی کے موقف کو ثابت کیا ہے۔

۳۷۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے تمام مخلوقات کے ساتھ نرمی اور حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

۳۸۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے فطری اصول کے مطابق شہری حقوق کے اصول سکھائے ہیں۔

۳۹۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے انسان کی صحت اور ثروت کی حفاظت کی ہے۔

۴۰۔ اسلام ہی ایسا دین ہے جو دل و دماغ اور اخلاق پر اثر انداز ہوتا رہا ہے۔

(ماخوذ من شیخ عبدالفتاح الامام بعنوان التفسیری العصری القدیم جلد نمبر ۳ سید عبدالحکیم)

اسلام عالمگیر مذہب ہے

انسانی فطرت تمام اقوام میں بلاتخصیصِ نسل و وطن عالمگیر ہے۔ کوئی قوم اور کسی ملک کا انسان خواہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا، افریقہ کا ہو یا امریکا کا، ایسا نہیں ہے جس میں انسانی فطرت اور اس کے لوازمات و خصائص موجود نہ ہوں۔ آسمانی مذہب چونکہ فطرت انسانی کی تکمیل اور سعادت کے لیے آیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسانی دین بھی انسانی فطرت کی طرح ہمہ گیر ہو اور یہی دین کے عالمگیر ہونے کا مطلب ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کو اسلام کی طرف دعوت

﴿۱﴾ اسلام دنیا کا واحد دین ہے جو کہ تمام انبیاء کرام پر ایمان لانے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ اسلام تمام مذاہب کا خیر خواہ ہے کسی کا دشمن نہیں ہے۔ اس امر کا اظہار اب محققین بھی کر رہے ہیں۔ ایک امریکی پروفیسر ڈاکٹر ایلس نے اپنی تالیف ''سچی بات'' میں لکھا ہے کہ مغرب یا عالمِ عیسائیت کو اسلام سے کسی خطرے یا اندیشے کا واویلا بالکل غیر ضروری اور بے جا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آج تک عیسائی دنیا کو اسلام سے کوئی گزند نہیں پہنچا بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ہمیشہ اسلام ہی کو عیسائی دنیا سے نقصان پہنچا ہے۔

﴿۲﴾ اسلام کو دینِ فطرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسانی فطرت کے قریب ترین ہے اور اسلام کوئی ایسا حکم نہیں دیتا جو کہ انسانی فطرت کے خلاف ہو۔

﴿۳﴾ اسلام وہ واحد دین ہے جو کہ انسان کے جسم اور روح دونوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے یعنی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ یہ چھوٹا سا فقرہ میڈیکل سائنس کی سینکڑوں کتابوں پر بھاری ہے۔ یعنی اسلام بے جا روک ٹوک نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ ضرور کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ یعنی ایک تو بھوک سے زیادہ نہ کھاؤ اور نہ ہی ضائع کرو۔ اگر انسان اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلے تو کبھی بیمار نہ ہو۔ یعنی حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ بھوک رکھ کر کھاؤ۔ یہ ایسا عظیم الشان اصول ہے کہ اس پر عمل کر کے انسان بہت سی تکالیف سے بچ سکتا ہے۔

﴿۴﴾ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ یہ چھوٹا سا فقرہ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیتا ہے۔ اگر ہم دنیا میں لوگوں کو لاحق بیماریوں کا جائزہ لیں تو اس کی ایک بہت بڑی وجہ گندا پانی، گندی خوراک اور خراب آب و ہوا ہے۔ اگر انسان اپنے جسم کی صفائی کا ہی خیال رکھ لے تو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر وہ ہاتھ دھو کر کھانا کھائے گا تو بہت سے جراثیموں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

﴿۵﴾ حضور پاک ﷺ نے لوگوں کے سامنے سب سے پہلے توحید کی تعلیم دی اور توحید کو قائم کرنے کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ ایک غزوہ میں جب مسلمان دفاعی پوزیشن میں ایک چٹان کی اوٹ میں تھے، اسی وقت کفار نے نعرہ لگایا کہ کدھر ہے علی رضی اللہ عنہ۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے دوسرے صحابہ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد کہا، کہ کدھر ہے محمد؟ آپ ﷺ نے پھر خاموش رہنے کا حکم دیا۔ جو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بڑا تکلیف دہ تھا۔ مگر حکم کے پیش نظر خاموش رہے۔ پھر کفار نے جبل بت کا نعرہ لگایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حسبِ سابق خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کیا جواب دیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کہو اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا ہی اعلیٰ واجل ہے۔

یہاں اگر غور کیا جائے تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جہاں تک حضور کی ذات اور صحابہ کی عزت کا تعلق تھا تو آپ نے سب کچھ برداشت کیا مگر جب اللہ کی عزت کا معاملہ آیا تو آپ نے اپنی اور اپنے صحابہ کی جانوں کی بھی پرواہ نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی توحید اتنی پیاری تھی۔

﴿۶﴾ حضور ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر دنیا میں آئے۔ آپ ﷺ اپنے غیروں اور دشمنوں کے لیے بھی رحمت تھے۔ حضور ﷺ دنیا کے واحد عظیم نبی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مقدس کتاب پر خود بھی عمل کر کے دکھایا اور اپنے

صحابہ کرام سے بھی عمل کروایا اور آپ کے تیئس سالہ دور میں آپ کو بہت سی تکالیف اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا اور اس مختصر دورِ حیات میں ایک فاتح کی شکل میں بھی دنیا نے آپ کو دیکھا۔ قرآنِ کریم ایک ایسی آفاقی تعلیم ہے کہ انسانی زندگی کے تمام ادوار پر حاوی ہے۔ یہ اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا کہ گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں نے اسلام قبول کر کے آسمان کے چمکدار ستارے بن گئے اور ہم جب بھی ان کا نام لیتے ہیں تو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ زمین و آسمان نے ایسا معجزہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

﴿۷﴾ اسلام ہر قسم کے اعلیٰ اخلاق، صدق، صبر، حیا، احسان، پاک دامنی، حلم و بردباری، رحم، سخاوت، شجاعت، ایثار، مہمان نوازی، حق گوئی، اعتدال کی تعلیم دیتا ہے اور ان پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں کامیابی کی نوید دیتا ہے۔

﴿۸﴾ اسلام ہر قسم کے اخلاق شنیعہ مثلاً جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، کبر و غرور، حسد، خود نمائی، غیبت، تمسخر، بدظنی، بخل، بہتان، چغل خوری، ظلم و زیادتی، منافقت، خوشامد، فحش گوئی، حرص و طمع، غیظ و غضب، دوسروں میں عیب نکالنے سے سختی سے منع فرماتا ہے اور اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ جو ان برائیوں میں مبتلا ہوں وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں دکھوں اور تکالیف میں مبتلا رہیں گے۔

﴿۹﴾ اسلام کا نظامِ معاشرت دنیا کا بہترین نظام معاشرت ہے جس میں عدل و انصاف، مساوات، اُخوت، اتحاد، اتفاق، انصاف، مذہبی آزادی اور تکریمِ انسانیت کی تعلیم دی گئی ہے۔

﴿۱۰﴾ اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں بھی بہت اعلیٰ تعلیم دی ہے اور حکم دیا ہے کہ جو کچھ پکاؤ اس میں سے اپنے پڑوسیوں کو بھی بھجوا دو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبریل امین نے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ مجھے ایسے لگنے لگا کہ شاید پڑوسی کو جائیداد میں سے بھی حصہ دیا جائے یعنی اس حد تک اسلام پڑوس کے حقوق کا بھی خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے۔

﴿۱۱﴾ اسلام غیر مسلموں بلکہ دشمنوں کے حقوق کا بھی خیال رکھتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کے راستہ میں لڑو لیکن زیادتی نہ کرو کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ [سورۂ بقرہ: ۱۹۰]

﴿۱۲﴾ اسلام ایسا عظیم دین ہے جو انسان تو انسان جانوروں تک کا بھی خیال رکھتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص چڑیا کے دو بچے پکڑ لایا۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ان کو فوراً چھوڑ دو۔ بعض لوگوں نے چیونٹیوں کے گھر جلا دیئے۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا آگ کی سزا دینا صرف اللہ کے لیے سزاوار ہے۔ [ابوداؤد]

﴿۱۳﴾ آج دنیا میں اسلام جو تیزی سے پھیل رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم نہایت آسان، سادہ اور عام فہم ہے اور فطرت کے قریب ہے۔ اگر کوئی بھی شخص تعصب کی عینک اتار کر اسلام کا مطالعہ کرے گا تو اسلام کی حقانیت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

﴿۱۴﴾ برطانوی شہزادہ چارلس نے کھلم کھلا اعتراف کیا ہے کہ اسلام ہمارے ماضی اور حال کی تمام انسانی جدوجہد اور سرگرمیوں میں حصہ دار رہا ہے۔ اس کی مدد سے ہم نے جدید یورپ تخلیق کیا۔ یہ ہماری وراثت کا حصہ ہے۔ الگ چیز نہیں۔ یہ ہمیں آج کی دنیا کو سمجھنے اور اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ایسے طریقہ کی تعلیم دے سکتا ہے جسے کھو کر عیسائیت افلاس زدہ اور پسماندہ ہوگئی۔ شہزادہ چارلس نے برطانوی عوام پر زور دیا ہے کہ وہ اسلام سے سبق لیں اور اس کے روحانی عقائد کی قدر کریں جس سے مسلمان ممالک اور مغرب کے درمیان ایک پُل کا کام لیا جاسکتا ہے۔

﴿۱۵﴾ بڑے فلاسفر، مفکر اور دانشور مثلاً ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور، نوسٹرے ڈیمس، کیرو، جین ڈکسن برنارڈ شا اور بہت سے دوسرے اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجے گا اور مستقبل کا مذہب اسلام ہے۔

﴿۱۶﴾ حضور ﷺ نے ایک لشکر کو روانہ کرتے ہوئے ہدایات دیں کہ راہبوں سے تعرض نہ کرنا، کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو نہ مارنا، پھل دار درخت اور سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا، کوئی مکان منہدم نہ کرنا۔

﴿۱۷﴾ حضور ﷺ اسلام کی تعلیمات کی عملی تفسیر تھے۔ اگر کسی غیر مسلم کو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہوں تو اسے حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

﴿۱۸﴾ اسلام غلاموں، غریبوں، یتیموں کے حقوق کے بارے میں خاص طور پر حکم دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے جو آخری خطبہ دیا اس میں غلاموں کے حقوق کا بھی ذکر ہے۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ غلاموں یا نوکروں کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور ان کو وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

﴿۱۹﴾ اسلام میں عورتوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور عورت کی بطورِ ماں، بیوی اور بیٹی بڑی عزت اور تعظیم کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ایک شخص نے چار دفعہ دریافت فرمایا کہ میری ذات پر کس کا زیادہ حصہ ہے تو حضور ﷺ نے تین دفعہ فرمایا کہ تمہاری ماں کا اور چوتھی دفعہ فرمایا تمہارے باپ کا۔

نکتہ کی بات:

آج بھی حضور ﷺ غیر مسلموں کے خوابوں میں آکر انہیں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے غیر مسلم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اگر 1400 سال بعد آج بھی حضور ﷺ نے غیر مسلموں کو خوابوں میں آکر دعوتِ اسلام دینی ہے تو پھر ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ کیا آج ہماری یہ ذمہ داری نہیں کہ ہم اسلام کا پیغام دنیا تک پہنچائیں اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ [اسلام کا دنیا پر جلد دوبارہ عروج۔ ص ۳۰ تا ۳۴]

شریعتِ اسلام ایک کامل اور مکمل شریعت ہے

ہم مسلمان جس مذہب کی پیروی کرتے ہیں یعنی اسلام اور جن کے ذریعہ یہ نعمت ہمیں حاصل ہوئی یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے توسط سے زندگی گزارنے کے جو طریقے ہمیں نصیب ہوئے یعنی آپ کی شریعت وہ کامل اور مکمل ترین شریعت ہے ان تمام مذاہب کے مقابلے میں جو آج ساری دنیا میں رائج ہیں۔

کوئی ایسی معقول اور فائدہ مند بات نہیں جو عقلی طور پر معقول اور مستحسن ہو اور آپ نے حکم نہ دیا ہو اور کوئی ایسی نامناسب اور نقصان دینے والی بات جس کو عقل برا سمجھتی ہو اور آپ نے اس سے روکا نہ ہو۔ آپ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جس کے متعلق آج یہ کہنے کا موقع ہو کہ کاش آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کسی ایسی چیز کی ممانعت کی کہ آج یہ کہا جا سکے کاش آپ اس کی ممانعت نہ کرتے۔ آپ نے تمام پاکیزہ اور صاف ستھری چیزوں کو حلال کیا اور ان میں سے کسی چیز کو حرام نہیں کیا جیسا کہ بعض شریعتوں میں حرام کیا گیا تھا اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کیا۔

دنیا کی تمام قوموں کے پاس جتنی خوبیاں اور محاسن ہیں وہ سب آپ کی شریعت میں جمع ہیں۔ تورات، انجیل، زبور میں فرشتوں اور یوم آخرت کے متعلق جتنی اطلاعات اور خبریں ہیں وہ مکمل ترین طور پر قرآن میں اور آپ کی شریعت میں آ گئی ہیں بلکہ کچھ ایسی چیزوں کی بھی خبر دی گئی ہے جن کا ان کتابوں میں بھی ذکر نہیں۔ ان کتابوں میں عدل و انصاف کی ضرورت اور صحیح فیصلہ فضائل، اخلاق کی دعوت اور نیکیوں کی ترغیب آئی ہے۔ وہ آپ کی شریعت میں ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر کوئی عقلمند اسلام کے طریقہ عبادت اور دوسرے مذاہب کے طریقہ

عبادت پر غور کرے گا تو اسلامی عبادات کی فوقیت اور برتری اس کو صاف نظر آئے گی۔ یہی حال شریعت کے تمام حدود، تعزیرات اور احکامات اور مسائل و قوانین کا ہے۔

عیسائی قوم شروع ہی سے اسلام کی دشمن رہی ہے اور اسلام کی تعلیمات اور احکامت پر اعتراضات اور تنقید کرنا اور مذاق اڑانا ان کا ہمیشہ سے مشغلہ رہا ہے۔ ہمیں اس پر تو کوئی افسوس نہیں وہ اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لئے ایسا کرتے ہین۔ ہمیں افسوس تو یہ ہے کہ اب کچھ مسلمان گھروں میں پیدا ہونے والے اور اسلام کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان بھی ان عیسائیوں کے ہم نوا بن کر اپنے مذہب کے احکامات اور قرآن کے قوانین پر اعتراض کرنے اور اس کا مزاق اڑانے لگے ہیں۔ اور بعض تو عیسائی پادریوں سے بھی دو قدم آگے چلے جاتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا محرک یہ ہے کہ یا تو یہ مسلمان بھائی دین سے پوری طرح واقف نہیں یا اپنے مذہب کے متعلق یہ لوگ شک وشبہ میں مبتلاء ہیں یا مغربی نصابِ تعلیم نے ان کے ذہن کو بگاڑ دیا ہے۔ ہم نے یہ کتاب ایسے ہی مسلمان بھائیوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے لکھی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی راہِ راست پر آ گیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری محنت وصول ہوگئی۔ [مغرب زدہ مسلمانوں کے نام۔ ص ۹ تا ۱۱]

اسلام کی سچائی کا سائنسی ثبوت

قرآن کریم کے وحی ربانی اور اس کی سچائی کے ثبوت اس کتاب میں جا بجا ہیں مگر اصل حقیقت تو تب ہی واضح ہوتی ہے جب غیر مسلم بھی اس کی سچائی کی گواہی دیں۔ فرانس کے ایک مایہ ناز عیسائی ڈاکٹر اور سائنس دان ڈاکٹر مورس بکیلی [Dr Maurice buccaile] نے 1970ء میں فرانسیسی زبان میں اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' لکھی۔ اس کتاب کے ترجمے دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے عربی لغت اور قدیم عربی خاص طور پر اس لئے سیکھی تا کہ میں قرآن کو بلا واسطہ سمجھ سکوں۔ میری دلچسپی کا محور ہمیشہ یہ بات رہی کہ آسمانی کتابوں میں جو سائنس سے متعلقہ بیانات ہیں وہ کس حد تک سچے ہیں۔ سائنس کے مفروضوں یا تھیوری کی بات نہیں بلکہ سائنس کے مسلمہ اصول ان کتابوں میں کسی حد تک اور کس طرح پائے جاتے ہیں؟ ڈاکٹر مورس لکھتے ہیں کہ جب ہم بائبل کو مسلمہ سائنس کے آگے رکھتے ہیں تو قدم قدم پر تضادات اور غلطیاں ذہن میں کھٹکنے لگتی ہیں۔ بائبل کے مفسر لفظی بازی گری سے ان نقائص کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب اس غیر مسلم مذہبی اسکالر اور مورخ ڈاکٹر مورس کی کتاب سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

[۱] جب میں نے قرآن پر ریسرچ شروع کی تو مجھے یہ تجربہ ہوا کہ نصاریٰ کے بعض حلقوں میں تعصب کا یہ عالم ہے کہ قرآن کی کوئی بات نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا شیطان کا حوالہ دینا۔

[۲] اس کے برعکس قرآن میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ پہلے صحیفوں اور

پیغمبروں پر ایمان لائیں۔

[۳] انجیلوں کا مقابلہ صرف حدیثوں سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ انجیلیں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حدیثیں محمد (ا) کے بعد لکھی گئیں۔

[۴] مسیحیت میں کوئی متن یا کتاب ایسی موجود نہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی اور اسے لکھ لیا گیا ہو۔ اسلام میں قرآن وہ کتاب ہے جو استناد کی اس شرط کو پورا کرتی ہے۔

[۵] سائنس کے متعلق بائبل میں تھوڑے سے بیانات ہیں لیکن وہ سائنس سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔ سینٹ آگسٹین نے گرجا کو نصیحت کی تھی کہ بائبل میں جو چیز سائنس کے خلاف ہو اسے باہر کیا جائے لیکن کسی نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔

[۶] قرآن مجید میں سائنسی نوعیت کے ارشادات بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں ایک بھی بیان ڈھونڈے سے نہیں ملتا جو مسلمہ سائنسی اصولوں سے ٹکراتا ہو۔ اس بات نے مجھے حیران کر دیا۔

[۷] بائبل کے اعتبار سے آدم کی تخلیق 3700 ق۔م میں ہوئی۔ یہ بات آج آپ صرف گرجا میں پڑھا سکتے ہیں۔ قرآن اس غلط بیانی سے پاک ہے۔ آج بچہ بھی جانتا ہے کہ آدم کی تخلیق بہت پرانی بات ہے۔

[۸] اسلام میں مذہب اور سائنس کی حیثیت دو جڑواں بہنوں کی سی ہے۔ لہٰذا اسلامی تمدن کے دورِ عروج میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی جس سے مغرب نے استفادہ کیا۔

[۹] بائبل کے مطابق سورج کے وجود میں آنے سے پہلے زمین میں سبزہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ بات سائنٹفک اعتبار سے غلط ہے۔ سورج کی روشنی کے بغیر سبزہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور یہ غلطی آپ کو قرآن میں نہیں ملے گی۔ (یاد رہے کہ یہ سب باتیں کرسچن ڈاکٹر بکیلی کہہ رہے ہیں)۔

[۱۰] ارتقاء کے ثابت شدہ اصولوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ زمین پر پہلے چوپائے پیدا

ہوئے اور پرندے اُن کے بعد وجود میں آئے۔ بائبل یہاں بھی غلطی کرتی ہے جب عالمِ حیوانی کی ابتداء سمندری جانوروں اور پرندوں سے قرار دیتی ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو یہ غلطی نہیں ملے گی۔

[۱۱] بائبل کے مطابق طوفانِ نوح 2100 ق۔م میں برپا ہوا جس سے صرف انسان ہی نہیں زمین کی سب جاندار مخلوق فنا ہوئی۔ جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ اس دوران مصر، بابل، چین اور جنوبی امریکہ میں تہذیبیں پھل پھول رہی تھیں۔ قرآن کے مطابق طوفانِ نوح صرف نوح علیہ السلام کی قوم پر برپا ہوا تھا۔ تاریخ اور آثارِ قدیمہ کے شواہد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دجلہ و فرات کی طغیانی تھی جہاں قومِ نوح آباد تھی۔

[۱۲] گلیلیو پر اس لیے مقدمہ چلایا گیا کہ اس نے زمین کی گردش کے بارے میں کوپرنیکس کے نظریے کو مان لیا تھا۔ یہ نظریہ قرآن کے مطابق ہے جب کہ بائبل کے مطابق زمین ٹھہری ہوئی ہے اور سورج چاند ستارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

[۱۳] نصاریٰ کو یاد ہی نہیں کہ آٹھویں اور بارہویں صدی عیسوی کے درمیان یورپ سے طلباء کھنچ کر قرطبہ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح جیسے آج آگے پڑھنے کے لیے امریکہ جاتے ہیں۔ عربوں کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں تمدن اور علم عطا کیا۔ ریاضی، فلکیات، ارضیات، نباتات، طبعیات، طب، الجبرا وغیرہ۔

[۱۴] میں نے دیکھا ہے کہ یورپ و امریکہ کا ماہ پرست دہریہ جو عام معلومات بھی کم رکھتا ہو اسلام کے متعلق غلط تصورات کا بڑا ذخیرہ اپنے پاس لیے پھرتا ہے۔

[۱۵] سائنسی معاملات میں قرآنی عبارتوں کا ترجمہ اور تفسیر مسلمانوں نے نہایت خراب اور ناقص کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید دور کے مترجم اور مفسر پرانی تفسیروں کو سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔

[۱۶] قرآن سمجھنے کے لیے زبان سے واقفیت کافی نہیں۔ اپنے دور کی سائنس کا علم ہونا ضروری ہے۔ عربی میں عالم کہتے ہی سائنس دان کو ہیں اور قرآن کے مطابق علماء

وہ ہوتے ہیں جو آسمانوں، بادلوں، برسات، دورانِ آب، علم نباتات، ارضیات، پہاڑوں، حیوانات جیسی سائنس اور علوم پر غور کر کے خدا کی عظمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔[سورۂ فاطر۔آیت:۲۸]

[۱۷] تخلیق کائنات کے وقت بائبل کے مطابق خدا کی روح پانی پر جنبش کر رہی تھی۔ قرآن فرماتا ہے۔نہیں محض دھواں تھا یعنی نہایت چھوٹے ذرات پر مشتمل گیس کا ایک مرغولہ۔جدید سائنسی تحقیق قرآن کے بیان کو ثابت کرتی ہے۔

[۱۸] کئی جگہ ''زمین اور آسمانوں کے درمیان'' کا ذکر آیا ہے۔[سورۂ طہٰ: آیت ۶]، [سورہ فرقان : آیت ۵۸]اور [سورۂ سجدہ : آیت ۴]امریکہ کی خاص دوربین ماؤنٹ وِلس نے حال ہی میں دریافت کیا ہے کہ زمین اور آسمانوں کے درمیان کہکشانی مادے کی کثیر مقدار بکھری پڑی ہے۔

[۱۹] بائبل سورج اور چاند کو عظیم تر اور کم تر روشنی کہہ کر آگے بڑھ جاتی ہے۔قرآن سورج کو ''سراج'' یعنی چراغ کہتا ہے اور چاند کو ''منیر'' چراغ کی روشنی اپنی ہوتی ہے اور منیر جو روشنی سے چمکتا ہو۔[سورۂ نوح: آیت ۱۶]اور [سورۂ نبأ: آیت ۱۳]

[۲۰] سورج چاند اپنے مداروں پر چل رہے ہیں یا اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں [سورۂ انبیاء: آیت ۳۳]اور [سورۂ یٰسین: آیت ۴۰]یہ ہے قرآن کا ارشاد 1400 برس پہلے خدا کے سوا کون یہ بات کہہ سکتا تھا؟

[۲۱] ''اللہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے''۔[سورۂ زمر: آیت ۵]یہ زمین کی گولائی کا پہلا زبردست بیان ہے۔''یُکَوِّر'' کے لفظ سے گیند اور کُرہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔خلا بازوں نے بلندی سے رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹے جانے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تصویریں بھی لی ہیں۔

[۲۲] [سورۂ معارج: آیت ۴۰]مشرقوں اور مغربوں کا ذکر کرتا ہے۔آج بھی کتنے لوگ جانتے ہیں کہ سورج کا طلوع اور غروب موسم کے حساب سے مختلف نقطوں پر ہوتا ہے؟ محمد (ﷺ) کو یہ کس نے بتایا؟

[۲۳] سورۂ ذاریات: آیت ۴۷ میں کائنات کے وسیع ہوتے جانے کا ذکر ہے جو جدید سائنس کے عین مطابق ہے۔

''آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس میں توسیع کرتے چلے جا رہے ہیں''۔

صاحبو! یہاں ڈاکٹر مورس بکیلی لکھتے ہیں کہ کیا 1400 برس پہلے جزیرہ نما عرب کے کسی باشندے کے ذہن کے قریب سے بھی ایسا خیال گزر سکتا تھا؟ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ 20ویں صدی کے مسلمان مفکر بھی صاف صاف مفہوم کہنے سے جھجکتے ہیں۔ ایک مشہور مترجم نے تو اس آیت کا ترجمہ کرتے ہی سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ سائنسی طور پر یہ بات قطعی ثابت ہو چکی ہے کہ کائنات ہر لمحہ وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ (امریکہ ماہر فلکیات ایڈون ہبل 1929ء)

[۲۴] افلاطون سے لے کر سینیکا اور رینے ڈیکارٹ اور دیگر مفکروں اور سائنس دانوں نے دورانِ آب (Water Cycle) کے بارے میں جو جو خیالات پیش کیے تھے قرآن کریم نے ان سب کی اصلاح کر ڈالی (سورۂ ق: آیت ۹)، (سورۂ مومنون: آیت ۱۸)، (سورۂ حجر: آیت ۲۲)، (سورۂ فاطر: آیت ۹)، (سورۂ روم: آیت ۴۸) اور دیگر بہت سی آیات میں بارش، پانی زمین میں جذب ہونا، چشمے پھوٹنا، دریا بہنا، آبی بخارات کا اوپر اٹھنا، بادل بننا ہر چیز، ہر مرحلہ جدید سائنس سے اتنا ہم آہنگ ہے کہ عقل عش عش کر اٹھتی ہے۔

[۲۵] ''بائبل، قرآن اور سائنس'' میں ڈاکٹر بکیلی لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس زمانے میں میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان آڑ یا برزخ کا ذکر کیا جب دنیا میں کوئی سائنس داں اس بات سے واقف نہیں تھا۔ آیات (سورۂ فرقان: ۱ا یت ۵۳)، (سورۂ رحمٰن: آیت ۱۹) دنیا کے کئی دریاؤں اور سمندروں میں میٹھے اور کھاری پانی کی دیوار اتنی صاف طور پر مشاہدے میں آتی ہے کہ آپ کشتی میں سفر کر رہے ہوں تو دائیں جانب کا پانی میٹھا ہوگا اور بائیں جانب کا کھاری۔ اور پھر دونوں پانیوں کے

درمیان دیوار۔ یہ دیوار نہ ہوتی تو دریاؤں، ندیوں، جھیلوں، چشموں اور کنوؤں کا پانی سمندر کی طرح نمکین ہوتا۔

[۲۶] سورۂ نبا: آیت ۷ اور سورۂ انبیاء: آیت ۳۱ آیات میں اللہ کا فرمان ہے کہ ''ہم نے پہاڑوں کو زمین میں میخوں کی طرح گاڑ دیا''۔ زمین کی سطح یا قشر یا بیرونی پرت کو پہاڑوں کے ذریعے زمین سے جوڑا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں پہاڑوں کی جڑیں یا بنیادیں ہوتی ہیں ایک سے دس میل تک گہری، جدید علمِ ارضیات حیران ہے کہ 1400 برس پہلے مکہ میں ایک امی ہستی (ﷺ) یہ بات کیسے جان سکتی تھی؟

[۲۷] قرآن کا ارشاد ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۲۶) جو شخص اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا وہ اسلام کا ذکر سنتے ہی یوں محسوس کرنے لگتا ہے ''جیسے اس کا سینہ گھٹ رہا ہو، گویا وہ آسمان کی طرف اٹھایا جا رہا ہے'' مکہ کے صحرا میں مدینہ کی وادی میں زیادہ بلندی پر پرواز کرتے ہوئے دم گھٹتا، سینہ تنگ محسوس ہونا کوئی کیسے جان سکتا تھا؟ اور یہ کہ بلندی پر آکسیجن کم ہو جاتی ہے؟۔

[۲۸] سورۂ انبیاء: آیت ۳۰ اجو ارشاد ہے کہ ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی ہے۔ آج کی سائنس کے مطابق سو فیصد درست ارشاد ہے۔ خواہ اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی یا یہ کہ ہر زندہ چیز کے لیے پانی لازمی ہے۔

[۲۹] سورہ طٰہٰ: آیت ۵۳ ''اور اللہ نے ..... نباتات کے جوڑے پیدا کیے''۔ پھولوں کے زار اور بیضہ دانوں سے اس زمانے میں کون واقف تھا؟

[۳۰] صاحبو! موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون 1300 ق۔م کے قریب بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ بائبل اس کے غرق ہونے کا ذکر کرتی ہے لیکن قرآن میں ایک ایسا ارشاد ہے جس نے ایک سو برس سے مغربی اسکالر کو حیران کر رکھا ہے۔ 1898ء کی بات ہے مصر میں بادشاہوں کی وادی '' Valley of Kings''میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے ایک حنوط شدہ جسم یعنی ''ممی'' دریافت کی۔ یہ ممی آج بھی مصر کے عجائب گھر میں سجی ہوئی ہے اور یہ ''ممی'' رعمسیس ثانی

کے بیٹے مرنفتاح کی۔ مرنفتاح وہی فرعون ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں ڈوب گیا تھا۔ جون 1976ء میں ڈاکٹر مورس بکیلی نے مصری حکومت کی اجازت سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس ممی کا تفصیلی معائنہ کیا۔ اندرونی معائنے سے ظاہر ہوا کہ یہ شخص انتہائی دہشت کے عالم میں پانی میں غرق ہو کر مرا تھا۔ اب ملاحظہ فرمایئے قرآنِ حکیم کا ارشاد:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾ [سورۂ یونس: آیت ۹۲]

''آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو تا کہ تو آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بن جائے''۔

نکتہ کی بات

اگر غیر مسلم مفکر اور دانشور اسلام اور قرآنِ کریم پر ریسرچ کر کے ان کی حقانیت دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو اہلِ اسلام کے مفکروں اور دانشوروں کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اسلام اور قرآنِ کریم کے فروغ کے لیے کیا کر رہے ہیں؟

[اسلام کا دنیا پر دوبارہ جلد عروج۔ ص ۶۱ تا ۶۷]

❁❁❁

عصرِ حاضر کی ایجادات آخرت کی ہر خبر کو سچا ثابت کر رہی ہیں

موجودہ دنیا مادّی دنیا ہے مگر یہاں مادّی واقعات کی صورت میں روحانی اور معنوی حقیقتوں کی مثالیں مل رہی ہیں۔ اگر آدمی سنجیدگی اور غور و فکر کے ساتھ ان کو دیکھے تو اس کا شک یقین کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

آج دنیا کی ہر ایجاد آخرت کی کسی نہ کسی حقیقت کو بجا ثابت کر رہی ہے۔ دیکھئے قرآن شریف میں ہے کہ آخرت کا ایک دن ہماری دنیا کے ہزار برس کے برابر ہے۔ اس کا معمولی سا نمونہ ہم اپنی دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ ایک ملک میں تو اس وقت رات ہے اور دوسرے ملک میں دن ہے۔ ایک ملک میں برف پڑ رہی ہے تو دوسرے ملک میں لو چل رہی ہے۔ ایک ملک میں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہے تو دوسرے ملک میں چوبیس گھنٹے کے دن رات ہیں۔

تو جس طرح اقلیم اور کرہ ارض کے بدلنے سے حالات بدل جاتے ہیں اسی طرح عالم کے اختلاف سے بھی احکام اور حالت بدل جاتے ہیں۔ ہماری دنیا کا عالم کثیف اور مادّی ہے۔ آخرت کا عالم لطیف اور غیر مادّی ہے۔ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں کہ ہماری دنیا کا ایک دن آخرت کے ایک ہزار برس کے برابر ہو۔

دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال تولے جائیں گے یعنی ان کا وزن دیکھا جائے گا۔ حالانکہ اعمال تو عرض اور غیر مادّی شے

ہیں ذہن انسانی کو یہ سن کر حیرت ہوتی ہے مگر یہ حیرت یقین اور ایمان میں بدل جاتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہماری دنیا میں ہوا بھی تولی جاتی ہے جو غیر مادّی ہے۔ بعض آلات سے حرارت اور برودت کا وزن بھی کیا جاتا ہے۔ بخار میں مریض کی حرارت کا وزن تھرمامیٹر سے کیا جاتا ہے تو پھر آخرت میں اعمال کے تولے جانے میں کیا اشکال ہے؟

اسی طرح عالمِ آخرت کی ہر چیز کا نمونہ ہماری دنیا میں موجود ہے۔ لوحِ محفوظ کی وسعت کے لئے اپنے دماغ پر نظر ڈالیے یا موجودہ دور کے کمپیوٹر کو دیکھئے۔ عالمِ آخرت میں انسان کے اعضاء آنکھ، کان، ہاتھ گواہی دیں گے۔ ٹیپ ریکارڈ اور گراموفون جیسی بے جان چیزیں جب بول سکتی ہیں تو انسان کے اعضا تو پھر جان رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ موجودہ دور کی نت نئی ایجادات نے خدا اور خدا کی بھیجی ہوئی اور رسولِ خدا کی فرمائی ہوئی خبروں اور باتوں پر ایمان لانا بہت آسان کر دیا ہے۔ مگر اس کے لئے حق شناس دل اور عبرت سے دیکھنے والی آنکھ کی ضرورت ہے۔ [مغرب زدہ مسلمانوں کے نام۔ ص ۵۴ تا ۵۵]

اسلامی ریاست کے اوصاف

ریاست لفظی طور پر رئیس سے ہے۔ اس کا معنی ہے سربراہی۔ ایک نظام کی قیادت آج کی اصطلاح میں ریاست کا مفہوم یہ ہے کہ کسی علاقے کے لوگ متعینہ حدود کے اندر ایک نظام کے تحت رہنے کا فیصلہ کر لیں تو وہ ریاست کہلاتی ہے۔ مثلاً پاکستان کے شہریوں نے ملک کا جو دائرہ طے کر رکھا ہے، جو نظم طے کریں گے وہ دستور کہلائے گا۔ اس ملک کو چلانے والے جو لوگ ہوں گے وہ حکومت کہلاتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس وقت دنیا میں 250 سے زاید ریاستیں ہیں جو اقوامِ متحدہ کی ممبر ہیں اور مسلمانوں کی ریاستیں 60 کے لگ بھگ ہیں۔ اسلامی ریاست سے مراد کون سی ریاست ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست نہ تو مغربی اصطلاح کے مطابق مذہبی حکومت [theocratic] ہے اور مغربی طرز کی جمہوری حکومت [Democratic] اور نہ ہی اشتراکیت کی طرز پر قائم کردہ کوئی حکومت بلکہ یہ وہ نظامِ سیاست اور نظامِ تمدن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ مدینہ میں قائم کردہ اسلامی ریاست کا دائرہ محض مذہبی معاملات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دامن سیاسی اُمور، تجارتی، اُصولوں اور بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری تک وسیع تھا۔ آپ ﷺ فوج کی قیادت بھی کرتے اور نماز کی امامت بھی فرماتے، بیت المال کا مکمل نظامِ کفالت ملک میں رائج تھا اور قرآن و سنت کے مکمل احکامات نافذ کیے گئے تھے۔ غرض اسلامی ریاست کا باقاعدہ نظم قائم کیا گیا تھا۔

اسلامی ریاست کے چند اوصاف ملاحظہ فرمائیں

(۱) اسلامی ریاست میں حاکمیتِ اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔

خلیفۃ المسلمین اپنے آپ کو حاکمِ مطلق نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا نائب [خلیفہ] تصور کر کے قرآن وسنت کے قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ کی فردِ واحد پارٹی یا پارلیمنٹ کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ واضح رہے کہ یہاں اقتدارِ اعلیٰ سے مراد قانون سازی کا حق ہے۔ اسلامی ریاست کی پارلیمنٹ جو بھی قانون سازی کرے گی وہ قرآن وسنت کی روشنی میں کرے گی۔

(۲) خلافت کا تصور:

خلافت اُس اقتدارِ عموم کا نام ہے جو معاشرے میں اِقامتِ دین کا اہتمام کرے، امن وامان کا بندوبست کرے، لوگوں کو انصاف فراہم کرے، اَحکامِ اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری پوری کرے اور فریضہ جہاد کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نیابتاً عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ یہ اقتدارِ عموم نبی کریم ﷺ کی نیابت کے طور پر ہوگا۔ گویا ہمارے ہاں خلافت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاست، قیادت اور حکمرانی نبی کریم ﷺ کے نائب کے طور پر کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو "خلیفۃ الرسول اللہ" کہا جاتا ہے۔ جبکہ امیر المومنین کی اصطلاح ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوئی۔

(۳) عدل وانصاف:

اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ قانون کی گرفت ہر چھوٹے بڑے اور ادنیٰ واعلیٰ شخص پر یکساں ہوتی ہے۔ اور ہر شخص باعزت تصور کیا جاتا ہے تا وقتیکہ وہ مجرم ثابت نہ ہو جائے۔ نیکی وبدی کے قوانین سب پر یکساں لاگو ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں سچائی اور انصاف سب سے مقدم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ اسلامی ریاست کی خوبی یہ ہے کہ اس میں

عدل وانصاف مفت فراہم کیا جاتا ہے۔

(۴) اصولی ونظریاتی ریاست:

اسلامی ریاست ایک اصولی ونظریاتی ریاست ہوتی ہے۔ اس ریاست کی بنیاد نہ نسل پر ہے اور نہ رنگ پر نہ زبان پر، نہ زمان پر ہے اور نہ علاقہ پر اور نہ محض سیاسی ومعاشی مفاد ہی اس کی بنیاد ہے۔ اسلامی ریاست کی بنیاد اسلام کے بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ اور یہ ریاست ان اصولوں کی علمبردار، ان کی تابع کی قائم کرنے والی ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست ایک مقصدی ریاست ہوتی ہے۔ جس کا مقصد دین کو قائم کرنا، قرآن وسنت کے مطابق قوانین وضع کرنا اور ان کو نافذ کرنا، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔ یہ اسلام میں ریاست خود ایک مقصد نہیں بلکہ ایک اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ گویا اسلامی ریاست ایک لادینی یا قومی ریاست سے مختلف ریاست ہے۔ اسلامی ریاست کا مقصد دنیاوی معاملات کی اصلاح کرنا ہے۔

(۵) شورائی ریاست:

اسلامی ریاست کی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک شورائی ریاست ہے۔ اس میں تمام انسان برابر ہیں۔ رنگ ونسل اور نسب کی بنیاد پر کسی خاص گروہ کو کوئی فوقیت نہیں ہے۔ وحدتِ آدم اور انسانی مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں۔ مسلمانوں کے تمام امور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق اور مسلمانوں کے مشورے سے طے کیے جائیں گے۔

(۶) پاکیزگی کا ماحول:

اسلامی ریاست کی بڑی خوبی ریاست کا صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول ہے۔ جہاں ہر طرف نظم وضبط، پابندی وقت، حسنِ اخلاق، بھائی چارے اور اسلامی اُخوّت ومحبت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ عریانی وفحاشی اور بے پردگی کا نام تک نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست کے ذرائع ابلاغ معاشرے کی پاکیزہ فضاء کو برقرار رکھنے میں حکومت کی معاونت کرتے ہیں۔

(۷) بیت المال کا قیام:

اسلامی ریاست میں مرکزی بیت المال کا قیام ناگزیر ہے۔ بیت المال درحقیقت اسلامی ریاست کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دولت سے غرباء اور ناداروں کی مالی مدد کی جاتی ہے۔ بیت المال کی متعدد شاخیں پوری ریاست میں پھیلا دی جاتی ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس خزانے سے مستفید ہو سکیں۔ بیت المال کا سربراہ عوام الناس سے صدقات، خیرات اور زکوۃ کی رقوم بیت المال میں جمع کرتا ہے اور بیواؤں، یتیموں اور ناداروں کی کفالت کا انتظام کراتا ہے۔ اور بیت المال درحقیقت عوام کی امانتوں کا ادارہ ہے جس کے محاصل کی وصولی، خرچ اور تقسیم کا انتظام حکومت کے ذمے ہوتا ہے۔ بیت المال کے قیام کی خوبی اسلامی ریاست کو دیگر ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے۔

(۸) مساواتِ قانون:

ایک اسلامی ریاست میں حاکمِ وقت اور عام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوتے ہیں۔ عدلیہ کے فیصلے سب پر یکساں عائد ہوتے ہیں۔ غلام ہو، آقا ہو، امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل۔ سب کے لئے قانون کی پابندی یکساں طور پر ضروری ہے۔ غریب اور مفلس شخص بھی حاکمِ وقت کا محاسبہ کر سکتا ہے۔

اسلامی ریاست میں قانون کی بالادستی اور حکمرانی اسے دیگر حکومتوں سے منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ جن میں اُمراء اور غریبوں کے لیے علیحدہ قانون وضع کیے جاتے ہیں اور معاشرے کا مفاد یافتہ طبقہ قانون سے بالاتر حیثیت کا مالک ہوتا ہے جبکہ ایک اسلامی ریاست میں اخلاقی اور قانونی طور پر سب لوگ قانونِ الٰہی کے پابند ہوتے ہیں۔

(۹) امن وسکون کا قیام:

اسلامی ریاست کا یہ وصف ہے کہ اس میں ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تاکہ ہر شخص اپنی قابلیتوں کو پرسکون فضاء میں پروان چڑھا سکے۔ اسلامی ریاست

عوام الناس کو یہ یقین دلاتی ہے کہ وہ بدمعاشوں، چوروں، ڈاکوؤں اور اٹھائی گیروں سے پوری طرح محفوظ ہیں۔ ایک اسلامی ریاست نہ صرف اندرونی امن وسکون کو یقینی بناتی ہے بلکہ ریاست کے بیرونی حملوں سے بھی بچاتی ہے۔

(۱۰) تعلیم وتربیت:

اسلام نے حصول علم کی بار بار تاکید کی ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست میں افراد کی تعلیم وتربیت کو یہ وصف حاصل ہے کہ اس میں تعلیم، علاج اور انصاف ہمیشہ مفت فراہم کیا گیا۔ حصولِ تعلیم چونکہ ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ اس لیے اسلامی حدود کے اندر تعلیمی اداروں کے قیام کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہے۔ علاوہ ازیں افراد، قوم کی ذہنی واخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ کتب خانوں، مطالعہ گاہوں اور درس وتدریس کی دیگر سہولت کی فراہمی اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔

(۱۱) فلاحی ریاست:

اسلامی ریاست حقیقی معنوں میں ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست ہوتی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں ریاست کا فریضہ فقط اتنا نہیں کہ امن وامان قائم کرے اور ملکی دفاع کی خدمات انجام دے بلکہ اس کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نماز، زکوۃ کا عملی نظام رائج کرے اور زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی مساوات قائم کرے۔ اگر اسلامی ریاست میں کہیں بھی فقر وفاقہ، ظلم وستم اور ناانصافی ہے تو اس کا خاتمہ کرے۔ اسلامی ریاست مستحق افراد کی کفالت کی ذمہ داری اور سماجی خدمات کی علم بردار ہوتی ہے۔ جہاں نہ صرف معیارِ زندگی ہی کو بلند کیا جاتا ہے بلکہ معیارِ اخلاق کو بھی بلند کیا جاتا ہے۔

(۱۲) آزادیِ اظہارِ رائے:

اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو اظہارِ رائے کی آزادی اس شرط پر دی جاتی ہے کہ وہ اس حق کو نیکی کے فروغ کے لیے استعمال کریں گے۔ اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو

حق حاصل ہے کہ وہ غلط کاموں پر ٹوکیں اور اس کے خلاف اعلانِ ناراضگی کر کے یہ بتائیں کہ صحیح کیا ہے۔ جسے اختیار کرنا چاہیے۔

اسلام جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کو جہاد قرار دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں ظلم و ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۱۱۳) جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ:

اسلامی ریاست کا یہ وصف ہے کہ وہ افراد اور قوم کی عزت و ناموس اور جان و مال کی محافظ اور نگران ہے اور اگر شہریوں کی جان و مال کو خطرہ ہو تو ریاست ان کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی جان کے علاوہ ان کے مال و اسباب، جائیداد، عزت و آبرو اور نجی زندگی کا مکمل تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔

(۱۴) بے پردگی اور بے حیائی کا انسداد:

اسلام نے مرد و زن کے علیحدہ دائرہ کار متعین کر دیئے ہیں۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق مخلوط تعلیم، معاشرہ میں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور مخلوط مجالس کی ممانعت کی گئی ہے۔ چونکہ اسلام ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ کے قیام کا علمبردار ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست عورتوں کے لیے پردہ کے احکامات نافذ کرتی ہے۔

(۱۵) غیر مسلموں کی حیثیت:

اسلامی ریاست غیر مسلموں سے بھی حسنِ سلوک کرتی ہے۔ غیر مسلموں کی حفاظت، جان، عزت و ناموس، مال کی تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی معاشرے میں مقیم ذمیوں کے ساتھ معاملات کا اساسی اُصول یہ ہے کہ چند متعین امور کے علاوہ انہیں مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اور چند مستثنیات کے علاوہ ان پر مسلمانوں کی سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوں گی۔

(۱۶) داعی ریاست:

اسلامی ریاست کی اہم خوبی یہ ہے کہ یہ افراد کی معاشی کفالت ہی نہیں کرتی بلکہ اخلاقی تعلیم، اور تہذیب وتمدن کی ترویج بھی اس کے ذمہ ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے اندر پھلنے پھولنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ دیگر اقوام اور ممالک کو متوجہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اسلامی ریاست ایک معلّم اور داعی کی حیثیت سے دیگر اقوام کو اسلام کا آفاقی پیغام ہے تاکہ ان کا معیارِ علم واخلاق بلند ہو اور وہ رنگ ونسل اور وطن وقومیت کے دائروں سے نکل آئیں اور ملت اسلامیہ کے جزو بن جائیں۔ رسول کریم ﷺ نے مدینہ کی اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد قیصر وکسریٰ کو خطوط لکھے اور شاہ نجاشی کو اسلامی کی دعوت دی۔ بعد ازاں خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی ریاست کئی دیگر ممالک تک پھیل گئی۔

[اسلامی ریاست میں آزادی ذرائع ابلاغ کی حدود: ص ۴۱ تا ۴۹]

مقصدِ حیات

ہر انسانی معاشرہ اور نظام کچھ عقائد و افکار کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے اور انہی عقائد و افکار کی روشنی میں ہر انسان کی زندگی کا ایک مقصد متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقصدِ حیات کی بناء پر ایک نظام کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اور اس نظام کے تحت زندگی گزارنے والے افراد کی تمام سرگرمیوں کا محور و مرکز ایک مخصوص و متعین مقصدِ حیات ہوتا ہے۔ اسی طرح نام کے تمام شعبوں اور اداروں کا ہدف وہی مقصدِ حیات ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی معاشرے اور نظام کو سمجھنے کے لیے اس کا مقصدِ حیات سمجھنا ضروری ہے۔

اسلامی نظامِ حیات کا مقصد

[۱] عبادت یعنی آخرت کی تیاری کی فکر اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

[۲] معیشت [۳] سیاست [۴] عسکریت [۵] عدالت [۶] معاشرت [۷] تعلیم۔

غرض تمام شعبوں کا مقصدِ حیات کا حصول عبادت ہے۔

مغربی نظامِ حیات کا مقصد

جسمانی و نفسانی، حیوانی خواہشات کی بہتر سے بہتر طریقے سے تکمیل۔

[۱] معیشت [۲] سیاست [۳] عسکریت [۴] عدالت [۵] معاشرت [۶] تعلیم

غرض تمام شعبوں کا مقصدِ حیات سرمائے کا حصول اور خواہشات کی تکمیل۔

اسلام کا نظامِ تعلیم

تعلیم کا کردار مثال (چشموں سے بہنے والے پانی)

تعلیم اور نظامِ حیات: نظامِ تعلیم سے نکلی کھیپ اور تیار ہونے والے افراد ہی پورے نظامِ حیات اور ریاست و حکومت اور اس کے تمام شعبوں کو چلاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ تعلیم کا مقصد: مسلمانوں کا مقصدِ حیات عبادت ہے۔ لہٰذا تعلیم کا اولین مقصدِ حیات عبادت کی تکمیل یعنی فلاح معاد (آخرت) ہے۔ اسلام میں تعلیم و تدریس عبادت ہے نہ کہ تجارت اور معلم عابد ہے نہ تاجر۔

مغربی نظامِ تعلیم: تصور و مقصد ڈگری کا حصول تا کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ حاصل کر کے خواہشاتِ انسانی کی تکمیل کی جا سکے۔

تعلیم تجارت ہے نہ کہ عبادت اور معلم تاجر ہے نہ کہ عابد۔

اسلام کا عدالتی نظام

۱۔ عدل و انصاف کی فراہمی۔ ۲۔ ظلم کا خاتمہ۔

۳۔ تنازعات کا خاتمہ۔ ۴۔ مظلوم کی مدد۔

۵۔ احکامِ شریعت پر عمل درآمد۔ ۶۔ امن و امان کا قیام اور بدنظمی و افراتفری کا خاتمہ۔

(۷) اچھائیوں اور نیکیوں کا حکم ہوتا ہے۔

(۸) برائیوں کی نشر و اشاعت اور تشہیر رُک جاتی ہے۔

اسلامی عدالتی نظام اور مغربی عدالتی نظام میں فرق

۱۔ شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور جرائم و سزائیں مقرر ہیں۔ جبکہ مغربی عدالتی قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ شریعت کے قوانین دائمی اور غیر متغیر ہیں جبکہ مغربی عدالتی قوانین متغیر ہوتے ہیں۔

۲۔ شریعتِ اسلامیہ میں اخلاقِ حسنہ کو بنیاد کہا گیا ہے جبکہ مغربی عدالتی قوانین میں اخلاق کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اخلاق کو قوانین سے اس وقت سروکار ہوتا ہے جب افراد یا اجتماع کو براہ راست نقصان پہنچے۔ مثلاً اسلام میں زنا بالرضا و جبر دونوں حرام اور جرم جبکہ مغربی عدالتی قوانین میں محض زنا بالجبر ظلم ہے۔

اسلامی عدالت کے بنیادی اصول

۱۔ تصفیہ طلب امور میں عدل و انصاف کرنا محض حاکم کا حکم یا اثر و رسوخ یا دباؤ نہ ہو۔

۲۔ فریقین کے درمیان مساوات ہو۔

۳۔ جھوٹے مقدمات دائر کرنے کی ممانعت

اسلامی ریاست کی خوبی یہ ہے کہ اس میں عدل و انصاف مفت فراہم کیا جاتا ہے اور دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی انصاف سے معاملہ کیا جائے۔

اسلام کا نظامِ حکومت

اسلام کا نظامِ حکومت سیاسی دنیا کے لئے ناموسِ اکبر ہے۔ حاکمیت کی جان ہیں۔ اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے وہیں اجتماعی زندگی کے زریں اصول وضع کرتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ سیاست و حکمرانی موجودہ جمہوری نظام سے مختلف ہے اور اس کے نقائص اور مفاسد سے بالکلیہ پاک ہے۔ قرآن و سنت میں جس طرح اخلاق اور حسنِ کردار کی تعلیمات موجود ہیں۔ اسی طرح معاشرت، تمدن، حکومت کے بارے میں واضح احکامات بھی موجود ہیں۔

اسلام کا نظامِ قانون

مغربی معاشرے کی بنیادیں سیکولرزم پر ہیں۔ اس معاشرے میں قانون سازی بھی کسی مذہب سے راہنمائی لے کر نہیں کی جاتی بلکہ قانون سازی کا عمل محض عقل سے کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وحی کے بغیر انسان کبھی بھی محض اپنی عقل سے ایسا قانون تیار نہیں کر سکتے ہیں جو جرائم کو روک سکے اور ہر ایک کو انصاف دلا سکے۔

جبکہ اسلامی قانون عدل و انصاف کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کا رب رحیم و کریم ہے۔ انسانوں کے لیے قوانینِ حیات مقرر کرنا اس کا اختیارِ کلی ہے۔ اس کا قانونِ عدل بے گناہ افراد میں اطمینانِ خاطر پیدا کرتا ہے۔ بڑے جرائم پر اس کی مقرر کردہ سخت سزائیں مجرموں کو ارتکابِ جرم سے روکنے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے اور دوسرے افراد کے لیے عبرت و موعظت کا سامان مہیا کرنے کا باعث ہیں۔

اسلام کا سیاسی نظام

اسلام نے جہاں اخلاقی نظام قائم کیا جس سے انسانی نفوس و قلوب و ارواح کی اصلاح ہو۔ اور اس سلسلہ میں عادات و عبادات، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ کے ابواب قائم کیے وہیں سیاسی نظام بھی قائم کیا ہے جس سے بین الاقوامی احوال درست ہوں اور فتن کا استیصال ہو اور قانون الٰہی کے رواج پذیر ہونے میں کوئی قوی یا ضعیف رکاوٹ پیدا نہ ہو اور اس سلسلہ میں اس نے حدود و قصاص، تعزیرات و کفارات، جہاد اور سدِ فتور کے اسباب بھی پیش کیے۔

اسلام کا نظامِ امن

امن و راحت کے نام پر دنیا میں مختلف نظریوں کا ہجوم ہے۔ سوشلزم، میشلزم، سیکولرز،، کمیونزم، کیپٹل ازم اور دوسرے دسیوں اِزَم کارفرما ہیں۔ مگر بایں ہمہ امن و عافیت دنیا سے ناپید اور انسانی جان و مال اور عزت و آبرو اپنی صحیح قدر و قیمت سے محروم ہیں۔ نہ عالمی تنازعات اور تناؤ

میں کوئی کمی ہے۔ اور نہ عام انسان موت و حیات کی کشمکش سے محفوظ ہیں۔ اس لیے اس وقت اسلام کا نظامِ امن کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جو ہر انسان کو امن و عافیت کی مضبوط ضمانت دیتا ہے۔ اسلام صرف جسموں پر ہی حکمرانی کا قائل نہیں بلکہ وہ سب سے پہلے دلوں پر خوف، فکرِ آخرت اور انجام بخیر عقیدہ راسخ کرتا ہے۔

اسلام کا نظامِ انسانی حقوق

اسلام نے انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق عطا کیے۔ اس میں حقوقِ انسانی کا منشور اس اللہ کا عطا کردہ ہے جو تمام کائنات کا خدا ہے۔ اس نے یہ تصور اپنے آخری نبی ﷺ کی وساطت سے دیا ہے۔

دنیا کے قانون سازوں کی طرف سے دیے گئے حقوق کے برعکس یہ حقوق مستقل بالذات، مقدس اور ناقابلِ تنسیخ ہیں۔ اسلامی ریاست میں ان حقوق سے تمام شہری مستفیض ہو سکیں گے۔ اور کوئی ریاست یا فردِ واحد ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی وہ قرآن و سنت کی طرف سے عطا کردہ بنیادی حقوق کو معطل یا کالعدم قرار دے سکتا ہے۔

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت

اسلام دینِ فطرت ہے اور اس کی تعلیمات از اوّل تا آخر انسان کی فلاح و صلاح سعادت و نجات اور مسرت و اطمینان کی ضمانت ہیں۔ اسلام نے ہر مسلمان کو پوری تاکید اور صراحت کے ساتھ عفت و عصمت میں ہر ان اور مکمل حفاظت کی تلقین فرمائی ہے۔ ان ہی تعلیمات کو پیشِ نظر رکھ کر ہم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے عورتوں کو پردے میں رکھنے اور ان کی عفت و عزت کی حفاظت کا کس قدر شدید حکم ہے اہلِ مغرب دراصل اسی حکم کی خلاف ورزی کرنے پر پوری طرح آمادہ ہیں اور عورتوں کو بے پردہ و بے حیا کرنے کی ہر سطح پر کوشش کر رہے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو عورت کی فطرت میں ہی پردہ داخل ہے اور وہ خانہ خاوند بن کر رہنا پسند کرتی ہے۔ جب ہم حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں بے حیائی اور زنا کاری عروج پر نظر آتی ہے گویا کہ یہ زمانہ ایامِ جاہلیت ہی طرح ہو گیا۔

حالانکہ عفت و عصمت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے ایسے قوانین پیش کیے جن کا زندگی کے ہر گوشہ سے ان کا پاس و لحاظ رکھنا ہر انسان کے لیے ضروری ہیں کیونکہ ان میں ذرا سی غفلت و کوتاہی انسان کی عفت کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ بہر حال عفت و عصمت کا تحفظ ہر صاحبِ ایمان کا ایمانی فریضہ ہے یہ اس کی معاشرتی ذمہ داری ہے اور عقلِ سلیم کا تقاضا بھی ہے۔

اسلام برائیوں کی جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کا عزم رکھتا ہے دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب بے حیائیوں پر روک لگانے والا نہیں ہے قرآن و حدیث میں فحاشی کی بنیاد یعنی آنکھ ہی ہے احتیاط کو سختی سے قابو میں کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی بنیاد پر اگر صرف اس پر ہی قابو پا لیا جائے تو ساری بے حیائیاں دنیا سے رُخصت ہو سکتی ہے۔

اسلام اور مزدوروں کے حقوق

اسلام نے مزدور اور مالکان کے حقوق و فرائض کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ اور ہر ایک کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہ کریں۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ شریعتِ مطہرہ نے صدیوں پہلے ظلم کی چکی میں پسے ہوئے مزدوروں کو ان کا جائز حق دیا ہے اور مالکان کو پابند کیا ہے کہ مزدوروں کو کم تر نہ سمجھیں۔ جب کسی مزدور سے کام لیا جائے تو اس کا حق فوراً دے دیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ہی ادا کرو۔

اسلام اور جانوروں کے حقوق

اسلام جو عالمگیر امن، صلح اور سلامتی کا مذہب ہے اس کی تعلیمات صرف انسانوں تک محدود نہیں۔ بلکہ حیوانات کے لیے بھی ہیں۔ عرب اور دوسری اقوام انسانوں کے علاوہ حیوانات پر بھی ظلم و ستم کرتے تھے۔ وہ جانوروں کو بلاوجہ اور بغیر سوچے سمجھے مار ڈالتے۔ اور پھر لوگوں کو کھلا کر اپنی فیاضی جتاتے تھے۔ اسلام اور تعلیمات نبوی ﷺ نے ان تمام غلط اور ناجائز رسوم کو باطل قرار دیا۔

❁❁❁

اسلام کا نظام حقوق و فرائض

ان حقوق کے فہرست پیش خدمت ہے۔

[۱] اللہ تعالیٰ کے حقوق

[۲] رسول کریم ﷺ کے حقوق

[۳] دین اسلام کے حقوق

[۴] قرآن کے حقوق

[۵] صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و اہل بیت کے حقوق

[۶] اہل علم کے حقوق

[۷] مسلمانوں کے حقوق

[۸] والدین کے حقوق

[۹] اولاد کے حقوق

[۱۰] حقوقِ زوجین

[۱۱] مساجد کے حقوق

[۱۲] اللہ پر بندے کے حقوق

[۱۳] ہمسایوں کے حقوق

[۱۴] قریبی رشتہ داروں کے حقوق

[۱۵] بہن بھائیوں کے حقوق

[۲۶] یتیموں کے حقوق

[۲۷] محتاجوں، غرباء اور مساکین کے حقوق

[۲۸] عمر رسیدہ لوگوں کے حقوق

[۲۹] معذوروں کے حقوق

[۳۰] خدام اور مزدوروں کے حقوق

[۳۱] مہمانوں کے حقوق

[۳۲] مسافروں کے حقوق

[۳۳] جان اور مال کے حقوق

[۳۴] اسلام میں اقلیتوں کے حقوق

[۳۵] جانوروں کے حقوق

[۳۶] غیر مسلموں کے حقوق

(اسلام کا نظامِ حقوق و فرائض)

اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس نے انسان کے اجتماعی شعور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام نے انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اس اجتماعیت کی نشو ونما میں معاونت کرتا ہے۔ اور اسے ایسے فطری اصول دیتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت ملے۔ وہ اس کے لیے صالح عناوین فراہم کرتا ہے اور ایسے عوامل کا قلع قمع کرتا ہے جو اسے بگاڑ دیں یا محدود اور غیر مفید بنا دیں۔ انسان کی پہلی اجتماعی اکائی اس کا خاندان ہے۔ اس میں میاں بیوی، والدین، رشتہ دار، ذور کے ہمسائے اور پھر عام انسانی برادری شامل ہے۔ اسلام نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی احکام دیئے ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام

اسلام کا نظریہ معیشت فطرت سے ہم آہنگ اور تمام معاشی مشکلات کا واحد حل ہے۔ اس لیے کہ یہ نظام نہ تجربات کا مرہونِ منت ہے اور نہ اقتصادی ماہرین کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ معاشی نظام پروردگار نے تجویز کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا۔ اس لیے کہ یہ نظام ہی واحد نظامِ معیشت ہے جو اگر تمام عالم پر چھا جائے تو دنیا میں معاشی سکون ہی سکون ہو۔ اس لیے یہ مالک حقیقی نے بنایا ہے۔ وہ ہم سب کا رب ہے۔ لہٰذا اس کی ربوبیت کا سایہ بھی سب پر یکساں ہے۔ اس میں اجتماعی مفاد ہی ملحوظ ہے، شخص یا گروہی مفاد کا شائبہ تک نہیں۔

اسلام کا اخلاقی نظام

ان کو باقی جو اپنی دنیا سے ممیز کرنے والی چیز اخلاق ہی ہے۔ اس کے سوارنے میں انسان کا سنوار ہے۔ اور اس کے بگاڑ سے انسان کا بگاڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ، تہذیب میں معاشرے جس چیز پر متفق نظر آتے ہیں وہ حسنِ اخلاق ہے۔

سچائی، پاسِ عہد، رحم، فیاضی، صبر، تحمل، بردباری، اُولوالعزمی، شجاعت، ضبطِ نفس، خودداری، میل ملاپ، شائستگی، فرض شناسی، اتفاق اور دوسری اچھی صفات کو سب معاشروں نے سراہا۔ اور اس کے برعکس تمام معاشروں نے جھوٹ، بدعہدی، ظلم، بخل، بے صبری، بزدلی، ذات، ترش روئی، خیانت، چغلی، غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو برا سمجھا ہے۔

اسلام نے ان معروفات اور منکرات کو اپنے نظام میں سمولیا ہے۔ البتہ جس پہلو سے قرآن کریم کا نظامِ اخلاق منفرد ہے وہ یہ ہے کہ اس نے فلسفہ اخلاق کے تمام بنیادی امور کے بارے میں ایک منظم اور مربوط نظریہ پیش کیا ہے اور وہ اپنا ایک خاص اخلاق اور قوت محرکہ تھا۔ اس کے فلسفہ اخلاق کی مکمل تصور پیش کرتے ہیں۔

(اسلامی نظام زندگی: ص ۱۵۲)

اسلام کا روحانی نظام

اسلامی نظام کا سب سے اہم اور مرکزی جز واس کا وہ حصہ ہے جس کا براہِ راست تعلق انسان کے اندرون سے ہے اور اسے عرفِ عام کے لحاظ سے اسلام کا روحانی نظام کہہ سکتے ہیں۔ اس نظام کا مقصود یہ ہے کہ انسانی روح نفس کی غلامی سے آزاد اور دنیا پرستی کی آلودگی سے پاک ہو جائے۔ اور ان چیزوں سے آزاد اور پاک ہو کر اللہ کی اطاعت، اس کی محبت اور اس کی رضا جوئی کے جذبات سے سرشار ہو جائے۔ اس پاکیزگی اور فدا طلبی کا معیار مطلوب یہ ہے کہ انسان وہی کچھ پسند کرے جو اس کے اللہ کو پسند ہے اور ہر اس چیز کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جو اس کے اللہ کو ناپسند ہے۔

(اسلام ایک نظر میں: ص ۱۳۲)

اسلام کا عائلی نظام

انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے۔ انہی دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ اس اجتماعی دائرے کو انسان کی عائلی زندگی اور اس کے لیے جو ضابطے طے ہوتے ہیں انہیں عائلی نظام کہتے ہیں۔

مرد اور عورت کی یہ مستقل رفاقت ایک کھلے ہوئے معاہدے کے ذریعے وجود میں آتی ہے جسے شریعت کی زبان میں نکاح کہتے ہیں۔

یہ نکاح ایک باحرمت رشتہ ہے جو دونوں کی مرضی سے اور پورے اعلان کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر مرد و زن کا تعلق بدترین معصیت اور سخت ترین سزا کے قابل جرم ہے۔ یہ نکاح صرف ایک طبعی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک شرعی ضرورت ہے۔

اچھے اخلاق ایک نظر میں

[۱] اتحاد و اتفاق

[۲] احسان و سلوک

[۳] اخوت و محبت

[۴] استغناء و بیباکی

[۵] اعتدال و میانہ روی

[۶] امانت و دیانت

[۷] انصاف و عدل

[۸] ایثار

[۹] ایفائے عہد

[۱۰] برائی کا بدلہ بھلائی

[۱۱] بردباری و تحمل

[۱۲] فلاح و بہبود

[۱۳] تواضع و انکساری

[۱۴] حسن معاملہ

[۱۵] حق گوئی و بیباکی

[۱۶] حوصلہ مندی

[۱۷] شرم و حیاء

[۱۸] خشیتِ الٰہی

[۱۹] خوش خلقی و خوش مزاجی

[۲۰] رحم و ترحم

[۲۱] رفق و الفت

[۲۲] زہد و قناعت

[۲۳] سادگی

[۲۴] سخاوت و فیاضی

[۲۵] شفقت و رأفت

[۲۶] شیریں کلامی

[۲۷] صبر و ثبات

[۲۸] صدق و راستی (زبان کی سچائی، دل کی سچائی، عمل کی سچائی)

[۲۹] عفت و پاکبازی

[۳۰] عفو و درگزر

[۳۱] غریب پروری

[۳۲] مساوات پسندی

[۳۳] نرم خوئی

[۳۴] ہمسایہ سے حسن سلوک

[۳۵] یتیم نوازی

[۳۶] خودداری و عزتِ نفس

[۳۷] شجاعت و بہادری

[۳۸] استقامت

بُرے اخلاق ایک نظر میں

[۱] استہزاء و تمسخر (مذاق و ٹھٹھا)

[۲] اسراف (حد سے بڑھ کر خرچ کرنا)

[۳] اشفائے راز

[۴] اقتدار کی حرص

[۵] بخل

[۶] بددیانتی

[۷] بدکاری

[۸] بدگمانی

[۹] فحش کلامی

[۱۰] بغض و کینہ

[۱۱] بہتان طرازی و افتراء پردازی

[۱۲] بے حیائی

[۱۳] بے صبری و تکلف پسندی

[۱۴] تباہی و بربادی

[۱۵] تبذیر (فضول خرچی)

اسلام کا اقتصادی نظام

دیگر اقوام چوں کہ اپنی دینی رسومات کی حد تک اپنے مذہب اور دین کی پابند ہیں، معاشی یا معاشرتی اور عائلی زندگی میں ان کا دین ان کی راہ نمائی سے قاصر ہے اس لیے انہیں جدید عالمی نظام کو قبول کرنے میں زیادہ تامل نہیں ہوگا۔ لیکن اسلام ہر میدان میں لوگوں کے لیے راہ نما ہے، زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہو کر وہ ہر ماحول میں مادیت کا پیام بر ہے۔ اس کا اپنا معاشی، معاشرتی اور عائلی نظام ہے۔ اس کی ایک مخصوص تہذیب اور منفرد ثقافت ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اسلام کے سچے پیروکار اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر گلوبلائزیشن کے پیش کردہ نظام کو اپنا لیں۔ بنا بریں یہ کہنا درست ہے کہ عالم گیریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام ہے۔

جہاں تک گلوبلائزیشن کے سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی پہلوؤں کا تعلق ہے تو ان میں گلوبلائزیشن کا کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہے۔ بالکل کہ کچھ حکمت عملیاں اور منصوبے ہیں۔ جن پر ہم تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ [گلوبلائزیشن اور اسلام کا مطالعہ کریں] البتہ اقتصادی میدان میں عالم گیریت باقاعدہ ایک نظام پر مبنی ہے۔ جس کو سرمایہ دارانہ نظام سے جانا جاتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام (جو عالم گیری نظام سے زیادہ بہتر ہے) کے اقتصادی نظام پر بھی کچھ گفتگو کی جائے، جو درحقیقت اخوت، مساوات اور یگانگت جیسے اصولوں پر مبنی ہے۔ جو زندگی کو امن و سکون عطا کرتا ہے اور معاشرتی طبقات کے درمیان قائم خلیج کو ختم کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی نے اسلامی اقتصادیات کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:

''یہ عام اقتصادی اصولوں کا ایک مجموعہ ہے جس کی ہم ہر زمانے اور ماحول کے اعتبار سے قرآن وسنت سے تخریج کرتے ہیں۔''

[النظام الاقتصادی فی الاسلام مبادۂ وأھدافہ۔ص:۱۵ طبع قاہرہ۔]

جب ہم اسلام کے اقتصادی اصولوں پر غور کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان اصولوں کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں پختگی کے ساتھ ساتھ لچک بھی ہے اور یہی سب سے بڑا سبب ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام ہر زمانے میں قابل عمل ہے۔ البتہ ان اصولوں میں چند ایسے بھی ہیں جو نا قابل تغیر ہیں اور زمان ومکان کی تبدیلی ان کے لیے غیر مؤثر ہے جیسے زکاۃ وفئی کے مصارف، مالِ غنیمت کا خمس حصہ، سود، قمار بازی اور چوری کی حرمت اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانا وغیرہ۔ ان اصولوں میں جو پختگی ہے اسی نے مالداروں، امراء ورؤسا اور بالخصوص حکام کو، من چاہے انداز سے زندگی گزارنے سے باز رکھا ہے اور انہیں اس بات سے روکا ہے کہ وہ مادیت کی ہوس کا شکار ہوں۔ جب کہ دوسری طرف اسلام نے سربراہِ مملکت کو اجازت دی ہے کہ وہ زمانے کے مطابق، اقتصادی نظام کو چلائے اور بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا پیغام عام کرے۔

اسلامی اقتصادیات کی خصوصیات

اسلامی اقتصادیات ایسی بہت سی خصوصیات پر مشتمل ہے جو دنیا کے دیگر اقتصادی نظاموں میں موجود نہیں مثلاً:

(۱) اقتصادیات کا اسلام سے شرعی واخلاقی اور عقیدے کے اعتبار سے ربط:

اسلامی اقتصادی نظام کا اسلامی عقیدے اور شریعت واخلاق سے جدا کر کے مطالعہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسلامی اقتصادی نظام شریعت کا ایک جزو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جائز مادی کام میں اگر صحیح نیت کی آمیزش ہو جائے تو یہ عمل مستحق اجر وثواب ہوگا۔

(۲) فرد اور جماعت کے درمیان توازن:

سرمایہ دارانہ نظام (جو اقتصادی گلوبلائزیشن کی بنیاد ہے) کی ساری توجہ انفرادی ملکیت پر ہے، اس نظام کی نظر میں فرد ہی تنہا مالک ہے۔ اس کے نزدیک فرد کا مفاد، جماعت کے مفاد سے بالاتر ہے، اس نظریے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی بڑھی ہے۔ جس چیز کی لوگوں کو سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے سرمایہ دار اسی کو ذخیرہ کر لیتے ہیں اور مہنگے داموں میں فروخت کرتے ہیں۔ مزید برآں اس نظام کی وجہ سے بے کاری کے اوسط میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا آج کل اچھی طرح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف کمیونسٹ اقتصادی نظام کی تمام تر توجیہات جماعت کے مفاد پر صَرف ہوتی ہیں۔ اس نظام میں پیداوار کے تمام ذرائع و وسائل جیسے کھیت، باغات اور کارخانے وغیرہ۔ سب حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں کوئی فرد ان وسائل کو اپنی ملکیت میں لینے کا حق دار نہیں ہے۔ وہ صرف اس تنخواہ کا حق دار ہے جو معاشرے کی خدمت کے عوض اس کو ملے گی۔

اس نظام کی سب سے بڑی خرابی تو یہ ہے کہ اس میں فطرتِ خداوندی کی مخالفت ہے جو مالک بننے کی خواہش کی صورت میں انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سُستی اور پست ہمتی بھی اس نظام کی دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابق ''سوویت یونین روس'' میں پیداوار کے تناسب میں زبردست کمی دیکھنے میں آئی بلکہ ایسے بھی واقعات رونما ہوئے کہ ایک وقت کا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کو سونا چاندی تک فروخت کرنا پڑا۔

لیکن اسلامی اقتصادیات نے فرد اور جماعت دونوں کے مفاد کی رعایت کی ہے۔ یہ نظام جہاں ایک فرد کو اس کے فطری اور شخصی حقوق عطا کرتا ہے وہیں اس کو داخلی اعتبار سے اخلاقی قیود کا اور خارجی اعتبار سے قانونی حدود کا بھی پابند بناتا ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام میں اجتماعی ملکیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ذاتی اور اجتماعی مفادات میں ٹکراؤ ہو جائے تو اسلام اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتا ہے۔ چناں چہ فقہاء نے اجازت دی ہے کہ

ضرورت پڑنے پر ایسے شخص سے غلہ وغیرہ جبراً چھینا جا سکتا ہے۔ جس نے اس کی ذخیرہ اندوزی کر رکھی ہے۔

اسلامی اقتصادی نظام کی یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے فرانس کے شعبہ اقتصادیات کے پروفیسر ''جیک اوسٹروی'' اپنی کتاب ''الاسلام فی مواجھۃ النمو الاقتصادی'' (عربی ترجمہ) میں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

''اقتصادی ترقی، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں میں منحصر نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا نظام بھی ہے جو اسلامی اقتصادیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہی مستقبل میں دنیا کی قیادت کرے گا۔''

[گلوبلائزیشن اور اسلام: ص ۴۲۳ تا ۴۳۰]

اسلام اور جدید معاشی نظام

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آج کل دساتیر عالم کا سب سے اہم باب ''معاشی نظام'' کا باب سمجھا جاتا ہے، اس بارے میں ہر سلطنت کا نظام الگ الگ ہے، مگر زمانہ حاضرہ میں زیادہ تر مشہور دو نظام ہیں، ایک سرمایہ داری اور ایک اشتراکیت، اور یہ دونوں نظام باہم متضاد اور متحارب ہیں اور اسلامی نظام اس بارہ میں غایت درجہ معتدل ہے، افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہے، جو عقلی اور فطری اصول پر مبنی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد آزاد اور خود مختار ملکیت پر ہے کہ بلا امتیاز حلال وحرام اور بلا فرق جائز وناجائز جس طرح ممکن ہو مال ودولت کو جمع کر لیا جائے اور مال وزر کی طاقت سے جس قدر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کی جا سکے وہ حاصل کر لیا جائے اور اس نفع میں سے مزدور کو جتنا کم سے کم دیا جا سکے اتنا ہی کم دیا جائے تا کہ سرمایہ دار کی حکومت اور برتری مزدور پر قائم رہے اور مزدور کسی وقت سرمایہ دار کے شکنجہ سے نہ نکل سکے اور اس نظام کی بنیاد تمام تر سود پر قائم ہے، تمام بینک اسی سودی کاروبار کے لئے ہیں اور غیر محدود سرمایہ کی فراہمی اس نظام کا مقصود حیات ہے، جو جس قدر سرمایہ کا مالک ہے وہ اسی درجہ کا سردار ہے اور مزدور اس کے سامنے مجبور اور لاچار ہے۔ اس لئے کہ یہ طبقہ تمام وسائل آمدنی اور ذرائع معاش پر قابض ہے، اس لئے غریب اس کے سامنے لاچار ہو گئے، اس نظام میں تحصیل دولت کے لئے کسی قسم کی مذہبی اور

اخلاقی پابندی نہیں، سود ہو یا قمار ہو، جس طرح دولت حاصل کر سکو، کر لو، اور جس طرح یہ گروہ تحصیل دولت میں مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے، اسی طرح وہ خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے، جس طرح چاہو کماؤ اور اپنی عیش و عشرت کے لئے جس طرح چاہو اڑاؤ، اور سرمایہ دار ممالک عموماً عیسائی مذہب رکھتے ہیں اور مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے عالمی سیاست پر قبضہ کیے ہوئے ہیں۔

اشتراکیت

اشتراکی نظام، سرمایہ داری نظام کی بالکل ضد ہے، اشتراکیت کے دو اصول سب سے اہم ہیں، ایک یہ کہ ذاتی ملکیت کوئی چیز نہیں، اشتراکیت کا مقصد یہ ہے کہ ملک سے انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے اور اجتماعی ملکیت قائم کر دی جائے، اور آج کل کی اصطلاح میں اس کا نام قومی ملکیت ہے، اور قومی خزانہ ہی ملک کا رزاق ہے، وزیر خزانہ جس قدر منظوری دے دے، وہ اس کا احسان ہے، اس اشتراکی نظام نے ملک کے تمام افراد کی املاک پر قبضہ کر کے ریاست اور حکومت کو سب سے بڑا سرمایہ دار بنا دیا، ایک اژدھا ہے، جو چھوٹے سانپوں کو نگل کر بڑا سانپ بن گیا ہے، اور دوسرا اصول یہ ہے کہ ملک کی دولت تمام اہل ملک پر برابر تقسیم ہونی چاہئے، کسی کو کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں، معاشی لحاظ سے تمام افراد ملک میں مساوات ہونی چاہئے، جب غرباء سرمایہ داری کے ظلم اور تشدد سے تنگ آئے اور دیکھا کہ سرمایہ دار تو مختار ہے، اور بے چارہ مزدور بے بس اور بالکل مجبور اور لاچار ہے، تو سرمایہ داری سے اس قدر متنفر اور بیزار ہوئے کہ سرمایہ داری سے انتقام کے لئے ایک نیا نظام قائم کیا، جس کا نام اشتراکیت رکھا، اور جوش عداوت و نفرت میں انفرادی اور شخصی ملکیت کو ممنوع قرار دیا، اور اس کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ اشتراکیت کا پہلا اصول ہوا اور پھر دوسرا اصول یہ قائم کیا کہ ملک کی دولت مساوی طور پر تقسیم ہونی چاہئے اور کسی فرد کو بھی دولت پر خود مختارانہ تصرف کا کوئی حق باقی نہ رہے، اور ملکی آمدنی کے تمام وسائل خواہ وہ صنعت و حرفت سے متعلق ہوں یا زراعت سے متعلق ہوں، وہ جب حکومت کی ملک تصور کیے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہر

جھوٹ اور ہر مکر وفریت سب کو جائز قرار دیا، اور اشتراکیت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ مزدور راج قائم ہو جائے، یہ تیسرا اصول پہلے ہی اصول کا نتیجہ ہے، اب تک تو یہ سنتے آئے تھے کہ بہترین سلطنت وہ ہے، جہاں ملک کے عقلاء کا راج ہو، اور اب یہ سننے میں آیا کہ بہترین حکومت وہ ہے جہاں کھیتوں کے کاشتکاروں اور کارخانہ کے مزدوروں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہو، اشتراکیت کے پہلے دونوں اصول عقل اور فطرت کے خلاف ہیں، جس کو عنقریب ہم بیان کریں گے اور تیسرا اصول بھی غلط ہے، جو پہلے دو اصولوں کا نتیجہ ہے، یہ فرقہ مذہب اور اخلاق سے غایت درجہ بعید ہے اور مذہب کے نام سے متنفر اور بیزار ہے حتی کہ خدا تعالیٰ کا بھی قائل نہیں، چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کو اپنا مالک اور رازق سمجھے۔

پہلا فرقہ (سرمایہ دار) اگرچہ حصول زر میں حلال وحرام کا قائل نہیں، مگر خدا تعالیٰ اور آسمانی مذہب کا تو قائل ہے، اور دوسرا گروہ اشتراکی سرے سے خدا تعالیٰ کا منکر ہے، اور کسی آسمانی مذہب کا قائل نہیں، البتہ اپنے نفسانی مذہب کا قائل ہے، جو اس کے نفس نے بنایا ہے، غریبوں اور مزدوروں نے جب سرمایہ داروں کی عیش وعشرت اور پر شوکت زندگی کو دیکھا، تو حرص اور طمع نے ان کی نظروں کو چکا چوند بنا دیا، اس لئے ان بھوکے اور بے صبرے اور لالچی فقیروں نے جب اشتراکی نعرہ سنا، تو اس کی دلفریب آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ دولت مندوں کے دشمن ہو گئے۔

اسلام میں نظریہ اشتراکیت کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں، یہ نظریہ سراسر خلاف عقل ہے، اس گروہ کا قبلہ وکعبہ پیٹ ہے، اور ہر وقت پیٹ ہی کا نعرہ ہے اور ہر طرف سے شکم شکم کی آواز ہے، تمام مسائل زندگی کا مبدا اور انتہاء یہی پیٹ ہے اور سرمایہ داری نظام کا محور نفسانی خواہشات اور لذات اور عیش وعشرت کی زندگی ہے، ہر دو گروہ حرص وطمع کا شکار ہیں، اور اپنے اپنے طریقہ سے لوٹ کھسوٹ میں حیران اور سرگرداں ہیں، اختلاف فقط صورت کا ہے، سرمایہ داری نظام میں حرص کی صورت ذرا خوبصورت ہے، اور اشتراکیت میں بدنما ہے، کیونکہ اشتراکیت میں لوٹ مار اور مار دھاڑ ہے، جو بظاہر سرمایہ داری میں نہیں۔

اسلامی نظام

اسلامی نظام اس افراط اور تفریط کے درمیان ایک معتدل راہ ہے، اسلام شخصی اور انفرادی ملکیتوں کو جائز اور معتبر بناتا ہے، اور واجب الاحترام قرار دیتا ہے اور دوسرے کی ملکیت میں تعدی اور دست درازی کو حرام قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن وحدیث ذاتی ملکیت کے احکام سے بھرا پڑا ہے۔ اسلام نے شخصی اور ذاتی ملکیت کو جائز اور معتبر قرار دیا ہے مگر مال ودولت پر حقوق وفرائض بھی عائد کئے۔ اسلام نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ملکیت مطلقہ کی اجازت دیتا ہے کہ مالک پر کوئی زکوۃ اور عشر اور کسی قسم کا کوئی فریضہ اس پر عائد نہ ہو اور مالک کو بالکل اختیار ہو کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے، اور نہ بے رحمی اور سود خوری کی اجازت دیتا ہے، بلکہ سود کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور نہ مزدور پر کسی قسم کے ظلم وتشدد کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس پر شفقت ومرحمت کا حکم دیتا ہے، اور حق سے زیادہ اجرت دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور نہ اشتراکی نظام کی طرح شخصی اور انفرادی ملکیت کو ممنوع اور باطل قرار دیتا ہے اور نہ شخصی ملکیت کی کوئی حد مقرر کرتا ہے۔ اس لئے کہ ذاتی ملکیت کا بالکلیہ انکار یا اس کی تحدید خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے۔

کیا یہ ظلم نہیں کہ انسان اپنے زرخرید مکان اور سامان کا بھی مالک نہ ہو اور حسب منشاء اس میں تصرف نہ کر سکے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ملک کا ہر مرد حکومت کا غلام ہے۔ بغیر آقا اور مالک کی اجازت کے اپنی ذاتی چیز میں بھی تصرف نہیں کر سکتا۔

یہ ذلت آمیز نظریہ، اشتراکیت کو مبارک ہو، اسلام کی نظر میں جو شخص جائز طریقہ سے جس قدر بھی مال ودولت حاصل کرے وہ اس کا مالک ہے، شریعت کی طرف سے ملکیت پر کوئی پابندی اور حد بندی نہیں۔ البتہ حسبِ قاعدہ شرعا ملکیت پر زکوۃ اور عشر واجب ہے جو فقراء اور مساکین کا حق ہے اور مرنے کے بعد اس کے ملکیت میں اس کے وارثوں کا حق ہے۔

(دستور اسلامی مع نظام اسلام، صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۴، ملخصا: ص ۲۷۷/ ۲۷۸)

❁❁❁

عالمگیر مذہب اسلام

دین اسلام میں بہت سی ایسی مخصوص باتیں ہیں کہ اگر کوئی عقل مند جو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی نجات آخرت کے لئے کسی مذہب کو اختیار کرنا چاہے اس کی نظر انتخاب سوا اسلام کے کسی دوسری طرف جا ہی نہیں سکتی بطور نمونہ کے چند خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

پہلی خصوصیت (حفاظت تعلیم)

جس میں عقل انسانی متحیر ہے۔ تعلیمات اسلامیہ کی بے نظیر محفوظیت ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے رحلت کیے ہوئے تقریباً سوا چودہ سو سال ہو گئے اس وقت سے اب تک دنیا میں ہزارہا انقلاب پیش آئے بلکہ یوں کہیے کہ زمین بدل گئی آسمان بدل گئے یہ سب کچھ ہوا مگر اسلامی تعلیمات کا ایک نقطہ بھی ادھر سے ادھر نہ ہوا وہ تعلیمات اپنی اصلی صورت میں ہمیشہ موجود رہیں اور آج بھی موجود ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں سب سے بڑی چیز جس پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید ہے اس کا ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ رہنا ایک عجیب کرشمہ قدرت ہے۔ جس کی خبر قرآن مجید میں پہلے سے ہی بطور پیشین گوئی کے اس طرح دی گئی ہے کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ پارہ ۱۴ سورہ حجر رکوع اول آیت نہم) یقیناً ہم نے اُتارا ہے اس نصیحت کو اور یقیناً ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس پیشین گوئی کو ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ جس جلال و جبروت کے ساتھ پوری ہوئی اس دنیا میں سوا قرآن مجید کے کوئی اور کتاب نہیں مل سکتی جو ہر قسم کی

تبدیلیوں اور ہر طرح کے شکوک وشبہات سے پاک ہو اس دنیا میں کوئی چیز سو برس بھی اپنی اصلی شکل پر قائم نہیں رہتی اسی وجہ سے فلسفۂ قدیم میں اس دنیا کا نام عالمِ کون وفساد رکھا گیا تھا۔

قرآن مجید کی محفوظیت کے لئے کیسے کیسے سامان خدا نے پیدا کئے ان سامانوں پر ایک اجمالی نظر ڈالو تو یہ بات روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گی کہ ان سامانوں کا اس طرح تسلسل کے ساتھ دنیا میں موجود رہنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے قرآن مجید کی محفوظیت کا ایک بے نظیر کرشمہ یہ ہے کہ آج ایک نسخہ قرآن مجید کا لکھنؤ سے لیجئے اور ایک مکہ سے ایک مدینہ سے ایک لندن سے ایک چین سے ایک اندلس سے اور ان نسخوں کو باہم ملایئے کہیں ایک نقطہ کا ایک زبر زیر کا اختلاف بھی نظر نہ آئے گا۔

بیشک قرآن مجید کی محفوظیت کا ایک بے مثال کرشمہ یہ ہے کہ روز اول سے آج تک اس کی حفاظت میں بے شمار سینے مصروف رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی تخمینی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی ان میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی بکثرت ایسی تھیں جو پورے قرآن مجید کی حافظہ تھیں اس کے بعد تابعین کے طبقہ سے لے کر آج تک ہر ہر زمانہ میں حفاظ قرآن کی کیا تعداد تھی کوئی نہیں بتا سکتا آج بھی مسلمانوں کی آبادی کا کوئی شہر کوئی قریہ ایسا نہ ملے گا جہاں حفاظ قرآن بکثرت نہ ہوں خدانخواستہ اگر تمام مذہبی کتابیں دنیا سے فنا کر دی جائیں تو صرف ایک قرآن مجید ہی ہوگا کہ اس کے بیشمار نسخے آن واحد میں امانت دار سینوں سے نکل کر پھر دنیا کو جگمگا دیں گے۔ قرآن مجید کی محفوظیت کا ایک عجیب اثر یہ ہے کہ غیر مسلم حضرات نے بھی اس کی محفوظیت کا اقرار کیا ہے اور اس کو حیرت کی نظر سے دیکھا ہے۔

دوسری خصوصیت (مکمل ضابطہ حیات)

اسلامی تعلیمات کا کامل ومکمل ہونا جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (پارہ ۶ سورہ مائدہ پہلا رکوع تیسری آیت)

اسلامی تعلیمات کے کامل ہونے ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں ابتدائے پیدائش سے موت تک بلکہ قبر تک کوئی حاجت اور ضرورت ایسی نہیں پیش آسکتی جس میں اسلامی چوکھٹ کو چھوڑ کر کسی دوسرے دروازہ پر دریوزہ گری کرنی پڑی۔ ہر ضرورت ہر حالت کے متعلق شریعت اسلامیہ کی تعلیم رہبری کرتی ہے کہ اس کام کو یوں کرنا چاہیے اور صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ عملی نمونہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے خلفاء راشدین کا ہر قدم پر مشعل راہ بنتا ہے۔

آج اگر مسلمان کسی غیر مسلم بادشاہ کی رعایا ہوں تو ان کو حکومت کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے اور دوسری ہمسایہ قوم کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے اور اگر مسلمان بادشاہ ہوں اور غیر مسلم ان کی رعایا ہوں تو مسلمانوں کو ان غیر مسلمین کے ساتھ کیا مراعات کرنا چاہیے۔ تجارت میں مسلمانوں کو کن اصول کی پابندی چاہیے۔ زراعت میں صنعت و حرفت میں ان کو کن قواعد پر کاربند ہونا چاہیے۔ غرضیکہ ہر ہر چیز کے متعلق چھوٹی ہو یا بڑی۔ دنیا کے متعلق ہو یا آخرت کے لباس کے متعلق ہو یا مکان کے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے پیشاب پاخانہ کے متعلق بھی شرعی مسائل اور عملی نمونے موجود ہیں اور کچھ حاجت نہیں کہ کسی دوسری قوم کی تقلید کی جائے یا اپنی طبیعت سے مسائل گڑھے جائیں۔

تیسری خصوصیت (آسان مذہب)

اسلام کی تعلیم کی سہولت، جس کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے۔

﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرىٰ﴾ پس ہم اس کو توفیق دیں گے آسان شریعت کی (پارہ ۳۰۔ سورۃ الیل)

اس آیت میں بڑی آسان شریعت دین اسلام ہی کو فرمایا ہے اور حدیث نبوی ﷺ میں یوں ارشاد فرمایا گیا:۔

﴿بُعِثْتُ بِالْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ السَّهْلَةِ الْبَيْضَاءِ﴾

''میں ایک ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو ایک اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کراتا ہے اور اس میں تنگی نہیں ہے اور سہل ہے اور روشن ہے۔''

اسلامی تعلیمات کی سہولت کا یہ اثر ہے کہ ہر طبقہ اور ہر ملک اور ہر عمر کا انسان مرد ہو یا عورت نہایت آسانی کے ساتھ ان پر عمل کر کے مسلم کامل بن سکتا ہے جس طرح ایک فقیر عمل کر سکتا ہے اسی طرح ایک بادشاہ بھی جس طرح ایک جوان عمل کر سکتا ہے اسی طرح ایک بوڑھا بھی جس طرح ایک مجرد کے لئے ان پر عمل کرنا آسان ہے اسی طرح ایک متاہل کے لئے بھی۔ جس طرح ایک تندرست وصحیح کے لئے آسان ہے اسی طرح ایک مریض کے لئے بھی۔ اسلامی تعلیمات کی سہولت کا راز یہ ہے کہ جتنے احکام دیئے گئے ہیں وہ نہایت معتدل اور فطرت انسانی کے مناسب اور کمزور سے کمزور شخص کو پیش نظر رکھ کر اور انسان پر مختلف عوارض جو پیش آتے رہتے ہیں یا پیش آسکتے ہیں ان کا لحاظ کر کے دیئے گئے ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شریعت کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے یہ شریعت اس کی نازل کی ہوئی ہے جس کا علم ازلی اور ابدی ہے۔

چوتھی خصوصیت (پُر تاثیر)

تعلیمات اسلامیہ کا قوی التاثیر اور سریع التاثیر ہونا ہے جس کو قرآن مجید میں اس طریقہ سے ارشاد فرمایا۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

''اگر اتارتے ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو یقیناً تو دیکھتا اس پہاڑ کو ڈرنے والا اور پھٹنے والا اللہ کے خوف سے۔'' (پارہ ۲۸ سورہ حشر رکوع سوم آیت چہارم)

اس آیت میں قوت تاثیر کا بیان ہے کہ یہ تعلیم وہ ہے کہ انسان تو انسان پتھر بھی اس سے اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾

''اور دیکھ لیا آپ نے (اے نبی) لوگوں کو کہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوجوں کی فوجیں''

(پارہ ۳۰ سورہ نصر)

اس آیت میں سرعت تاثیر کا بیان ہے کہ کس قدر جلد کتنی بڑی جماعت اسلام میں

داخل ہوگئی۔ اسلامی تعلیمات کی قوت تاثیر اور سرعت تاثیر کا اعتراف ان اصحاب نے بھی کیا ہے جو اسلام کے مخالف تھے۔

پانچویں خصوصیت (دنیا کا یکساں مذہب)

دین اسلام ساری دنیا کے لئے ہے اور اختتام دنیا تک کے واسطے ہے۔

قرآن مجید میں اِس خصوصیت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:۔

﴿تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل کی اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب (یعنی قرآن مجید) تاکہ ہوجائے وہ سارے جہاں کے لئے ڈرانے والی'' (پارہ ۱۸ سورۂ فرقان رکوع اول پہلی آیت)

﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾

''کہہ دیجئے (اے نبی) کہ اے انسانوں! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' (پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع بیس پہلی آیت)

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا﴾

''اور ہم نے آپ کو اے نبی تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' (پارہ ۲۲ سورۂ سبا رکوع سوم آیت ہفتم)

اور احادیث نبویہ میں ہے:۔

﴿بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ﴾

''میں کالے اور گورے سرخ سب کی طرف بھیجا گیا ہوں''

اسی وجہ سے ۶ھ میں رسول خدا ﷺ نے تمام شاہانِ روئے زمین کے نام فرمان روانہ فرمائے اور اُن کو دین اسلام کی دعوت دی، اس وقت دنیا کے دو بڑے بادشاہ یعنی خسرو پرویز شاہِ ایران (آتش پرست) اور ہرقل شاہِ روم (عیسائی) تھے ان دونوں کو بھی آپ

نے دعوت دی اور نجاشی بادشاہ حبش (عیسائی مذہب) اسی دعوت پر مشرف باسلام بھی ہوئے۔

چھٹی خصوصیت (غیر جبری مذہب)

کسی غیر مسلم کو جبراً مسلمان بنانے کا عدم جواز ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر اس طرح ہے۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾

''دین میں زبردستی کرنا جائز نہیں ہدایت اور گمراہی ایک دوسرے سے ممتاز ہو چکی''

(سورہ بقرہ رکوع ۳۴ آیت سوم)

رسول خدا ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ غیر مسلموں پر قابو ملا مگر کبھی کسی کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا اسلام کے لئے مسئلہ جہاد کے متعلق یہ خیال کہ وہ غیر مسلمین کو مسلمان بنانے کے لئے ہے واقعیت سے بہت دور ہے جہاد تو صرف ایک دفاعی کاروائی ہے جو اپنی حفاظت کے لئے کی جاتی ہے۔

ساتویں خصوصیت (دوسرے مذاہب کے بزرگوں کا احترام)

آنحضرت ﷺ سے پہلے جو ہادیانِ مذہب گذرے ہیں مسلمان ان سب کا احترام کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْر﴾

''کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جس میں میرا ڈرانے والا نہ گیا ہو''

(پ ۲۲ سورۂ فاطر رکوع سوم آیت دہم)

﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾

''اے نبی آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہم نے رہنما بھیجے ہیں''

(پ ۱۳ سورہ الرعد رکوع اول آیت ہفتم)

لہٰذا ممکن ہے کہ کسی دوسرے مذاہب کے ہادی جو آنحضرت ﷺ سے پہلے گذر

چکے نبی رہے ہوں۔ اور شرک وغیرہ کی تعلیمات ان کی طرف غلط طور پر منسوب ہوں۔ ان مضامین کی آیتوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کو بُرا کہنے کی ممانعت قرآن مجید میں صراحۃً بھی موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

''اور نہ بُرا کہو ان لوگوں کو جو اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ ورنہ وہ بُرا کہیں گے اللہ کو نادانستگی سے'' (پ ۷، رکوع ۱۳، آیت ہشتم، سورہ انعام)

آٹھویں خصوصیت (مساوات و حریت)

حریت و مساوات کی قرآن مجید تعلیم دیتا ہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ تمام افراد انسانی آپس میں بھائی بھائی ہیں سب کا نسب ایک ہے۔

﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَاءً﴾

''اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس شخص سے اس کی بیوی کو بھی پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے ظاہر کیا بہت مردوں اور بہت عورتوں کو۔''

اس آیت کے مضمون کو اسلام کے مشہور حکیم حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب گلستان میں جس کو آج سے کچھ پہلے ہندو مسلمان سب کے بچے پڑھتے تھے اس طرح نظم کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر　　اند کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر بوجہ کسی نسب یا کسی پیشہ کے یا کسی اور سبب سے کوئی فضیلت اور بزرگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ فضیلت اور بزرگی کا انحصار ایمان و تقویٰ پر ہے۔

یہ واقعہ بھی تاریخ عالم سے مٹ نہیں سکتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ جبکہ وہ عرب و عجم کے بادشاہ تھے بیت المقدس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ان کا غلام تھا اور

سواری ایک ہی تھی جس پر باری باری آپ سوار ہوتے تھے اور آپ کا غلام۔
(ازالۃ الخفاء مقصد دوم ۶۱ ص بحوالہ تاریخ یافعی)

اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کے نتائج

اس مقام پر ہم کو نہایت صفائی سے یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ کسی مذہب کے اختیار کرنے کا اصلی مقصد خدا کی رضامندی و خوشنودی کے سوا اور کچھ نہ ہونا چاہیے خدا کی رضامندی و خوشنودی کا لازم نتیجہ فلاح آخرت ہے لہٰذا اس کو بھی مقصد اصلی قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے ایک سچے بندے نے اسی مضمون کو کیا خوب کہا ہے۔

دو زخم سوز داگر جنت ہوس باشد مرا
یک و جب جابر سر کوئے تو بس باشد مرا

اس مقصد کا حصول دین اسلام میں ایسا یقینی ہے جس میں شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ اس لئے دین اسلام کا ''منجانب اللہ ہونا، ساری دنیا کے لئے ہونا، قیامت تک کے لئے ہونا، اس کی تعلیمات کا قابل اطمینان حفاظت کے ساتھ موجود ہونا'' ایسے اعلیٰ درجہ کے مضبوط دلائل سے ثابت ہے جن میں کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہیں۔

ہاں اسلام کا طرۂ امتیاز اس میدان میں دو چیزیں ہیں۔

☆ اول یہ کہ قرآن مجید نے دنیا کی بے ثباتی اور دنیاوی زندگی کا ایک خواب وخیال ہونا اور دنیا کی راحت و تکلیف کا وہمی خیالی ہونا ایک ایسے موثر اور بلیغ طرز سے بیان فرمایا ہے کہ ایسے بیان کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔

☆ دوسرا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اسلام نے خدا کے بندوں کو یہ تعلیم دی کہ دولت وثروت کی فراوانی کے ساتھ اور دنیا کے گوناگوں تعلقات کے باوجود بھی مذہب کا اصلی مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ اسلام نے ان لوگوں کی بے شک مذمت کی ہے جن کا مقصد صرف دنیا ہو۔ لیکن ان لوگوں کو سراہا ہے جو دنیا کی راحت کے ساتھ ساتھ آخرت کے طلبگار ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نبی اللہ ہونے کے قرآنی دلائل

پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نبی کی مثال طبیب یا ڈاکٹر کی سی ہے جو شخص دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں گویا وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میں طبیب ڈاکٹر ہوں فرق یہ ہے کہ دنیا کے طبیب ڈاکٹر جسمانی امراض کا علاج کرتے ہیں اور اس علاج میں ان سے غلطی بھی ہو جاتی ہے اور خدا کے نبی روحانی امراض کا علاج کرتے ہیں جہاں دنیا کے طبیبوں کے عقل و فہم کی رسائی نہیں اور خدا کے نبیوں سے علاج میں غلطی ممکن نہیں۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو یہ دیکھنا ہے کہ دنیا میں کسی شخص کے طبیب ڈاکٹر ہونے کا علم ان لوگوں کو جو طب یا ڈاکٹری سے نابلد ہوں کیوں کر ہوتا ہے غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس علم کے چار ہی طریقے ہیں۔

1..... طبیب یا ڈاکٹر ہونے کا مدعی سرٹیفکیٹ پیش کرے۔

2..... شاہی ہسپتال میں ڈاکٹر کی جگہ پر اس کو بیٹھا ہوا اور ملازمانِ ہسپتال کو اور مریضوں کو اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہوئے دیکھا جائے جو ڈاکٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

3..... اس کو طب یا ڈاکٹری کی کتابوں کا درس یا لیکچر دیتے ہوئے مشاہدہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ طب یا ڈاکٹری کے طالب علم اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے درس لے رہے ہیں۔

4..... اس کے زیر علاج مریضوں کو شفا پاتے ہوئے مشاہدہ کیا جائے۔

یہی چار طریقے ایک نبی کی نبوت معلوم کرنے کے لئے بھی ہیں اگرچہ ان چاروں طریقوں میں سے ایک طریقہ بھی کافی تھا مگر قرآن مجید میں ان چاروں طریقوں سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا ہے۔

طریق اول جو بمنزلہ سرٹیفکیٹ کے ہے:

آنحضرت ﷺ کے متعلق انبیائے سابقین علیہم السلام کی کتب سابقہ الٰہیہ کی پیشن گوئیاں ہیں۔ مثال کے طور پر یہ آیات قرآنیہ ملاحظہ ہوں:۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا ہے کہ:

﴿رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (البقرة : ۱۲۹)

''اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک پیغمبر ان ہی میں سے کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور ان کو سکھادے کتاب اور حکمت اور پاک صاف بنادے ان کو بے شک تو ہی غالب صاحب تدبیر ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کے جواب میں ارشاد ہوا کہ:۔

﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۝﴾ (الاعراف : ۱۵۷)

''وہ نبی امی جن کو اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

طریق دوم جو بمنزلہ شاہی ہسپتال میں بیٹھنے کے ہے:

آنحضرت ﷺ کے معجزات یعنی خوارق عادات ہیں، ظہور معجزات کو شاہی ہسپتال میں بیٹھنے کے مثل اس لئے کہا گیا کہ جس طرح ایک بہروپیا ڈاکٹری کا روپ بھر کر شاہی ہسپتال میں ڈاکٹر کی کرسی پر نہیں بیٹھ سکتا اور اس کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں ہوسکتا اسی طرح کوئی شخص مدعی نبوت ہو کر معجزات و خوارقِ عادات نہیں دکھا سکتا۔ جیسا کہ شریعت اسلامیہ کی کتابوں میں مصرح ہے۔

طریق سوم جو بمنزلہ کتب طبیہ کے درس اور لیکچر دینے کے ہے:

آنحضرت ﷺ کا باوجود امی ہونے کے امیوں کو علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ کا درس دینا اور مخلوق خدا کا آپ کے گرد پروانوں کی طرح ہجوم کرنا۔ قرآن مجید میں یہ مضمون مختلف عنوانوں سے متعدد آیات میں ارشاد ہوا۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعه : ۲)

''وہی (خدا) ہے جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں پیغمبر تمہیں میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی

آیتیں اوران کو پاک بناتا ہے اوران کو سکھاتا ہے کتاب اور دانش مندی۔"

اور پھر زبان ہی سے آپ نے درس نہیں دیا بلکہ آپ کا ہر ہر "فعل" اور آپ کی ہر ہر "حالت" آپ کے اخلاق کریمہ بھی معارف ربانیہ کا درس ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

"بلاشک بلاشبہ تمہارے لئے رسول ﷺ میں اچھا نمونہ ہے۔"

طریق چہارم جو بمنزلہ شفا پانے مریضوں کے ہے:

بلاشبہ اس چیز میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ثانی نہیں ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت میں اس کا عشر عشیر بھی کہیں نہیں مل سکتا۔ جس قدر روحانی مریضوں میں جن کا مرض نا قابل علاج ہو چکا تھا آپ کے علاج سے شفا پائی۔ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ قرآن مجید میں ان شفا پانے والوں کی کثرت اوران کے امراض کا مہلک ہونا یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

"بلاشک بلاشبہ بڑا احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جب کہ بھیج دیا ان میں پیغمبر انہی میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اوران کو پاک کرتا ہے اوران کو سکھاتا ہے کتاب اور عقل کی باتیں اور بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ (النصر: ۲)

"اور (اے نبی) آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ کے دین میں فوجوں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں۔"

جب رسول خدا ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو علاوہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو

آپ کے سامنے شہادت یا وفات پا چکے تھے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی چھوڑ گئے۔
(مجمع بحار الانوار ۵۶۴)

یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی جماعت اور اس جماعت کا ایک ایک فرد آنحضرت ﷺ کے کمالات کا نمونہ اور آپ کی صداقت کی روشن مثال تھا۔ مسلم تو مسلم غیر مسلم کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

اسلامی تعلیمات کا اجمالی بیان

اسلامی تعلیمات کے دو حصہ ہیں۔ ایک علمی اور دوسرا عملی۔ اور ہر مذہب کی تعلیمات میں ان دو حصوں کا ہونا ضروری ہے۔

علمی حصہ سے وہ چیز مراد ہے جن کے علم و یقین حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اعضائے ظاہری کے متعلق کوئی کام اس حصہ میں بتایا نہیں جاتا۔ اس حصے کو اصطلاح شریعت میں عقائد کہتے ہیں۔

اور عملی حصہ سے دو چیزیں مراد ہیں جن میں اعضائے ظاہری کے کام اور ان کاموں کے متعلق ہدایات دی جاتی ہیں۔ اس حصہ کو اصطلاح شریعت میں اعمال کہتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ عقائد کو اعمال کے ساتھ وہی تعلق ہے جو کسی درخت کی جڑ کو اس کی شاخوں اور پھول پتیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا عقائد کا معاملہ شرعاً زیادہ اہم ہے۔

اسلامی عقائد اس قدر سادہ اور مختصر ہیں کہ اس ایک کلمہ طیبہ میں سب کچھ آجاتا ہے۔ جس پر اسلام کی بنیاد ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "نہیں کوئی پوجنے کے لائق سوا اللہ کے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلامی عقائد میں کوئی بات خلافِ عقل نہیں ہے کہ اس کے باور کرنے میں کوئی دشواری پیش آئے۔

بس یہی تین عقیدے ہیں جو اصول دین یا اصول عقائد کے نام سے موسوم ہیں۔ ایک "عقیدہ توحید" دوسرا "عقیدۂ رسالت" تیسرا "عقیدہ قیامت" باقی عقیدے سب انہیں

کی شرح اور تفصیل ہیں۔ان تینوں قسموں کو قرآن مجید نے اور قرآن مجید کے مفسر حقیقی یعنی رسول خدا ﷺ نے جس خوبی سے بیان فرمایا ہے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

توحید

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرہ:۱۶۳)

''اور تمہارا معبود معبود واحد ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا اور وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔''

رسالت

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران:۱۴۴)

''اور محمد ﷺ رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے۔''

قیامت

﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا﴾ (المومن:۵۹)

''یقیناً بلا شک قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک ہی نہیں۔''

خلاصہ

یہ کہ دین اسلام فلاح دنیا و آخرت کا صحیح ذمہ دار ہے۔

اگر خیریت ِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

(اختصار از اسلام میرا مذہب مصنف امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ)

مذہب اسلام کی چند مزید خصوصیات

(۱).....اسلام نظریہ حیات:

مذہب اسلام سے پہلے جتنے مذاہب گزرے ہیں وہ کسی خاص وقت، خاص زمانے، خاص قوم اور جگہ کے لئے نازل کیے گئے مگر اسلام کی عالمگیریت ہے کہ یہ تمام اقوام عالم اور قیامت تک کے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے رہنمائی ہدایت اور قواعد لے کر آیا۔

(۲).....اسلام پہلا اور آخری مذہب ہے:

اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلا اور آخری مذہب ہے۔ چونکہ یہ گزشتہ تمام انبیاء کا بھی دین رہا ہے۔ شریعت اگرچہ زمانے کے لحاظ سے مختلف رہی لیکن دین کے بنیادی اصول ہمیشہ ایک رہے ہیں۔

(۳).....اسلام دین فطرت ہے:

اسلام دین فطرت ہے یعنی اسلام کے اصول و احکام قوانین فطرت پر مبنی ہیں۔

(۴).....اسلام مادی اور روحانی مذہب ہے:

اسلام کا تعلق روح اور مادہ دونوں کے ساتھ ہے یہ مادیت اور روحانیت میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔

(۵) اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے:

اسلام کی ایک نمایاں وامتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ زندگی کا نہایت منظم اور مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں اس نے تعلیمات نہ دی ہوں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا بین الاقوامی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا قانونی غرض کوئی شعبہ اس کی واضح ہدایات سے تشنہ نہیں۔

(۶).....اسلام وحدت اور مساوات کا مذہب ہے:

دین اسلام سے قبل وحدت ومساوات کا تصور صرف ایک خواب تھا اسلام نے سب کو ایک مقام پر لا کھڑا کیا۔

(۷).....اسلام ایک اصلاحی مذہب ہے:

دین اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک اصلاحی وتبلیغی مذہب ہے جو نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو روکنے کی جدوجہد کرتا ہے۔

(۸).....اسلام امن عالم کا ضامن:

اسلام ہی عالمی امن کا ضامن ہے اسلام کے علاوہ دوسرے نظام قومی علاقائی اور نسلی مفادات پر مبنی ہیں جس سے دنیا کا امن تباہ ہو چکا ہے۔

(۹).....اسلام ایک عقیدہ اور اقرار ہے:

اسلامی تعلیمات کے لئے بنیاد وہ مجموعہ احکام اور ضابطہ حیات ہے جو نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس مجموعہ احکام کے دو جز ہیں ایک ایمان دوسرا عمل۔ مندرجہ ذیل عقائد پر ایمان اور تمام ارکان اسلام کو پورے خلوص کے ساتھ ادا کرنا ہی اسلام ہے۔

اجزائے ایمان:

۱۔اللہ تعالیٰ پرایمان ۲۔رسولوں پرایمان ۳۔فرشتوں پرایمان۴۔آسمانی کتابوں پرایمان۔ ۵۔آخرت پرایمان ۶۔تقدیر پرایمان ۷۔مرنے کے بعددوبارہ زندہ ہونے پرایمان۔

ارکان اسلام:

۱۔توحیدورسالت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۔نماز ۳۔زکوۃ ۴۔روزہ ۵۔حج

(۱۰).....اسلام انصاف کا تقاضا کرتا ہے:

اسلام نے عدل وانصاف کاایسا اعلیٰ معیار قائم کیاہے کہ اس میں شاہ وگدا، امیروغریب یاحسب ونسب کی کوئی قیدنہیں قانون کی نظرمیں سب یکساں ہیں کسی کا بڑا ہونا یااعلیٰ خاندان سے ہونااس کوسزاسے نہیں بچاسکتا۔

(۱۱).....اسلام تحمل اوررواداری کامذہب ہے:

اسلام رواداری کامذہب ہے برداشت اورصبر کی تلقین کرتا ہے۔

(۱۲).....اسلام سادگی اورتقوی کی طرف بلاتا ہے:

اسلام سمجھ میں آنے والاسیدھاسادہ دین ہےاس میں نیکی اورگناہ کے درمیان اتنی آسان پہچان بتائی گئی ہے کہ اس کے ذریعے ایک عام انسان بھی اپنا محاسبہ کرسکتا ہے پھرجس کے پاس قرآن وحدیث وفقہ کے علوم کی دسترس ہو وہ لوگ ملکوں پرنہیں دلوں پرحکمرانی کیاکرتے ہیں۔

(۱۳).....اسلام اخوت کا درس دیتا ہے:

اسلام ذات پات اور اونچ نیچ کے فرق کو ختم کرتا ہے اور مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بننے کا حکم دیتا ہے۔

(۱۴).....اسلام علم وحکمت کا مذہب ہے:

اسلام ہمیں علم وحکمت کی دعوت دیتا ہے۔

(۱۵).....اسلام فیاضی اور سخاوت کا مذہب ہے:

اسلام کے اخلاقی نظام میں سخاوت کو بہت اہمیت حاصل ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ضرورت مندوں کی مدد کرے۔

(۱۶).....اسلام ایفائے عہد کا حکم دیتا ہے:

وعدہ پورا کیا کرو بیشک قیامت کے دن وعدے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔القرآن

(۱۷).....اسلام بھلائی کا دین ہے اور احسان کا حکم دیتا ہے:

احسان کیا ہے؟اس کے معنی نیکی کرنا بھلائی کرنا،اچھا کام کرنا حسن سلوک سے ہی آتا ہے۔

(۱۸).....اسلام طہارت ونظافت کا دین ہے:

اسلام دین فطرت ہے اور طہارت انسان کی فطرت میں داخل ہے اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(۱۹).....اسلام بنیادی حقوق کا ضامن ہے:

اسلام نے ہر شخص اور ہر طبقے کے حقوق وفرائض متعین کیئے ہیں ان حقوق وفرائض کے درمیان ایسا توازن ہے کہ اگر ہر شخص اپنا فرض ادا کرنے لگے تو دوسرے کو اس کے حقوق خود بخود مل جائیں گے اور ایک کامیاب معاشرہ تشکیل پائے گا۔

حقوق

۱۔والدین کے حقوق وفرائض۔۲۔اولاد کے حقوق وفرائض۔۳۔اساتذہ کے حقوق وفرائض۔۴۔شاگردوں کے حقوق وفرائض۔۵۔رشتہ داروں کے حقوق وفرائض۔ ۶۔ہمسایوں کے حقوق وفرائض۔۷۔یتیموں کے حقوق۔۸۔مسافروں کے حقوق ۔ ۹۔بیماروں اور معذوروں کے حقوق۔۱۰۔بیواؤں کے حقوق۔۱۱۔غلاموں کے حقوق۔۱۲۔ محتاجوں اور مسکینوں کے حقوق۔ ۱۳۔مہمانوں کے حقوق۔ ۱۴۔جانوروں کے حقوق۔ ۱۵۔عورتوں کے حقوق وفرائض۔۱۶۔حقوق زوجین۔

(اختصار از اسلام ایک عالمگیر مذہب مصنفہ مسز شمع حامد)

تمام آسمانی کتابوں پر قرآن مجید کی برتری

امریکہ میں ایک دفعہ عجیب واقعہ پیش آیا، تمام مذاہب کے لوگ ایک انجمن کے تحت اکٹھے ہوئے اور اس موضوع پر بحث شروع ہوئی کہ کونسا مذہب سچا ہے۔

وہاں پر عیسائی، یہودی، جین مت، بدھ مت، ہندو، فارسی، اور مسلمانوں کے لوگ جمع تھے۔ ہر مذہب والا اپنے سچا ہونے کے دلائل دے رہا تھا، یہ حقیقت ہے کہ خواہ کوئی مذہب سچا یا جھوٹا ہو مگر اس کے پاس دلائل ضرور ہوتے ہیں کہ ہم سچے ہیں باقی یہ بات کہ دلائل کس معیار کے ہیں ان میں کتنی سچائی ہے ایسے کم ہی لوگ دیکھتے ہیں بہر حال کئی دن تک تمام لوگوں کے دلائل چلتے رہے مگر کوئی فیصلہ کن بات سامنے نہیں آئی تھی، یہ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ کون واقعی سچا ہے؟ مسلمانوں میں ایک بزرگ بھی یہ ساری بحث سن رہے تھے، اُنہوں نے کہا کہ تم لوگ اتنے دِنوں سے لگے ہوئے ہیں مگر فیصلہ نہیں کر رہے مجھے بس تمام مذاہب کے لوگ بس ایک سوال کا جواب دیں، سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جائے گا، عیسائیوں یہ تمہارا ملک ہے تم پہلے بتاؤ فرض کریں پوری دُنیا سے کوئی انجیل مٹا دے تو کیا انجیل کا حافظ ہے، جو اس کو دوبارہ لکھوا دے، سب نے چپ سادھ لی۔ پھر یہودیوں سے سوال کیا، فرض کریں کوئی بادشاہ پوری دُنیا سے تورات مٹا دیں تو کوئی ہے جو تورات کا حافظ ہو اور دوبارہ لکھوائے وہ بھی حیرت زدہ رہ گئے اور خاموش ہو گئے اسی طرح ہر مذہب سے سوال کیا گیا مگر کوئی بھی اپنی کتاب کا حافظ نہ تھا مگر مسلمانوں سے سوال کیا فرض کریں پوری دُنیا سے کوئی قرآں مٹا دے تو کیا کوئی تم میں قرآن کا حافظ ہے جو اِسے دوبارہ لکھوا سکے، اس مجمع میں کئی لوگ کھڑے ہو گئے ہم سے قرآن سن لو ہم تمہیں پورا قرآن سنا دیں گے، اس پر بزرگ نے فیصلہ کیا کہ دیکھو اگر کوئی قرآن ورقوں میں

مٹاتا ہے تو تم پھر سینوں سے کیسے مٹائے گا اس لیے جس مذہب کی کتاب محفوظ ہوگی وہ مذہب ہی محفوظ ہوگا جن کی کتاب ہی محفوظ نہیں وہ مذہب بھی محفوظ نہیں ہوگا اس طرح قرآں کی سچائی تمام لوگوں کے سامنے واضح ہوگئی۔

(تاثیر قرآن۔ صفحہ ۱۸۰)

چنانچہ ایک آدمی مسلمان ہوا، پوچھا کہ بھئی کیسے مسلمان ہوگئے، کہنے لگے کہ میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہودی کہتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں عیسائی کہتے ہیں ہم ٹھیک ہیں، مسلمان کہتے ہیں ہم ٹھیک ہیں دنیا کے تین بڑے مذاہب تو یہی ہیں نا تو میں نے کہا کہ مجھے کیا پتہ کون ٹھیک ہے؟ تو میں ویری فائی تو کروں، تو کہنے لگا کہ میں نے انجیل لی اس کو کاتب کے ذریعے میں نے لکھوایا۔ اس کو کہا کہ یار کہیں کہیں تھوڑا اپنی مرضی سے اونچ نیچ کر لینا اور یاد رکھنا کہ کہاں تم نے اس میں گڑبڑ کی تھی۔

چنانچہ میں نے ایک کتاب لکھوائی اور عیسائی پادری کے پاس لے کر گیا، میں نے کہا جی میرے پاس یہ لکھی ہوئی کتاب ہے میں آپ کو تحفہ دینے آیا ہوں اور جب میں نے اس کو تحفہ دیا تو وہ بڑا خوش ہوا ایک سال میں نے انتظار کیا ایک سال میں وہ میرے پاس نہ آیا کہ اس میں کوئی کمی بیشی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اس کتاب کی حفاظت بالکل نہیں اگر ہوتی تو اس میں اس کو غلطی کا پتہ چل جاتا تو میں نے نتیجہ نکالا کہ یہ غیر محفوظ کتاب ہے۔

پھر میں نے ایک تورات لی اس کو بھی میں نے لکھوایا اس میں بھی اسی طرح گڑبڑ کروائی اور ایک ربی کو جا کر ہدیہ دیا ایک سال میں نے انتظار کیا، ایک سال تک وہ بھی اس کو ہر ہفتے کے دن پڑھ پڑھ کر سناتا تھا اپنے عبادت خانے میں اس کو بھی کہیں پتہ نہ چلا کہ اس میں کہیں کمی بیشی ہوئی کہ نہیں۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ کتاب بھی غیر محفوظ ہے۔ پھر میں قرآن پاک لیا اور اس کی کاپی بنوائی اور کاتب کو کہا کہ اس میں بھی کہیں سے اپنا کرتب دکھا دینا اور کچھ لائنیں چھوڑ دینا۔

اس کے بعد اس قرآن پاک کو ایک حافظ قرآن کے پاس لے کر گیا، اور کہا کہ یار میرے پاس یہ ایک کتاب تھی تو میں تمہیں ہدیہ دینے آیا ہوں، کہنے لگا کہ تین دن نہیں گزرے

تھے کہ میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا، میں باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ حافظ صاحب ذرا سیریئس ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ یہ کاپی آپ نے کس سے لکھوائی تھی میں نے کہا کہ ایک کاتب سے لکھوائی تھی، اس نے کہا کہ اس نے سوتے ہوئے لکھی تھی یا جاگتے ہوئے لکھتی تھی۔ میں نے کہا کہ یار جاگتے ہوئے ہی لکھی ہوگی۔ کہنے لگا کہ اس میں اس نے اتنی غلطیاں کیں، کہنے لگا کہ پہلے صفحے سے اس نے کھولنا شروع کیا ہر ہر جگہ پر جہاں جہاں اس نے کچھ کمی بیشی کی تھی سب جگہ پر نشان لگا کر پورے قرآن پاک میں جو اس نے غلطیاں کیں تھیں سب کو الگ کر دیا۔ میں سمجھ گیا کہ واقعی دنیا کی یہ وہ واحد کتاب ہے جس کے اندر کسی اور چیز کی ملاوٹ کرنا ممکن نہیں لہٰذا کلمہ پڑھ کر میں مسلمان ہو گیا۔

(خطبات فقیر۔ صفحہ ۹۶۔ جلد ۲)

عصر حاضر میں مخالفین اسلام کی کوئی کمی نہیں ہے، سارے اسلام کو گرانے مٹانے کے درپے ہیں، عیسائیت کی اشاعت میں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ مادہ پرست اسلام کے خلاف ہر طرح کی سازشیں اور شرمناک سے شرمناک سو فیصد جھوٹے پروپیگنڈے کر رہے ہیں اور اُس پر لاکھوں روپیہ روزانہ خرچ کیا جا رہا ہے، بیروت، شام، لبنان، فلسطین وغیرہ میں لاکھوں عیسائی اور یہود مسلمانوں کے خون کے پیاسے موجود ہیں جن کی مادری زبان عربی ہے آج بھی ان میں ایسے بڑے بڑے ادیب اور ماہر زبان موجود ہیں جن کی زبانوں سے آتش برستی ہے اور بڑے بڑے عربی ڈکشنریاں وغیرہ تیار کرتے رہتے ہیں ان مستشرقین وغیرہ میں اعلیٰ قسم کے تعلیم یافتہ اور ادبی ذوق رکھنے والے بڑی بڑی تنخواہیں لے کر عوام کے قلوب میں بڑی چالاکی کے ساتھ اسلام کے خلاف شک و شبہات پیدا کرنے کی سازش میں سرگرم ہیں۔ الغرض سارے دُنیا کے شیدایان زبان فدایان حسن بیان اور ماہرین علم وسیاسیات سب اکٹھے ہو کر حوصلہ کر کے صرف قرآن حکیم کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنا کر پیش کر دیں۔ یہ ناممکن ہے اگرچہ آج انسان بہت کچھ ترقی کر گیا ہے آفتاب اور دیگر بڑے بڑے سماوی اجرام کو زیر کر رہا ہے۔ زمین اور آسمان کی وسعتوں کو سمیٹ کر ریڈیو، ٹیلی ویژن، وائرلس، انٹرنیٹ وغیرہ کی شکل میں اپنے سامنے رکھ سکتا ہے اور تیز رفتاری کے لیے بڑے

بڑے بے جان اجسام کو ریل، جہاز، مصنوعی سیارے اور دیگر مختلف شکلوں میں دوڑا رہا ہے اور مادہ سے ایٹمی توانائی کی صورت میں طاقت کی بے پناہ دولت حاصل کر کے عجیب و غریب ایجادات کر سکتا ہے لیکن پھر بھی پورے دعویٰ اور یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ پوری دُنیا کی ساری مخلوق اکٹھی ہو کر بھی قرآن مجید جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر پیش نہیں کر سکے گی۔

جب پوری دُنیا قرآن مجید کی نظیر پیش کرنے سے تا ابد عاجز ہے تو اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ پھر اس کے احکام اور نظام حیات بھی مکمل اور فطرت کے عین مطابق ہیں تو ساری دُنیا کے انسانوں اور جنات پر عقلی اور نقلی حیثیت سے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت کے وقوع، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کے جزا اور سزا پر سچے دل کے ساتھ پیغمبر، قرآن، خاتم الانبیاء، فخر الرسل سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی اتباع میں صرف خالق یکتا اللہ عزوجل کے سامنے سربسجود ہو جائیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی الغرض پوری زندگی کو پورے اخلاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دُنیا میں چین و سکون کی دولت حاصل کریں اور آخرت کی لامتناہی سختیوں کو ابدی خوشیوں سے بدل دیں۔

(دہریت سے اسلام تک۔ صفحہ ۲۵۴)

آسمانی کتابوں میں صرف قرآن اپنی اصلی حالت پر باقی ہے

ایک دینی عالم کو بیرون ملک میں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کا موقع ملا جہاں عیسائیوں کا پادری بھی بیٹھا ہوا تھا، یہودیوں کا ربی بھی ہوتا تھا اور ہندوؤں کا پنڈت بھی ہوتا تھا۔ گویا مختلف مذاہب کے عالم ہوتے تھے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مذہب کے بارے میں بات کرنی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک عیسائی نے پوچھا کہ آئندہ جب ہماری محفل ہوگی تو ہمیں اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ ایک عالم صاحب نے کہا کہ ہر ہر مذہب والے کے پاس جو "اللہ" کا کلام ہے اس کی تلاوت کرنی چاہیے اور پڑھ کر سمجھانا بھی چاہیے کہ اس کا خلاصہ کیا ہے، اس بات پر سب آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ جب اگلی دفعہ پہنچے تو اُنہوں نے سب سے پہلے ان عالم سے کہا آپ ہی ابتداء کریں، اس مولانا نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور اس کا خلاصہ انہیں سمجھایا کیوں کہ یہ فاتحۃ الکتاب ہے، مولانا کے بعد عیسائی کی باری تھی، اس نے بائبل پڑھنی شروع کی جب اس نے بائبل پڑھی تو مولانا نے اس سے کہا کہ مجھے ایک بات کی وضاحت مطلوب ہے وہ کہنے لگا کہ کیا وضاحت مطلوب ہے؟ مولانا نے کہا..... آپ بائبل کس زبان میں پڑھ رہے ہو کہنے لگا انگریزی زبان میں، مولانا نے کہا کہ آپ اللہ کا کلام پڑھیں، اللہ کا کلام انگریزی زبان میں تو نازل نہیں ہوا تھا۔ چونکہ یہ بات طے ہوئی تھی کہ ہر مذہب والے کے پاس جو اللہ کا کلام ہے وہ پڑھیں گے اس لیے آپ اللہ کا کلام پڑھیں۔ وہ کہنے لگا وہ تو ہمارے پاس نہیں ہے ہمارے پاس تو فقط اس کا انگلش ترجمہ ہے جو کہ انسانوں کے الفاظ ہیں۔ آگے یہودی بیٹھا تھا وہ کہنے لگا کہ پھر تو ہمارے پاس بھی اللہ کا کلام نہیں ہے، مولانا نے پوچھا کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ جس زبان

میں ہماری یہ کتاب نازل ہوئی آج وہ زبان بھی دُنیا میں کہیں موجود نہیں ہے اس زبان کو پڑھنے اور سمجھنے والے ہی موجود نہیں تو وہ کتاب کیسے پڑھیں۔

بالآخر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پوری دُنیا کے ادیان میں صرف دین اسلام والے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس اللہ رب العزت کا کلام اصل شکل میں آج تک موجود ہے، جب مولانا نے اُنہیں بتایا کہ اس کتاب کے ہمارے ہاں حافظ بھی موجود ہیں تو وہ بڑے حیران ہوئے مولانا نے کہا کہ آپ کی کتاب کے کسی ایک صفحہ کا کوئی حافظ ہو تو مجھے دِکھائیں اول تو کتاب بھی محفوظ نہیں اور جو کچھ موجود ہے اس کے ایک صفحہ کا بھی کوئی حافظ نہیں، یہ شرف اللہ تعالیٰ نے دین اسلام ہی کو بخشا ہے۔

(بکھرے موتی۔ صفحہ ۱۸۰۔ جلد)

نبی امن و آشتی ﷺ وہ ہیں، جنہوں نے

۱: نوجوانی میں حلف الفضول جیسے فلاحی معاہدے میں شرکت فرمائی۔

۲: حجر اسود کی تنصیب کے معاملے کو ایسی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ قریشِ مکہ کو ایک بڑے کشت و خون سے بچالیا۔

۳: مکی زندگی کے پرآشوب دور میں مشرکین کے ظلم و ستم، تشدد اور ایذا رسانی کے مقابل میں صبر و تحمل سے کام لیا۔ شعبِ ابی طالب میں ۳ سال قید کاٹی۔

۴: مدینے کے قبائل، اوس اور خزرج کی قدیم خاندانی عداوتیں اور لڑائیاں۔ ختم کر دیں اور اُن کو باہم شیر و شکر کر دیا۔

۵: اپنے مخالف سراقہ بن جعشم کو نہ صرف امان دی، بلکہ اُسے ایران کے کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کی بشارت دی۔

۶: مکے کے مہاجرین اور مدینے کے انصار کو مؤاخات کے ذریعے ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

۷: میثاقِ مدینہ کے ذریعے دُنیا کو سب سے پہلے بین الاقوامی تحریری دستور سے آشنا کیا۔

۸: مدینے کے دو یہودی قبائل بنونضیر اور بنوقریضہ کے درمیان دیت (خوں بہا) کا مساوی قانون جاری کیا۔

۹: یہودیوں کی فتنہ انگیز سازشوں کو ناکام بنایا۔

۱۰: رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی امن دشمن سرگرمیوں کا صبر و حکمت سے توڑ کیا۔

۱۱: اسیرانِ جنگ سے حسن سلوک کرنا سکھایا۔

۱۲: عمیر بن وھب جیسے مشرک قاتل کو امان دے دی۔

۱۳: صفوان بن اُمیہ جیسے اسلام دشمن کو معاف فرما دیا۔

۱۴: مشرکینِ قریش سے جنگ کرنے کی بجائے صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا۔

۱۵: صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے کوہِ تنعیم سے اُتر کر مسلمانوں پر حملہ کرنے والے مشرکوں کو گرفتار کرنے کے بعد آزادی دے دی۔

۱۶: جنگ سے پہلے دُشمن کو دین اسلام کی دعوت دینے کا حکم جاری فرمایا، تاکہ اس طرح انسانوں کو جنگ کے نقصانات سے بچایا جا سکے۔

۱۷: خیبر کی یہودی عورت زینب بنت حارث (جو یہودی سردار اسلام بن مشکم کی بیوی تھی) کو جس نے آپ ﷺ کو زہر سے شہید کر دینے کی کوشش کی، معاف کر دیا تھا۔

۱۸: نجد کے سردار ثمامہ بن اُثال کو، جو کئی صحابہ کرام کا قاتل تھا، اپنے عمدہ سلوک سے ایسا رام کیا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

۱۹: اپنے اور اسلام کے دشمن ابوسفیان کو قیصر روم ہرقل کے دربار میں آپ ﷺ کے اعلیٰ اوصاف بیان کرنے پر مجبور کر دیا۔

۲۰: فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دُشمنوں اور خون کے پیاسوں کے لیے عفو عام کا یہ اعلان فرمایا کہ..... لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، فَاذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (ترجمہ: آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

۲۱: ابوسفیان جیسے دشمن اسلام کی جاں بخشی کی۔

۲۲: اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب کو بھی معاف فرمایا۔

۲۳: ہبار بن الاسود، جس نے آپ ﷺ کی بڑی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو جب کہ وہ ہجرت کر رہی تھیں، ایسی اذیت دی جس سے اُن کا حمل ساقط ہو گیا تھا، کو بھی امان دی تھی۔

۲۴: فضالہ بن عمیر نامی مشرک کو، جس نے آپ ﷺ کو طواف کی حالت میں چھپ کر شہید کرنے کی سازش کی تھی، معاف کر دیا تھا۔

۲۵: ہندہ بنت عتبہ (ابوسفیان کی بیوی) کو بھی عفو و درگزر سے نوازا، حالانکہ اُس نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کچا کلیجہ چبایا تھا۔

۲۶: کعب بن زہیر نامی شاعر کو جس نے ہجو کے ذریعے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی، امان دے دی۔

۲۷: فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بن ابی جہل جیسے اسلام دُشمن کو بھی امان کا تحفہ دیا۔

۲۸: بنو طے کے سردار عدی بن حاتم کو امان دی اور معاف فرمایا۔

۲۹: ایک کافر بدو کو، جس نے آپ ﷺ کو سفر میں ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے دیکھ کر بے خبری میں آپ ﷺ پر تلوار سونت لی تھی، معاف کر دیا تھا۔

۳۰: ایک گستاخ بدو کو جس نے آپ ﷺ کی چادر زور سے کھینچ کر آپ ﷺ کی گردن سرخ کر دی تھی، نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اُس کے دو اُونٹوں کو غلے اور کھجوروں سے لدوا کر روانہ کیا۔

۳۱: خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے دُنیا کے سامنے سب سے پہلے انسانی حقوق کا جامع منشور پیش کیا۔

۳۲: سب سے پہلے انسانی مساوات کا ایسا درس دیا کہ رنگ، نسل، زبان اور وطن کے امتیازات ختم کر دیئے اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ، بلال حبشی رضی اللہ عنہ، ثمامہ نجدی رضی اللہ عنہ، عدی طائی رضی اللہ عنہ، قریشی مہاجرین، مدنی انصار اور غلام سب اک ہی صف میں کھڑے نظر آنے لگے، گویا یہ منظر پیش کیا کہ

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

۳۳: نکاح کے ذریعے بھی قبائل عرب میں امن و امان کو فروغ دیا۔

۳۴: عورت کو حقِ وراثت کے علاوہ وہ حقوق دیئے جس سے وہ آج تک محروم چلی آئی تھی۔

۳۵: زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کی جانوں کو تحفظ دیا۔

۳۶: دُنیا کو پہلی دفعہ جنگ سے متعلق بہترین ضابطہ اخلاق عطا فرمایا، ورنہ دُنیا تو جنگ کی حالت میں سب کچھ جائز سمجھتی تھی۔

۳۷: یتیموں، بیواؤں، کمزوروں، مظلوموں اور غلاموں کی حمایت کی۔ پہلی دفعہ دُنیا کو

جانوروں کے حقوق سے بھی آشنا کیا۔

۳۸: غلامی کو مٹانے کے لئے زکوٰۃ میں سے ایک حصہ مقرر کرنے کا قانون دیا۔

۳۹: شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء (intoxicants) کی حرمت کے ذریعے انسانیت کو ان کے مضر اثرات سے بچانے کا اہتمام فرمایا۔

۴۰: ان پڑھ اور جاہل عربوں (اُمیین) کو اسلامی تعلیم سے آراستہ کیا' یہاں تک کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ یہی قرار پایا کہ جو قیدی دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے وہ آزاد ہے۔

۴۱: مردار کھانے والی قوم کو پاکیزہ اور حلال روزی کھانے کی تعلیم دی۔

۴۲: دین اور دُنیا، روح اور مادہ کی تفریق مٹادینے والا نظامِ حیات پیش کیا۔

۴۳: بے لاگ عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین روایت قائم کی کہ اگر بالفرض آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو اُس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔

۴۴: جاہلیت کے رسوم و رواج اور اوہام کے طوق و سلاسل سے انسانیت کو آزادی بخشی۔

۴۵: سرزمینِ عرب سے کفر و شرک اور بت پرستی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔

۴۶: ایسی اعلیٰ تعلیمات دیں جس پر صحیح عمل کیا جائے تو وہ آج بھی امنِ عالم کی ضمانت بن سکتی ہیں۔ میدانِ جنگ میں بھی ایفائے عہد کی مثالیں پیش کیں۔

۴۷: غصے پر قابو پانے والے کو اصلی پہلوان قرار دیا۔

۴۸: اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا۔

۴۹: اللہ تعالیٰ سے ﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾ کے عنوان سے اعلیٰ اخلاق سے متصف سعادت۔

۵۰: رب العالمین کی طرف سے ''رحمۃ اللعالمین'' کا لقب پایا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

(بحوالہ: نبی امن و آشتی۔ از مولانا محمد رفیق صاحب)

اسلام اور دہشت گردی

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، کیونکہ اس کے معنی ہی امن وسلامتی کے ہیں۔ وہ اخوت اور بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ فتنہ وفساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ کسی شخص کے ناحق قتل کو حرام قرار دیتا ہے۔ مغرب بالخصوص امریکہ نے پہلے کی طرح یہ نیا جھوٹا پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ اسلام دہشت گردی کی دعوت دیتا ہے اور یہ کہ ہر سچا مسلمان دہشت گرد ہوتا ہے۔ یہ چور مچائے شور والی بات ہے۔ یورپ اور امریکہ کی مغربی اقوام دُنیا میں جو غارت گری، دہشت گردی اور غنڈہ گردی کر رہی ہیں اور اُن کے ساتھ اب جو اسرائیل اور بھارت بھی شامل ہو گئے ہیں تو یہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ جو چنگیز خان، ہلاکو خان اور ہٹلر کی درندگی کو مات کرتا ہے۔

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

یہ اور بات ہے کہ جو شخص تعصب کی نظر سے دیکھتا ہو یا خود غرضی اور ذاتی مفاد رکھتا ہو اُسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی موجودہ دہشت گردی اور حالیہ صلیبی جنگ میں ''امن'' نظر آتا ہے۔ آج مغرب کے اسی دوہرے معیار کا شکار اہل اسلام ہیں۔

اسلام میں فتنہ وفساد کی اجازت نہیں:

اسلام فتنہ وفساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنے پیروکاروں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دُنیا میں فساد پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (المائدہ: ۶۴)

ترجمہ: اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص: ۷۷)

ترجمہ: بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

قرآن فتنے کو قتل سے بھی بڑھ کر جرم تصور کرتا ہے:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرة: ۱۹۱)

ترجمہ: اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

وہ فتنے کے خاتمے تک جنگ جاری رکھنے کا حکم دیتا ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (الانفال: ۳۹)

ترجمہ: اور اُن سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

قرآن کے نزدیک فتنہ و فساد پھیلانا منافقوں کی نشانی ہے:

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ (البقرة: ۲۷)

ترجمہ: اور وہ (منافقین) زمین میں فساد کرتے ہیں۔

.....

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص: ۴)

ترجمہ: بے شک وہ (فرعون) فسادیوں میں سے تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں فتنہ و فساد کرنے کی ہرگز اجازت نہیں اور جو شخص فتنہ و فساد پھیلاتا ہے وہ ایک غیر اسلامی کام کرتا ہے۔

خود امریکہ کی بعض سرکاری رپورٹوں کے مطابق امریکہ نے بعض اوقات اپنے ملک میں امن قائم کرنے کے لئے اسلامی تبلیغی جماعتوں کو سرکاری طور پر دعوت دی ہے۔

اسلام ظلم و زیادتی کے خلاف ہے:

اسلام ہر قسم کے ظلم اور ہر طرح کی زیادتی کے خلاف ہے۔ وہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا

کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں اور زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرة: ۲۷۹)

ترجمہ: نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (آل عمران: ۱۴۰)

ترجمہ: اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۲)

ترجمہ: اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرة: ۱۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ابراهيم: ۲۲)

ترجمہ: بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ظلم و زیادتی کے خلاف ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی ظلم و زیادتی کی مذمت کی گئی ہے:

ظلم کرنے والا قیامت کے دِن ظلم کی وجہ سے اندھیروں میں ہوگا:

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی شکل میں ہوگا۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا، قَالُوْا : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، ھٰذَا نَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا، فَکَیْفَ نَنْصُرُہٗ ظَالِمًا؟ فَقَالَ : "تَاْخُذُ فَوْقَ یَدَیْہِ" (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہ مظلوم ہو تو اُس کی مدد کی جا سکتی ہے مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ فرمایا: اس کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔''

ایک طویل حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے:

یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ، وَجَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا..... (صحیح مسلم، عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ''اے میرے بندو! میں نے اپنے لیے اور تمہارے لیے آپس میں ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو.....''

قرآن و حدیث کی ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں کسی پر ظلم کرنا یا کسی سے زیادتی کرنا حرام اور منع ہے۔

اسلام میں قتل ناحق حرام ہے:

دین اسلام نے انسانی جان کو انتہائی محترم ٹھہرایا ہے۔ وہ ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اور کسی ایک شخص کی جان بچانے کو تمام انسانوں کی جان بچانے سے تعبیر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (المائدہ: ۳۲)

ترجمہ: جس نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے قتل کر دیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی اُس نے گویا سارے انسانوں کی جان بچائی۔''

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل: ۳۳)

ترجمہ: اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اُسے ناحق قتل نہ کرو۔

جس اسلام میں کسی شخص کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔ اُس مذہب کو دہشت گرد کہنا کتنی بڑی جسارت اور زیادتی ہے! حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے کسی شخص کے ناحق قتل کو کبیرہ گناہ اور حرام قرار دیا ہے۔

اسلامی شریعت میں جائز قتل کی صرف چھ صورتیں ہیں، ان کے سوا کسی اور صورت میں کسی شخص کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ پھر قتل کی یہ سزا بھی کوئی مجاز شرعی عدالت ہی دے سکتی ہے۔ انفرادی طور پر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا مجاز نہیں، کیونکہ اسلام میں قانون کو خود اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں۔ جائز قتل کی چھ صورتیں درج ذیل ہیں۔ چنانچہ قتل کیا جا سکتا ہے:

(۱).....قاتل کو قصاص میں (۲).....جنگ کی صورت میں حربی کافر کو

(۳).....اسلامی حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرنے والے کو

(۴).....شادی شدہ زانی شخص کو (سنگسار کے ذریعے)۔

(۵).....مرتد کو (جب وہ ارتداد سے توبہ نہ کرے)۔

(۶).....عام راستوں پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو۔

مذکورہ بالا چھ صورتوں کے سوا شریعت میں کسی شخص کا قتل جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تمہاری جان، تمہارے مال اور تمہاری عزت و آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح حرام ہے، جیسے یہ دِن، یہ مہینہ اور یہ شہر (مکہ) محترم ہیں۔ خبردار! میرے بعد کافر نہ ہونا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔''

(بخاری شریف، نسائی، ابوداؤد)

قرآن کہتا ہے کہ جو کسی مومن کو ناحق قتل کرتا ہے وہ دوزخی ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء: ۹۳)

ترجمہ: اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اولاد کو بھوک اور افلاس کے ڈر سے قتل کرنا منع قرار دیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (بنی اسرائیل: ۳۱)

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم اُنہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک اُنہیں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

عربوں میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بُری رسم تھی۔ اس کے بارے میں قیامت کے حوالے سے نہایت غضبناک لہجے میں ارشاد ہوا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (التکویر: ۸۔۹)

ترجمہ: اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور پر ماری گئی؟

پھر اسلام نے ذمیوں کو اُن کے بنیادی حقوق عطا کیے ہیں، اُن کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کے لئے احکامات دیئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِيْ غَيْرِ كُنْهِهٖ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (سنن نسائی، ۴۷۵۱)

ترجمہ: جس نے کسی ذمی کو ناحق قتل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی۔

ایک اور حدیث شریف میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَمْ يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَاِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا

(صحیح بخاری۔ کتاب الجزیہ۔ حدیث نمبر: ۳۱۶۶، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۹۱۴)

ترجمہ: جس نے کسی معاہد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

اسلام میں جنین (وہ بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے) کو بھی تحفظ حاصل ہے اور اسے بھی قتل کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک غامدیہ عورت کو زنا کے جرم میں اُس کے اقرار کے باوجود رجم یعنی سنگساری کی سزا صرف اس لیے نہ دی کہ وہ حاملہ تھی۔ بچے کی پیدائش کے بعد رضاعت (دودھ پینے کی مدت) پوری ہونے کے بعد اُس عورت پر حد جاری کی گئی۔ اگر فوری طور پر سزا نافذ ہو جاتی تو اس سے بچے کے ناحق قتل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ:

''غزوۂ اُحد میں جب حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کئی مشرکوں کو ہلاک کر چکے تھے تو اچانک ان کی تلوار کی زد میں ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) بھی آ گئی، جو مشرکین کو جنگ پر اُکسا رہی تھی۔ آپ نے اسے مرد سمجھ کر اس کے سر پر وار کرنا چاہا مگر اچانک معلوم ہوا کہ یہ تو عورت ہے اور اُسی وقت تلوار اس خیال سے روک لی کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے کسی عورت کو مارنا مناسب نہیں۔ چنانچہ وہ عورت قتل ہونے سے بچ گئی۔''

(ابن ہشام۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۵۰)

اسلام انتہا پسندی کے خلاف ہے:

اسلام ایک معتدل اور متوازن دین ہے اور اس میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔ وہ انتہا پسندی کے خلاف ہے اور اُس کی تمام تعلیمات اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں۔

مال خرچ کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ میانہ روی اور کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں۔

..... وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: ۶۷)

ترجمہ: ''اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ کفایت شعاری اختیار کرتے ہیں۔''

اب اعتدال پسندی کے حوالے سے دو احادیث پیش کی جاتی ہیں:

..... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :يَا عَبْدَ اللّٰهِ ! اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ ؟ فَقُلْتُ : بَلٰی، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَاَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَاِنَّ لِعَيْنِکَ عَلَيْکَ حَقًّا. وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَيْکَ حَقًّا. وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَيْکَ حَقًّا. لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ. صَوْمُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهِ. صُمْ کُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ، وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ کُلِّ شَهْرٍ. قُلْتُ اِنِّیْ اُطِيْقُ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ. قَالَ : صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ، صِيَامُ يَوْمٍ، وَاِفْطَارُ يَوْمٍ. وَاقْرَءْ فِیْ کُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً. وَلَا تَزِدْ عَلٰی ذٰلِکَ.

(بخاری شریف و مسلم)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ، کیا مجھے بتایا نہیں گیا ہے کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کر، روزے رکھ اور افطار کر۔ قیام کر اور نیند بھی کر، کیونکہ تجھ پر تیرے جسم کا حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اس شخص کا کوئی روزہ نہیں جس نے ہمیشہ روزے رکھے، ہر مہینے میں تین روزے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔ ہر ماہ تین روزے رکھ۔ ہر مہینے (ایک بار) قرآن کی تلاوت ختم کر۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم افضل روزہ رکھو۔ وہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ ایک دن روزہ، ایک دن ناغہ اور سات راتوں میں ایک بار قرآن کی تلاوت ختم کر اور اس پر اضافہ نہ کر۔''

مذکورہ بالا حدیث میں اعتدال پسندی کی تعلیم دی گئی ہے اور انتہا پسندی سے روکا گیا ہے۔

اب اسی سلسلے کی دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: جَاءَ ثَلاَثَۃ رَھْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِھَا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا، فَقَالُوْا: اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ؟ فَقَالَ اَحَدُھُمْ : اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّیْ اللَّیْلَ اَبَدًا، وَقَالَ الْاٰخَرُ : اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا، وَلاَ اُفْطِرُ. وَقَالَ الْاٰخَرُ : اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ اَتَزَوَّجُ اَبَدًا، فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ : "اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا؟ اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ، وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ، لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ، وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ، وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ "

(صحیح بخاری۔ کتاب النکاح۔ صحیح مسلم۔ کتاب الصوم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی خدمت میں تین آدمی آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔ جب اُن کو بتایا گیا تو اُنہوں نے اسے کم خیال کیا اور پھر کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک نے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ رات بھر نفل پڑھے گا۔ دوسرے نے کہا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھے گا اور تیسرے نے عہد کیا کہ وہ عورتوں سے الگ رہے گا اور نکاح نہیں کرے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس آئے اور فرمایا: تم لوگوں نے ابھی اس اس طرح کی باتیں کی ہیں؟ خبردار! اللہ کی قسم، میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں رات کو نفل بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے بھی نکاح کرتا ہوں جس نے میرے طریقے کو چھوڑا وہ میرے دین پر نہیں ہے۔"

اس بارے میں تیسری حدیث ملاحظہ ہو:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : بَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ، فَسَاَلَ عَنْہُ. فَقَالُوْا : اَبُوْ اِسْرَائِیْلَ نَذَرَ اَنْ یَقُوْمَ، وَلاَ یَقْعُدَ وَلاَ یَسْتَظِلَّ، وَلاَ

يَتَكَلَّمَ، وَيَصُوْمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمَ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَه'

(صحیح بخاری۔ کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر ۶۷۰۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے کہا: یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں، نہ سائے میں آئے گا نہ کسی سے بات کرے گا، نہ کھائے پیے گا، بلکہ روزہ رکھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کہو کہ یہ بات بھی کرے، سائے میں بھی بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرلے۔"

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے۔ اس میں انتہا پسندی نہیں۔ اس میں توازن ہے۔ کوئی افراط و تفریط نہیں۔

اس تفصیلی وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام فتنہ و فساد کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ ظلم و زیادتی کے خلاف ہے۔ وہ ناحق قتل کو حرام قرار دیتا ہے اور وہ انتہا پسندی کے بھی خلاف ہے تو یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ وہ دہشت گردی کی دعوت دیتا ہے۔

وجودِ باری تعالیٰ

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورہ ابراھیم:۱۳)

ترجمہ: ان کے پیغمبروں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ

(سورھاعراف: ۹/ع ۱۳)

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

(سورہ بقرہ۲:ع۳)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلنے میں آدمیوں کی نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ. (سورۃ الغاشیہ)

ترجمہ: تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین کو کس طرح بچھائی گئی ہے تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (سورہ نمل ۲۰: ع۲)

ترجمہ: یہ خدا کا کام جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (سورہ روم: ۲۱، ع۵)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اور اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ (سورہ البلد)

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے اس کو دونوں رستے بتلا دیئے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ

(سورہ فاطر ۲۲: ع۱۵)

ترجمہ: کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے۔ اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں، سفید اور سرخ کہ اُن کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔

اے بھولے بھالے انسان!

کیا کائنات کا یہ سارا حسن و جمال، کیا یہ ساری زیبائی اور رعنائی خود بخود بغیر کسی موثر حقیقی کے خود وجود میں آ گئی۔

زمین کو سبزہ، ستاروں کو روشنی
پھولوں کو رنگ و بو درختوں کو قامتِ زیبا،
خود بخود مل گیا۔

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ (سورہ الواقعہ: ۷۲/ ۱۵)

ترجمہ: اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اُس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

دہریوں کی ایک جماعت نے امام صاحب پر حملہ کر دیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا، آپ نے فرمایا کہ پہلے اس مسئلہ میں مجھ سے بحث کر لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے اُنہوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ چنانچہ مناظرہ کی تاریخ اور وقت طے ہو گیا۔ مگر ہوا یوں کہ آپ مجلس مناظرہ میں دیر سے پہنچے اُنہوں نے اس پر بڑا شور و غوغا کیا۔

آپ نے فرمایا پہلے میری بات سُن لو، شاید آپ مجھے اس تاخیر میں معذور سمجھیں۔ اُنہوں نے کہا اچھا بتایئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا..... آج تو عجیب و غریب صورت دیکھنے میں آئی۔ ہوا یوں کہ جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو وہاں دور تک کشتی کا نام و نشان نہ تھا۔ حیران تھا کہ کس طرح دریا عبور کروں گا۔ اسی اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود کٹ گیا اور اس کے تختے بن گئے۔ پھر بغیر کسی کاریگر اور بغیر کیلوں کے اُن تختوں نے جُڑنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ کشتی تیار ہو گئی پھر وہ بغیر کسی ملاح کے پانی کے دوش پر اٹھکیلیاں کرتی میرے پاس آ گئی، میں سوار ہو گیا تو چلنے لگی یہاں تک کہ ساحل پر آ گئی۔

دہریوں نے یہ واقعہ سُنا تو اپنی بے ہنگم آوازوں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہنے لگے ایسا بھی بھلا کہیں ہو سکتا ہے کہ بغیر کاٹنے کے درخت کٹ جائے اور بغیر کاریگر کے کشتی تیار ہو جائے اور بغیر ملاح کے کشتی چلنے لگے؟

امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا بد بختو! اگر ایک درخت بغیر کاٹنے والے کے نہیں کٹ سکتا، تختے بغیر جوڑنے والے کے نہیں جُڑ سکتے، کشتی بغیر کاریگر کے تیار نہیں ہو سکتی،

ایک کشتی تیار ہو کر بھی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی.....! تو کیا کائنات کا یہ سارا نظام یہ شجر وحجر، یہ نہریں اور دریا، یہ شمس وقمر، یہ گل وگلزار، یہ حیوان اور انسان، یہ طویل وعریض آسمان، یہ ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشاں یہ سب کچھ خود از خود وجود میں آ گیا؟

اور اتنا بڑا کارخانہ عالم خود بخود چل رہا ہے اُسے کوئی چلانے والا نہیں؟!!! ان دہریوں کی سمجھ میں بات آ گئی اور اُنہوں نے تائب ہو کر ایمان قبول کر لیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

ہارون الرشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے وجود باری تعالیٰ پر دہریوں کے مقابلہ کے لئے دلیل معلوم کرنا چاہی تو آپ نے انسانوں کی مختلف شکلوں، آوازوں، نغمات، اور لغات سے استدلال کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدأ سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی شکل اور آوازیں ایک دوسرے سے مختلف چلی آ رہی ہیں کبھی دو آدمیوں کی آواز اور شکل ایک جیسی نہیں ملے گی بلکہ ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہوگا۔ حالانکہ تمام بنی آدم ایک ہی قسم کے نطفہ سے رحم میں پرورش پا کر ایک ہی غذا کھا کر پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح جس ہوا کے تموّج (لہریں پیدا ہونا) سے آواز پیدا ہوتی ہے وہ ہوا بھی ایک ہی ہے اور گلوں کی خلقت (آلات صوت وغیرہ بھی ایک جیسی ہے پھر بھی اربوں مختلف آوازوں کا یہ باریک فرق عجیب کرشمہ قدرت ہے)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

امام شافعیؒ نے بھی ایک سبز درخت کی عجوبہ کاریوں میں غور و فکر کیا اور خالق و مالک کو پہچان لیا، فرماتے ہیں..... میں نے توت کے درخت کو دیکھا، ایک ہی درخت ہے جڑیں اور تنا ایک ہے، موسم اور ہوا ایک ہے زمین ایک ہے، پانی ایک ہے، شاخیں ایک ہیں اور پتے بھی ایک قسم کے ہیں، پتوں کی رنگت ایک ہے، شکل و صورت ایک ہے۔ ذائقہ سب کا ایک ہے۔ سب کا مادہ ایک ہے۔ اسے گائے بھی کھاتی ہے، بکریاں بھی کھاتی ہیں، ہرن بھی اسے چرتے ہیں، پرند اور کیڑے بھی اسے کھاتے ہیں۔ مگر جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے، اور جب شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے، ہرن کھاتا ہے تو مشک پیدا ہوتا ہے، اور گائے بکریاں کھاتی ہیں تو مینگنیاں دیتی ہیں، تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف قسم کی خاصیتیں ہیں، مختلف ثمرات اور نتائج پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ (عزوجل) مانتے ہیں، یہ سب اُسی کی کرشمہ سازی اور عجوبہ کاریاں ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

امام احمدؒ نے فرمایا:..... میں نے ایک روز بڑے غور و فکر سے دیکھا، میرے سامنے ایک محل ہے، مضبوط قلعہ ہے، جو چاروں طرف سے بند ہے۔ جس کی دیواریں بڑی مضبوط ہیں۔ اس میں کوئی روشندان نہیں۔ کوئی کھڑکی نہیں، کوئی دروازہ نہیں، رسد اور خوراک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہوا کے آنے جانے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں، محل کو باہر سے سفیدی کر دی گئی ہے۔ چاندی کی طرح چمک رہا ہے۔ اور اندر سے رنگ کر دیا گیا ہے۔ سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے، دائیں، بائیں ہر طرف سے بند ہے۔ اچانک اس کی دیوار گر پڑتی ہے۔ اور اس بند محل سے ایک جاندار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چالتا ہوا خوبصورت شکل والا پیاری بولی والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ اور اُسی لمحے وہ اپنے دُشمن کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے مہربان کو بھی پہچانتا ہے وہ کھانا چگنا بھی جان لیتا ہے۔

بتاؤ! اس محفوظ مکان میں اور بند محل میں اسے پیدا کرنے والا، اس کی ہڈیاں اور اس کا جسم، اس کا گوشت، اس کی چونچ، اس کی ٹانگیں، اس کو بلی سے بچنے اور ماں کے دامن میں پناہ لینے کا شعور دینے والا کوئی ہے کہ نہیں؟ (یہ محل ہر گھر میں موجود ہے اور وہ ہے مرغی کا انڈہ) یقیناً ہے اور وہ ایسی ذات ہے جس کی قدرت غیر محدود ہے۔

❁❁❁

دین اسلام کی چند خوبیاں

دین اسلام میں جتنی خوبیاں ہیں ان کا بیان کرنا بہت مشکل اور وقت طلب کام ہے اور اس احساس کے ساتھ میں اپنی استعداد کے اعتبار سے صرف چند خوبیوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

پہلی خوبی: توحید

یعنی کسی کو اللہ کی ذات اور صفات اور افعال میں شریک نہ کرنا۔ یونان کے فلسفی اور حکماء ہند بلکہ ہر صاحب عقل انسان توحید کو اچھا جانتا ہے یہ توحید اسلام میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ اللہ کے سوا کسی اور کو کسی بھی قسم کا سجدہ حرام ہو گیا۔ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے اور حاجتوں کی برآوری کے لئے سوائے اللہ کے کسی اور سے رجوع کرنا منع ہو گیا۔ تصاویر بنانا، قبر کی نقل بنانا، جھوٹی قبر بنانا، اور اس کی زیارت کرنا یہ سب بت پرستی میں شمار کر کے حرام کر دیئے گئے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔

(نوٹ: زیارت قبور شرعی آداب کے مطابق جائز ہے، رشیدی)

دوسری خوبی: نبی کریم ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا:

قریب قریب ہر دین میں خرابیوں کی بنیاد بدعات کے اختیار کرنے سے پڑی ہے۔ اس خدشہ کے پیش نظر حضور نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی بارہا تاکید سے فرمایا کہ میرے اور میرے اصحاب کے قول و فعل سے مطلق تجاوز نہ کرنا نہ گھٹانا نہ بڑھانا، یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ میری اُمت کے لئے ہر سو برس کی ابتداء میں ایک ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس دین کو بدعتوں سے صاف کر کے تازہ کر دے گا۔ چنانچہ ہر صدی کے شروع میں ایسے شخص ظاہر ہوتے

رہے ہیں جن کے سبب دین اسلام تازہ ہوتا رہا اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

تیسری خوبی: اعتقاد کی درستگی:

جس کا بیان اس کتاب کے پہلے باب میں ہوا ہے۔ (تحفۃ الہند، صفحہ ۲۳)

چوتھی خوبی:

اسلام میں بدنی اور مالی عبادات ایسی ہیں جس سے دِل و جان کو لذت حاصل ہوتی ہے ان عبادات میں سے نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ تمام مخلوقات نماز ہی میں رہتی ہے یعنی اکثر فرشتے ذکر، حمد، تسبیح و تقدیس وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، درخت قیام میں، پہاڑ قعدہ میں چارپائے رکوع میں اور حشرات الارض سجدہ میں۔ حق تعالیٰ نے ان سب کی نماز جمع کر کے مسلمانوں کو عنایت کر دی کیوں کہ سب افعال نماز میں موجود ہیں۔

پانچویں خوبی:

معاملات، رعیت داری، حقوق والدین و زوجین، حقوق ہمسایہ، مسافر، یتیم، قیدی، مسکین وغیرہ، آدابِ طعام، آداب لباس، آدابِ نکاح وغیرہ اسلامی تعلیمات میں اس تفصیل سے بیان ہوئے ہیں کہ انسانی زندگی سے متعلق جس کسی مسئلہ کی احتیاج ہو وہ مسئلہ دین کی کتابوں میں موجود ہوتا ہے کہ حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ کرنے کے صحیح طریقے بھی بتلائے گئے ہیں۔ اس وجہ سے اس دین حق کو زندگی کے لئے ایک مکمل و جامع ضابطہ حیات تسلیم کیا گیا ہے۔

حکایت عجیبہ:

اکبر آباد (آگرہ) میں ایک انگریز نے ایک مسلمان سے پوچھا کہ دینِ اسلام کے حق ہونے کی دلیل کیا ہے۔ اُن بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور چند اور دلیلیں بیان کیں۔ وہ انگریز یہ سب کچھ سنتا رہا اور پھر اس نے کہا کہ ان دلائل کے علاوہ دین اسلام کے حق ہونے کی ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دلائل کے علاوہ ہمارا جو قانون عدالت مقرر ہوا تو کئی سو قانون دانوں نے مختلف اطراف سے جمع ہو کر یہ قانون اپنی عقل کے زور سے مقرر کیا۔

ہمارا ملک یونان سے قریب ہے اور اس ملک کے عقل مندوں کی عقل تیز ہوتی ہے پھر بھی کئی سو برس آپس کے مشورے سے یہ قانون مقرر کیا گیا لیکن اس کا حال یہ ہے کہ ہر چار پانچ برس میں اس میں تغیر آجاتا ہے۔ لیکن اسلامی شریعت کے اُصول و مبادی حضور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے بدون مشورہ و اصلاح صرف تیئس برس کی مدت میں مقرر ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک اس میں کچھ فتور اور تفاوت نہیں آیا۔ لہٰذا میرا (اس انگریز کا) یہ خیال ہے کہ یہ کام وحی کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سن کر ان بزرگ نے اس انگریز سے کہا کہ جب یہ بات ہے تو تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ انگریز نے جواب دیا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو پھر یہ پانچ سو ماہوار تنخواہ کون دے گا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ انگیریز مسلمان ہو گیا۔ اور اس کی تنخواہ بھی بحال رہی۔

چھٹی خوبی:

علم اخلاق، تصوف اور تزکیہ نفس جس طرح اسلامی تعلیمات میں بیان ہوا ہے اس انداز سے کسی اور دین میں بیان نہیں ہوا۔ چنانچہ امام غزالیؒ کی کتابیں، احیاء العلوم والدین اور کیمیائے سعادت اس بارے میں معروف و مشہور ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب مضامین قرآن پاک اور حدیث سے نکلے ہیں۔

ساتویں خوبی:

اللہ کا کلام جس صحت کے ساتھ اس دین (اسلام) میں محفوظ ہے کسی اور دین میں نہیں۔

آٹھویں خوبی:

علماء، اولیاء و صلحاء جتنے اس دین اسلام میں ہوئے ہیں کسی اور دین میں نہیں۔

نویں خوبی:

ایسی کوئی بات جو عقل کے خلاف ہو اس دین میں نہیں۔ اور جو اعتراضات دوسرے

دین والوں نے کیے ہیں ان کے شافی جواب دیئے گئے ہیں۔

دسویں خوبی:

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جامع جمیع خصائل حسنہ ہونا اور ہر طرح کے معجزات کا ظہور حضرت کے ہاتھ پر ہونا اور اللہ تعالیٰ کا سب پیغمبروں کی خوبیوں اور کمالات کو حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات بابرکات میں جمع کر دینا۔

گیارہویں خوبی:

نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل بیت، اصحاب، اور دین کے دیگر خواص نے انتہائی سادہ زندگی گزاری۔ بادشاہی چھوڑ کر درویشی اختیار کی۔ اہل بیت پر جس طرح دنیاوی تکالیف گزرتی تھیں ان کے بیان سے جی بھر آتا ہے۔ آپ ﷺ کے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چادر میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی شہر کے امیر ہونے کے باوجود جنگل سے لکڑیاں کندھے پر لاتے تھے۔ اس طرح کے سینکڑوں واقعات وحالات ہیں۔

بارہویں خوبی:

ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ جماعت میں بڑے فائدے ہیں۔ آدمی ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے سے اپنا دُکھ درد بیان کرتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اس واسطے حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نمازیں باجماعت فرض (سنت موکدہ) کر دی تا کہ ہمسایہ اور محلہ دار ایک دوسرے سے مل سکیں۔ پھر آٹھویں دِن یعنی جمعہ کو تمام شہر کے افراد اکٹھے ہوتے ہیں اور سال میں دو بار عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع پر وسیع علاقہ کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور پوری زندگی میں ایک بار حج کے لئے مکہ معظمہ میں جا کر اطراف عالم کے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں۔

تیرہویں خوبی:

خواتین کے لئے پردہ کا حکم جو صرف اس دین میں مخصوص طریقہ سے دیا گیا ہے اور

جو معاشرہ کی اہم ترین ضروریات میں سے ہے۔

چودھویں خوبی:

نشہ کی چیزوں کا حرام ہونا، نشہ کی چیزوں کے جو اثرات انسانی زندگی اور معاشرہ پر پڑتے ہیں، وہ سب کو معلوم ہیں ان کی ممانعت انتہائی ضروری ہے۔

پندرھویں خوبی:

دین اسلام کی ترقی بغیر دنیاوی لالچ کے جاری ہے۔ جبکہ دوسرے دین والے خصوصاً عیسائی ہر طرح کے لالچ دیتے ہیں۔ مگر کامیاب نہیں ہوتے۔ یہ سب اللہ کا کرم ہے کہ اسلام برابر ترقی کر رہا ہے اور اس کی حقانیت ہر سمجھدار آدمی کے دِل میں گھر کرتی جا رہی ہے۔
(تحفۃ الہند۔ صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۹)

مغربی فکر اور اسلامی فکر

مختصر موازانہ

مغربی فکر [جو اس وقت عالمگیر صورت اختیار کر چکا ہے] اس کا مرکزی ہدف دنیاوی کیریئر بنانا ہے اور مادی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشحال اور لذیذ سے لذیذ تر بنانا ہے۔ نیز فرد و افراد کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں و توانائیوں کے ذریعہ معاشرے و ریاست کو مادی طور پر مستحکم کرے۔

مغربی فکر کا یہ ہدف دراصل انسان، کائنات اور تخلیق کائنات کے بارے میں ان کے خالص مادی نقطہ نگاہ ہی کا نتیجہ ہے۔ جس کے تحت انسان و کائنات کی تخلیق اللہ کی منصوبہ بندی و حکمت کے تحت نہیں ہوئی ہے، بلکہ ارتقاء کے قدرتی قوانین کی صورت ہے۔ انسان تو بس حیوان ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس میں جتنے بھی جذبات و احساسات اور تقاضے پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب خالص مادی نوعیت کے ہیں، روح و دل کی جوہری قوت اور فطرت سلیمہ جیسی چیزیں سرے سے انسان میں موجود ہی نہیں ہیں۔ وہ سراسر نفسانی خواہشات کا مجموعہ ہے۔ یہ زندگی سراپا مادی مسرت کے حصول ہی کا ذریعہ ہے۔ موت کے بعد کی زندگی مذہب کا واہمہ ہے۔

مغربی فکر اور اس کی تہذیب دراصل انسان و تخلیق کائنات کے بارے میں ان کے اسی مادی نقطہ نظر ہی کا مظہر ہے۔

اسی نقطہ نگاہ کے غلبہ کے نتیجہ میں ہی وہ نظام تمدن و تہذیب وجود میں آیا ہے جس

نے پوری انسانیت کو مادیت پرستی کی آگ میں جھونک دیا ہے۔ انسانی روح کو تھکا دیا ہے، دل کو اس کی اصل غذا سے محروم کر دیا ہے، اور دماغ کو خالص مادی سوچ کے ذریعہ فکری انتشار کا شکار بنا دیا ہے۔

مغربی [جدید] نفسیات کا کام یہ ہے کہ غیر معمولی مادی جد و جہد یعنی مادہ کی بہت زیادہ پرستش کے نتیجہ میں فرد جب نفسیاتی اور اعصابی بیماریوں کا شکار ہو جائے تو اسے ارتکاز قوت کی مادی نوعیت کی کچھ مشقوں یا نشہ آور گولیوں کے ذریعہ وقتی طور پر آرام پہنچایا جائے یا اس کے ذہن کو منجمد کر دیا جائے تاکہ وہ کچھ ہفتوں یا کچھ مہینوں تک مادہ کی پرستش یعنی غیر معمولی مادی جد و جہد سے آزاد ہو سکے۔ اس سلسلہ میں جدید نفسیات فرد کی وقتی تسلی سے زیدہ تسکین کا انتظام کرنے سے بالکل قاصر ہے۔

جب کہ اسلامی فکر و تعلیمات کا ہدف یہ ہے کہ دنیاوی ضرورت کے حصول کی جد و جہد کے باوجود دنیا میں استغراق کی حالت پیدا نہ ہو اور محبوب حقیقی یعنی اللہ سے غفلت پیدا نہ ہو۔ نیز فرد اخلاقی اور روحانی طور پر اتنا مستحکم ہو کہ اللہ کی محبت و رضا اور اس کی اطاعت اس کا مقصود ہو جائے۔ اللہ کے لئے جینا و مرنا اس کا ہدف بن جائے۔ اللہ کی محبت کے زیرِ اثر وہ معاشرہ و ریاست کو اسلامی نقطہ نگاہ سے مستحکم کرنے کا کردار ادا کرے اور تعمیرِ سیرت کے ذریعہ اللہ کے بندوں سے محبت، ان کی خدمت، انسانی جوہروں سے بہرہ وری ہو اور آخرت میں نجات، یہ ساری چیزیں اس کے مزاج کا حصہ بن جائیں۔

مسلم نفسیات [یعنی اہل تصوف] کا کام یہ ہے کہ فرد کے دل، روح اور نفسیات کو صحبتِ صالحہ کے نورانی ماحول اور اللہ کے ذکر سے اتنا مستحکم کیا جائے کہ دل، عقل اور نفسیات کا توازن بگڑنے نہ پائے۔ اور ذکر کے ذریعے ان کی تسکین و تشفی کا ایسا انتظام ہو کہ وہ حلاوت سے سرشار ہو جائیں اور فرد اور افراد "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" کے حامل ہو جائیں۔

مغربی فکر اور اسلامی فکر کے درمیاں یہ فیصلہ کن اور بنیادی فرق ہے جو دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ جوہری نوعیت کا فرق ہے اور دنیا میں جہنمی منظر اور جنتی منظر کے مماثل ہے۔

ہم نے مغربی فکر کی تقلید اختیار کرنے اور مغربی تہذیب پر فریفتگی کی وجہ سے اسلامی ناموں سے موسوم ہونے اور بعض اسلامی روایات پر عمل پیرا ہونے کے باوجود عملاً، اپنے لئے جو مظاہرِ زندگی اور طرزِ زندگی پسند کیا ہے وہ مغرب کی مادیت پرستی پر مشتمل زندگی ہے اور دنیاوی کیریئر کو مقصود بنانے والی زندگی ہے، اس کے جو نتائج نکل سکتے ہیں، وہ اہلِ مغرب کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ظاہر ہونے والے نتائج کے علاوہ دوسرے نکل سکیں، ممکن ہی نہیں۔ یعنی مادی زندگی ہی کو مسرت کا واحد ذریعہ سمجھنا، ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کو زندگی کے مقاصد میں شمار کرنا، رحم دلی، ہمدردی، محبت، شفقت اور حقیقی انسانیت نوازی جیسے اوصاف سے محرومی اور بڑھتے ہوئے نفسیاتی امراض کا شکار ہونا وغیرہ وغیرہ۔

قرآن نے یہ اہم نکتہ واضح فرمادیا ہے کہ ظالم قوموں کی طرف جھکنے کے نتیجہ میں آگ کی لپیٹ سے بچنا ممکن نہیں۔ ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾

ظالم اور مادہ پرست قوموں کے مظاہرِ زندگی اور طرزِ زندگی سے نفرت کی بجائے ان سے دل بستگی اور ان پر فریفتگی کا لازمی نتیجہ دل، روح اور نفسیات کا آگ کی لپیٹ میں آجانا ہے۔ جہنم کی آگ سے پہلے اس دنیا میں بھی یہ آگ چھوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

ہمارے ہاں بڑھتی ہوئی نفسیاتی بیماریاں، سنگ دلی، قساوتِ قلبی، دولت پر سانپ بن کر رہنے کی نفسیات، مال کی خاطر قوم وملت اور عزیز واقارب کو پامال کرنا وغیرہ یہ ساری چیزیں مغربی فکر کا منطقی نتیجہ ہیں۔ سنبھلنے کی ضرورت ہے۔

[جدید انسان کا داخلی بحران]

مسلمانوں کا ہر عمل اسلام کی ترجمانی نہیں کرتا

اس بات سے کسے انکار ہے کہ اچھے اور برے لوگ ہر مذہب کے ماننے والوں کے درمیان ہیں لیکن یہ بات تکلیف دہ ضرور ہے کہ کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے اگر جرائم کا ارتکاب کریں تو انہیں ان کے مذہب کی ترجمانی کے پس منظر میں نہ دیکھا جائے۔ اور جب وہی جرم کوئی مسلمان کرے تو اسے اسلامی تعلیمات کی ترجمانی کے خانے میں ڈال دیا جائے۔ یعنی جرم کا تجزیہ کرتے ہوئے دو الگ الگ توجیہات اختیار کی جائیں۔ ایک اپنوں کے لیے اور ایک غیروں کے لیے۔ جب کہ عدل و انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے صرف مسئلے پر نگاہ رکھی جائے نہ کہ مسئلے سے منسلک افراد پر۔ فکر و نظر کا یہی وہ تضاد ہے جس نے عالمی سطح پر ایک بڑے مذہب کے ماننے والوں کو بے چینی و اضطراب سے دوچار کر رکھا ہے۔

موضوع کے مناسبت سے وہ جواب بھی سنتے چلیے۔ جو دنیائے باکسنگ کے معروف نام محمد علی کلے نے میڈیا کو دیا تھا۔ امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کے بعد۔ محمد علی کلے نے گراؤنڈ زیرو کا دورہ کیا تھا۔ آپ کی شہرہ آفاق شخصیت کی وجہ سے ذرائع ابلاغ کے نمائندے بڑی تعداد میں ارد گرد جمع ہو گئے۔ اسی درمیان کسی متعصب نمائندے نے چڑتے ہوئے کہا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی و بربادی کے پس پشت جن افراد کے نام لیے جا رہے ہیں وہ سب کے سب آپ ہی کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ محمد علی نے بڑی متانت کے ساتھ جو منہ توڑ جواب دیا وہ تاریخ کے صفحات میں آج تک محفوظ ہے۔ انہوں نے کہا کہ جنگ عظیم کے نتیجے میں آنے والی عالمی تباہی کے پیچھے ہٹلر کا نام

لیا جاتا ہے جو کہ آپ کے مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ لہٰذا آپ اس حوالے سے کیا کہیں گے؟

ذرا سوچیے تو سہی کہ دنیا میں ہونے والے جرم کی پاداش میں مجرم کے اہل خانہ کو قابل مواخذہ نہیں سمجھتے۔ لیکن عجیب دورنگی ہے کہ مسلمان کے جرم کا دائرہ اس قدر وسیع کر دیا جاتا ہے کہ دنیا کا ایک مسلمان بھی باہر نہ رہ سکے۔ خیال رہے کہ کسی مسلمان کے جرم کا دفاع نہ کبھی کرتے ہیں اور نہ کریں گے۔ لیکن اتنا تو ہمیں کہنے کا بہر حال حق ہے کہ کسی کے کیے ہوئے جرم کو اسلام اور مسلمانوں کے پیپر میں نہ ڈال دیا جائے۔

(فکر و نظر کے دریچے: ص ۱۵۶)

مسلم معاشرہ میں مسجد کی اہمیت

مسلم معاشرہ میں مسجد کی اہمیت اور اس کے کردار و مبارک اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مسجد کی محبت اور اس کا ادب و احترام ہر مسلمان کے دل و دماغ میں موجزن ہے اور مسجد کی عظمت ہی اس کے آداب کا تقاضا کرتی ہے۔ عہد نبوت اور خیر القرون میں مسجد صرف باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے ایک مبارک جگہ ہی نہ تھی بلکہ وہ مسلمانوں کے علمی، عملی، اخلاقی اور رفاہی قیادت کے لیے مرکز کا کردار ادا کرتی تھی۔ اہلِ اسلام کی دینی و عسکری اور معاشرتی امور کے لیے قیادت گاہ یہی مسجد ہوتی تھی۔ یہی مسجد تھی جہاں سے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مجاہدین کے قافلے روانہ کیے جاتے تھے۔ یہی مسجد دار العلوم بھی تھی۔ یہی مسجد بیت المال بھی ہوتی تھی۔ اور یہی مسجد دار القضاء اور دار الافتاء بھی۔ یہ سب خیر القرون اور اسلامی ریاست کی برکات تھیں لیکن جوں جوں ہم عہد نبوی سے دور ہوتے چلے گئے اور اسلامی ریاست سے محروم ہو گئے تو ہم اس مبارک دور کی برکات سے بھی محروم ہو گئے۔

ہم موجودہ حالات میں مسجد کی عظمت کو کیسے اپنے دل و دماغ میں جاگزیں کر سکتے ہیں۔ ائمہ کرام اور انتظامیہ ایک دوسرے کا کیسے حق ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے خدام سے ہمارا تعلق کیسے ہو مسجد کی آبادی کے لیے ہمیں کیا آداب اختیار کرنے چاہئیں مسجد کی کمیٹی ممبران اور انتظامیہ اپنی مسجد کی خیر و برکات کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور مسجد کے ماحول کو کیسے پر سکون بنایا جا سکتا ہے۔ نماز کے مقتدی ہونے کی حیثیت سے ہمارے کیا حقوق و فرائض ہیں۔ الغرض اسلامی معاشرہ میں مساجد کے مرکزی کردار کو اُجاگر کرنے کے لیے علماء آئمہ مسجد مقتدی اور حکمرانوں کو اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

❁❁❁

دہشت گردی اور جہاد میں فرق

اس وقت مغربی میڈیا نہایت چالاکی اور عیاری کے ساتھ جہاد کو دہشت گردی سے موسوم کرنے پر کمر بستہ ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں پروپیگنڈا مہم اس کامیابی سے چلائی جارہی ہے کہ مغرب زدہ مسلمان بھی اس مسموم فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور فی الواقع جہاد کو دہشت گردی کے مترادف خیال کیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ جہاد کو دہشت گردی قرار دینا حقائق کے منافی ہے۔ کیونکہ جہاد اور دہشت گردی میں تعریف، مقاصد، آداب اور نتائج میں ہر پہلو سے زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

دہشت گردی کی مختلف تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنا تشدد و قوت اور قتل عام کے ذریعے دہشت پیدا کرنا ہے، بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا۔ جبکہ جہاد کی تعریف اس کے برعکس کچھ یوں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا۔

(مفتی فضل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں:

''اسلامی جہاد کا اپنا ایک مستقل تصور ہے جو انتہائی منصفانہ اور عادلانہ ہے۔ اسلامی جہاد کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے فکر و عمل میں آزاد ہے اور یہ آزادی اور اختیار جو انسان کو ملا ہے وہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ کسی قوم یا کسی فرد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اپنا غلام بنائے، ان پر ظلم و جبر کرے اور اُن کی آزادی کو چھیننے کی کوشش کرے۔ اسلامی جہاد ظلم اور منکرات کو ختم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کا نام ہے اس لیے اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور ہے۔'' از مرتب)

معلوم ہوا کہ جہاد اور دہشت گردی اپنی تعریفوں کی روشنی میں اسی طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس طرح یہ دونوں لفظ اپنے وجود اشتقاق اور بناوٹ کے لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا دونوں کو ایک ہی چیز قرار دینا عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

دہشت گردی کا بنیادی مقصد دراصل مادی اغراض ومقاصد کا حصول ہے۔ اس لیے کسی خاص گروہ یا مسلک کی معیشت پر کنٹرول کرنا یا انہیں اپنا تابع فرمان یا حامی بنانا، انہیں غیر مستحکم بنانا یا ان پر مسلسل خوف طاری رکھنا یا بدامنی کی فضا پیدا کرنا یا وہاں اپنا سیاسی اثر ورسوخ پیدا کرنا۔ یہ سب دہشت گردی کے اغراض ومقاصد میں شامل ہیں۔ جبکہ جہاد کے اغراض ومقاصد میں ایسی کوئی بدمعاشی اور غیر اخلاقی حرکت شامل نہیں۔ دہشت گردی بذات خود ایک گھناؤنا جرم ہے۔ اس لیے دہشت گردی کے حوالے سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ اس کی تکمیل میں اخلاقی ضابطوں اور انسانی قدروں کا پاس کیا جاتا ہوگا۔

❁❁❁

مغرب اور اسلام کے اساسی نظریات میں فرق

اسلام کا اساسی نظریہ

﴿۱﴾ اعلیٰ اتھارٹی اللہ جل شانہ

یعنی کونسا کام صحیح ہے، کونسا غلط؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ حکم نازل فرمائیں گے۔ انسان خود کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینے میں آزاد نہیں ہیں۔ زنا حرام ہے یا حلال؟ اللہ جل شانہ بتائیں گے۔

لواطت جائز ہے یا ناجائز؟

مرد سے نکاح کرنا صحیح ہے یا غلط؟

سود لینا اور دینا کیسا ہے؟

صحیح کیا ہے، غلط کیا ہے؟ حرام کیا ہے، حلال کیا ہے؟ اس کی تعین اللہ جل شانہ کریں گے۔

﴿۲﴾ رہنمائی شریعت سے لیں گے۔

﴿۳﴾ قانون

شریعت سے اخذ کیا جائے گا۔

مغربی اساسی نظریہ

﴿۱﴾ اعلیٰ اتھارٹی انسان

یعنی کون سی چیز درست ہے، کونسی غلط؟ اس کا فیصلہ انسان اپنی عقل سے کرے گا۔

کسی بھی چیز کو غلط یا صحیح سمجھنے میں انسان آزاد ہے۔ زنا کرنا صحیح ہے یا غلط؟ انسان خود طے کریں گے۔

لواطت انسانی حق ہے یا قبیح ترین عمل ہے؟

پارلیمینٹ (انسانوں کا گروہ) طے کرے گی۔ سود لینا صحیح ہے یا غلط؟ اس کا فیصلہ بھی انسان کریں گے۔

﴿۲﴾ رہنمائی

رہنمائی حاصل کرنے کے لئے انسان عقل کے سوا کسی کا محتاج نہیں۔ نہ ہی رسولوں کا نہ کسی کتاب کا۔

﴿۳﴾ قانون

انسانوں کا منتخب کردہ گروہ (پارلیمنٹ) بنائے گا۔

[تعارف تہذیب مغرب: ص ۴۵]

جدید انسان کا داخلی بحران اور اس سے نکلنے کی صورت

[۱]

عصرِ حاضر کی مشینری زندگی نے لگ بھگ ہر فرد کو نت نئے بحرانوں سے دوچار کر دیا ہے، جس سے انسانی زندگی بہت سارے خطرات سے دو چار ہوگئی ہے۔ ان بحرانوں میں محبوبِ حقیقی اور مخلوق سے محبت نہ ہونے کا بحران، خود اعتمادی کا بحران، دولت پر لپکنے کا بحران، عاجزی وانکساری سے محرومی کا بحران، دوسروں کی تحقیر اور ان پر بالا دستی کے احساسات کا بحران، انسانیت کی قیمت پر مفادات کے حصول کا بحران، شہرت و نام وری کے حصول کی تگ ودو کا بحران، دنیا کی خوبصورتی پر فدا کاری کا بحران، اشتعال، جھنجھلاہٹ کا بحران، مزاج کے خلاف باتوں کی عدم برداشت کا بحران، رشتۂ وفاداری کے تقدس کے خاتمہ کا بحران، اپنے بھائیوں کے خلاف نفرت، کدورت، اور ان سے انتقام لینے کے جذبات کا بحران، سیاست، معاشرت، معیشت اور مذہبی زندگی میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا بحران، دین ومذہب اور روحانیت کے نام پر ناموری، دولت کے حصول کا بحران، غرض کہ محلوں، قوموں اور ملکوں کی سطح سے لے کر عالمی سطح تک انسانیت اس طرح کے بے شمار بحرانوں سے دوچار ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرہ تصادم، خلفشار اور مفاسد سے دوچار ہے اور انسانیت سکھ، سکون، امن وغیرہ سے محروم ہو چکی ہے۔

ان بحرانوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ یہ سارے بحران داخل میں موجود ایک زبر

دست خلا کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں۔ داخل میں موجود یہ خلا ایسا ہے جو کسی طور پر پُر ہونے نہیں پاتا۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ انسانیت، باطن میں موجود اس ہولناک خلا کے ادراک سے قاصر ہوگئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اعمالِ بد کی صورت میں فطرتِ سلیمہ کے منافی اعمال مزین کر کے دکھائے دیتے ہیں۔ اور افرد اور افرادِ انسانیت کے منافی ان اعمال کو اپنے خصوصیات و کارنامے تصور کرنے لگتا ہے۔ چونکہ ہمارا سارا تعلیمی و تربیتی نظام، میڈیا و ابلاغ [اور سارے جدید نظریات اور ان نظریات کے زیرِ اثر وجود میں آنے والی مادہ پرستی پر مبنی تہذیب] داخل میں موجود اس ہولناک بحران کے شعور پیدا کرنے سے انکار پر مشتمل ہے۔ اس لئے انسانیت، تاریخ میں پہلی بار عالمگیر سطح پر ہولناک بحرانوں سے دو چار ہو کر قابل رحم حالت تک پہنچ چکی ہے۔

داخل میں موجود یہ بحران کیا ہے جس سے دوسرے سارے بحران پیدا ہوئے ہیں؟ یہ بحران دراصل اپنی شخصیت کی اصلیت اور حقیقت سے نا آشنائی کا بحران ہے۔

انسانی شخصیت کی تخلیق، محبوبِ حقیقی سے محبت کے ایسے جذبات و داعیے کے ساتھ ہوئی ہے کہ شخصیت کو حقیقی محبوب کی محبت سے سرشار کیے بغیر اس کے سارے جذبات و احساسات مفاسد سے بھرپور ہو جاتے ہیں۔ توحید کا عقیدہ اور اللہ سے والہانہ محبت کا داعیہ انسانی فطرت کا ناگزیر بلکہ سب سے طاقتور داعیہ ہے۔

شخصیت میں توحید پرستی کا یہ عقیدہ اتنا راسخ ہے کہ مادہ پرستی کی ساری فضا کے باوجود فرد و افراد جب موت کے مسائل سے دو چار ہوتے ہیں تو وہ سارے بتوں اور سارے خداؤں کی نفی کر کے اپنے حقیقی مولیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔ قرآن نے انسان کے ان فطری احساسات کی ترجمانی بہتر طور پر کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی شخصیت عقیدہ توحید کے رسوخ و استحکام کے بغیر داخلی و خارجی بحرانوں سے بچ سکے اور خود اعتمادی سے سرشار ہو کر انسانیت کے شایانِ شان زندگی گزارنے کے اہل ہو سکے، ممکن نہیں۔ اللہ نے فطرت میں موجودہ عقیدہ توحید کے سبق کی یاد دہانی اور پختگی کے لئے انبیاء کرام بھی بھیجے، آخری رسول کی تعلیم بھی عقیدہ توحید کے استحکام ہی کی تعلیم ہے۔

عقیدہ توحید اپنے ساتھ اللہ سے والہانہ محبت کے ایسے جذبات سامنے لاتی ہے جس کے نتیجہ میں دوسرے سارے مادی اور نفسیاتی جذبات، عقیدہ توحید کے تابع ہو جاتے ہیں۔

عقیدہ توحید محض اللہ کے ایک ہونے کے زبانی اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ کو دل و دماغ و نفسیات اور انسانی شخصیت کی گہرایوں میں راسخ کرنا ہے۔ اس عقیدہ توحید کے نتیجہ میں شخصیت میں موجود سارے بحرانوں کا خاتمہ ہونے لگتا ہے اور انسانی شخصیت سکون وسکینت سے بہرہ ہونے لگتی ہے اور وہ اپنے محبوب کی بھیجی ہوئی تعلیمات پر صدق دل سے عمل پیرا ہونے کو اپنی سعادت سمجھنے لگتی ہے۔

عقیدہ توحید اپنے ساتھ وہ ساری خصوصیات وخوبیاں لانے کا ذریعہ بنتی ہے جو انسان کا جوہر ہے اور جو فطرت سلیمہ کا حصہ ہیں اور جو سارے انبیاء کی تعلیمات کا حاصل ہے۔

آج کا ہمارا سارا بحران اسی عقیدہ توحید کو مستحکم نہ کرنے، تعلیمی وتربیتی اداروں کے ذریعہ عقیدہ توحید کو غالب نہ کرنے اور اس کے لئے خصوصی اہتمام نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہے، عقیدہ توحید اللہ کے ساتھ والہانہ محبت وعشق کے بغیر مستحکم ہو سکے، ممکن نہیں۔ اللہ کا یہ عشق ہی ایسی چیز ہے جو مادیت پرستی ونفس پرستی کے بتوں کو قلع قمع کر کے شخصیت میں انسانی جوہروں کو اجاگر کرتا ہے اور فرد کو محض اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کے مزاج ونفسیات کا حامل بناتا ہے۔

عقیدہ توحید کلمہ طیبہ کے تقاضوں کو مستحکم کرنے، اللہ کے علاوہ سارے باطل معبودوں کی عبادت سے انکار کرنے اور اللہ سے والہانہ محبت کی بنیادوں پر فرد وافراد کی تعمیر سیرت کرنے کا ذریعہ ہے۔

عصرِ حاضر کے سارے علوم وفنون اور تعلیمی وتربیتی اداروں میں سب سے زیادہ غفلت جس کام سے برتی جارہی ہے وہ عقیدہ توحید کے رسوخ کا کام ہے بلکہ جدید تعلیمی اداروں اور جدید تعلیم کی فلسفیانہ بنیادوں سے خدا کے تصور ہی کو نکال دیا گیا ہے جو دراصل انسانی فطرت کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ جو قومیں انسانی فطرت کے ساتھ

جنگ کی راہ پر گامزن ہوں ان قوموں کے افراد بے شمار ذہنی، نفسیاتی، اخلاقی و روحانی بیماریوں سے بچ کر صحیح طور پر انسانی حیثیت سے زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں، ممکن ہی نہیں۔

مادہ پرست مغربی تہذیب نے انسان سے عقیدہ توحید سلب کر کے انسانیت کو عالمگیر بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ افراد کا افراد سے ٹکراؤ، قوموں کا قوموں سے ٹکراؤ، ملکوں کا ملکوں سے ٹکراؤ، ایک دوسرے کو مارنے اور فنا کرنے کے لئے ہتھیاروں کی دوڑ، دولت کی خاطر انسانوں کی پامالی و تباہی، عورت کو عریاں کر کے زندگی کے ہر موڑ پر لا کھڑا کرنا، انسانیت پر جنس کے جنوں کو سوار کرنا وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو انسانیت کی تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ اس سے انسان جتنے بھی نت نئے بحرانوں سے دوچار ہو کم ہے۔

[۲]

جدید انسان کی زندگی میں پیدا شدہ یہ خلا اور بحران عقل و عقلیت کے استعمال کے ذریعہ حل نہیں ہو سکتا۔ اگر حل ہوتا تو اب تک اس کے حل ہونے کی صورتیں پیدا ہو چکی ہوتی۔ اس لئے کہ مغرب کے ماہرینِ نفسیات اور ماہرینِ طبعیات اس مسئلہ کے حل کے لئے اپنی بہترین ذہنی صلاحیتیں صرف کر چکے ہیں۔ ہمارے وہ دانشور جو عقل کے بھرپور استعمال کے علمبردار ہیں وہ بھی اپنی ساری کاوشوں کے باوجود اس معاملہ میں پیش قدمی کرنے سے قاصر ہیں۔

عقل کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن عقل مادی تحقیق کے اعتبار سے تو غیر معمولی کردار ادا کرتی ہے جب کہ وہ انسان کے داخلی بحران کی نوعیت کو سمجھنے اور اس بحران سے نکلنے کے سلسلہ میں صحیح نتائج تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ سبب یہ ہے کہ عقل خود مادہ کی پیداوار ہے۔ جبکہ انسان بنیادی طور پر جوہری واقع ہوا ہے اور اس مادی دنیا سے زیادہ دوسری اعلیٰ ترین دنیا کا حصہ ہے۔

عقل پر غیر معمولی اعتماد اور سارے جدید علوم کی بنیاد عقلِ محض پر رکھنے اور عقلِ محض

کی بنیاد پر جملہ انسانی معاملات کو سرانجام دینے کی روش ایسی ہے جس نے انسانیت کو بند گلی میں لا کھڑا کیا ہے جہاں سے نکلنے کے سارے راستے مسدود ہیں۔

عقل اور عقلیت کی حدود کو سمجھنے اور عقل سے بلند ہو کر انسانی شخصیت میں موجود دوسری قوتوں کو بیدار کرنے سے ہی ہم انسانیت کو درپیش اس ہمہ گیر و ہمہ جہتی بحران سے نکل سکتے ہیں۔اس کی دوسری کوئی صورت موجود نہیں ہے۔

خالقِ ہستی نے انسان کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس میں کچھ اپنے جلوے رکھ دیے ہیں۔ساتھ ساتھ مادی نفس اور عقل کی قوت بھی رکھی ہیں۔ان جلوؤں کو آپ روح اور دل کے نام سے موسوم کر لیں۔یہ مذہبی اصلاحات ہیں، سارے انبیاء کرام نے خالقِ کائنات کی رہنمائی میں انسانی شخصیت کی توجیہ یہی کی ہے کہ روح اور دل کی قوتیں انسانی شخصیت میں اصل اور فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہیں۔

شخصیت میں موجود ان دونوں قوتوں کی اصلیت اور ان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان کی تسکین کے عدمِ اہتمام سے ہی وہ سارے مسائل اور وہ سارے بحران پیدا ہوتا ہے جس سے اس وقت انسانیت دوچار ہے۔مسلم امت جو دوسروں کی رہنمائی کے لیے پیدا ہوئی ہے کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ وہ امت خود اس سلسلہ میں مادہ پرست غریب انسان سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے رجوع کر رہی ہے۔اور اپنے جملہ مسائل کے لئے انہی کے نسخہ جات کو استعمال کرنے میں فخر محسوس کر رہی ہے۔

[۳]

داخلی بحران میں اضافہ کرنے والے جو عوامل موجود ہیں وہ اگرچہ بہت زیادہ ہیں لیکن کچھ اہم عوامل کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

سیکولرزم اور عقلیت پسندی پر مبنی عالمی نظام کو اپنے ہاں عملاً نافذ کرنا اور انہی خطوط پر اپنے نظامِ تعلیم اور اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنا اور اس سلسلہ میں اہلِ مغرب کی رہنمائی کو حرف

آخر سمجھنے کی روش کا ہونا۔

اسی روش کا نتیجہ ہے کہ ساری حکومتی مشنری اور ریاستی نظام سے وابستہ افراد کا آئیڈیل، عقلیت پسندی کا مغربی نظام ہی بن گیا ہے۔

اہلِ مغرب نے صدیوں سے غور و فکر کے نتیجہ میں مادی زندگی اور سیاسی نظام کو بہتر بنانے کے لئے جو بہتر اصول اختیار کئے، انہیں اپنے نظامِ تعلیم و تربیت کا حصہ نہ بنانا، ان کے ان بہتر اصولوں کو اختیار نہ کرنا، جب کہ ان کے ہاں موجودہ ساری خرابیوں کو اپنانے کے لئے مجنوں ہونا، ہمارے حکمرانوں، سیاستدانوں اور سول و فوجی بیوروکریسی کی اس روش نے پاکستانی ملت کو المناک صورتحال سے دوچار کر دیا ہے اور داخلی بحرانوں کے ساتھ بہت سارے خارجی بحرانوں میں بھی مبتلا کر دیا ہے۔

غلط نظامِ تعلیم جس کے تحت فطرتِ سلیمہ کے اجزاء، روحانیت اور دل کی سلامتی کو دبا کر نفسی قوتوں اور مادیت پرستی کے جذبات کو ابھارا اور فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور جو مادہ پرستی کی قوت کو غالب کرنے کا موجب بن رہا ہے۔

ہمارے سیاسی نظام کا نیم سرمایہ دارانہ اور نیم جاگیردارانہ بنیادوں پر استوار ہونا اور اس کی پیدا کردہ خرابیوں نے بھی افرادِ معاشرہ کے داخلی بحرانوں میں اضافہ کیا ہے۔ ہمارا یہ سیاسی نظام خدمت، دیانتداری، صلاحیت، اصولوں اور خیر و صداقت سے سراسر عاری اور سیاست سے وابستہ خاندانوں کے مفادات پر مشتمل ہے۔ اس سیاسی نظام نے سفارش، رشوت، لوٹ مار، کروٹ پتی سے ارب پتی بننے کی جنوں، اور اسلامی سیاست کے اصولوں سے دوری جیسی چیزوں کو فروغ دے کر لوگوں کے جائز سے جائز کاموں کے بھی راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ سیاسی نظام کی پیدا کردہ اس تباہ کاری سے مایوسی، ڈپریشن اور داخلی بحران نے جنم لیا ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس نظام کی درستگی کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔ بلکہ جو افراد اور جو جماعتیں بھی اس سیاست کا حصہ بن رہی ہیں وہ سیاسی نظام کی خرابیوں سے آلودہ تر ہوتی جا رہی ہیں اور خیر کے وہ اجزاء جو شروع میں ان کے اندر کسی حد تک موجود تھے سیاست کی آلودگیوں نے ان کے خیر کے ان اجزاء کو بھی کم سے کم تر کرنا شروع کر دیا ہے۔

نیم سرمایہ دارانہ و نیم جاگیردارانہ سیاست کی بنیادوں میں ہی ایسی خرابیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ سیاست، قومی زندگی میں بگاڑ اور مفاسد کا ذریعہ بن رہی ہے۔ شر کی بنیادوں سے خیر کا ظہور، مشکل تر ہے۔ فساد سے بھرپور سیاسی نظام کی تبدیلی کے بغیر نہ تو افراد کے مسائل کے حل کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کا بڑھتا ہوا داخلی بحران کم ہو سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے سیاسی نظام کی تبدیلی جیسا بڑا کام افراد معاشرہ کی صحتمند بنیادوں پر تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔

میڈیا کے سارے طاقتور ذرائع [جو ہر وقت مادیت پرستی کی فضا پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہیں] ان ذرائع کو کھلی چھوٹ دینا اور ان پر کسی طرح کی قدغن کا نہ ہونا، اس کے نتیجہ میں ہر گھر میں مادیت پرستی کی جنوں کی فضا پیدا ہو رہی ہے اور مادی حسن پر فداؤں پر اداؤں کا عمل فروغ پذیر ہو رہا ہے۔

معاشی لوٹ مار کا نظام جس کے تحت روزگار کے جائز ذرائع مسدود سے مسدود تر ہوتے جا رہے ہیں۔ جب کہ خاص مراعات یافتہ طبقات کی طرف دولت مرتکز ہو رہی ہے۔ اس ظالمانہ نظام نے روحانیت سے توجہ ہٹا کر پیٹ کی طرف لوگوں کی توجہ مرکوز کرنے اور زندگی کے مادی مسئلہ کو فیصلہ کن اہمیت دینے پر مجبور کیا ہے۔ جب تک ظالمانہ اور لوٹ مار کا یہ نظام موجود رہے گا شخصیت کے داخلی بحران میں تیزی سے اضافہ ہوتا رہے گا۔

جب یورپ جیسا مادہ پرست معاشرہ اپنے ہاں فلاحی ریاستی نظام تشکیل دے سکتا ہے جس کے تحت معاشری طور پر پسماندہ افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ دار ریاست ہوتی ہے اور حکومت کی طرف سے اس کا بہترین انتظام ہوتا ہے تو مسلم معاشرہ جس میں حکومت اور خوشحال افراد کی اس ضمن میں دینی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ اس معاشرہ میں ایسا نہ ہونے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

[۴]

داخلی بحران دراصل خارجی بحرانوں ہی کا شاخسانہ ہوتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ داخلی بحرانوں کے ہوتے ہوئے خارجی بحرانوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے۔ فرد و افراد میں جو کچھ اندر ہوتا ہے وہی کچھ باہر سامنے آتا ہے۔ اندر میں اگر دنیا کی محبت ہوگی، مفادات اور خواہشات کا غلبہ ہوگا، انسانیت آزاری کے احساسات ہوں گے تو اس سے خارجی زندگی میں اسی طرح کا منفی کردار ہی سامنے آئے گا۔

اس لئے ضرورت ہے کہ فرد و افراد کی داخلی زندگی کو بدلنے کی جدوجہد اور اس کام کو سارے کاموں پر ترجیح دی جائے تاکہ بہتر اور پاکیزہ انسان [جو داخلی بحرانوں سے محفوظ ہوں] وجود میں آسکے اور اس سے پاکیزہ معاشرہ متشکل ہو سکے۔

اس کی صورت ایک ہی ہے کہ اپنے نظامِ تعلیم و تربیت سے کام لے کر افراد کی فطرتِ سلیمہ میں موجود محبوبِ حقیقی سے محبت کے جذبات و احساسات کو غالب سے غالب تر کیا جائے اور نفسی قوتوں کی تہذیب کا کام سرانجام دیا جائے۔ اس سلسلہ میں اللہ کی جو سنت رہی ہے وہ یہ ہے کہ کتاب کی اصولی اور بنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ مثالی و پاکیزہ شخصیتوں کی صحبت کا ماحول فراہم ہو، پاکیزہ صحبت کے ذریعہ فرد کی شخصیت میں جو پاکیزہ جذبات و احساسات پیدا ہوتے اور فروغ پذیر پاتے ہیں وہ کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں۔

ہمیں اپنے نظامِ تعلیم و تربیت میں صالح اور پاکیزہ شخصیتوں کی فراہمی کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دینا ہوگی، جو اپنی حرارت اور جذبات محبت سے افراد میں نئی روح پھونک سکیں اور انہیں مادہ پرستی اور نفسی قوتوں سے اوپر اٹھا کر محبوبِ حقیقی کے لئے انسانی جوہروں سے بہرہ ور زندگی گزارنے کی صلاحیتوں کا حامل بنا سکیں۔

[۵]

اوپر جس داخلی بحران کا ذکر کیا گیا یہ ایسا بحران ہے جس میں عالم ہو یا دانشور، دینی

جماعتوں سے وابستہ فرد ہو یا عام فرد، کوئی فرد بھی مذکورہ داخلی نوعیت کے بحرانوں سے بچ نہیں سکتا۔ سوائے ان خوش نصیب افراد کے جو تزکیہ واحسان کے ذریعہ نفسی قوتوں کو مہذب بنانے کا خصوصی اہتمام کرتے ہوں اور اس کام کو سارے کاموں پر ترجیح دیتے ہوں۔

موجودہ دور میں عالمگیر سطح سے مادہ پرستی کی ایسی آگ بھڑک اٹھی ہے کہ اس آگ سے محض علم وعقل اور وعظ ونصیحت کی باتوں اور رسمی عبادت سے بچنا ممکن نہیں۔ مادیت پرستی کی اس آگ نے نفس پرستی کی قوتوں کو ہر وقت مشتعل کر دیا ہے۔ بالخصوص ذہنی دباؤ اور اشتعال کے جذبات سے بچنے کی کوئی صورت ہی موجود نہیں۔

عالمگیر سطح سے اٹھنے والی یہ آگ دینی جماعتوں، دینی اداروں اور دینی درسگاہوں تک پہنچ چکی ہے۔ علم، عقل، کتاب کی تعلیم اور رسمی دینداری سے بھڑکتی ہوئی اس آگ اور نفسی قوتوں کے استعمال میں کمی کی صورت کا پیدا ہونا دشوار تر ہے۔ ان حالات میں دینی جماعتوں، دینی اداروں اور دینی درسگاہوں کے ذمہ داروں کا اپنے ساتھ وابستہ افراد پر سب سے بڑا احسان یہ ہوگا کہ وہ ان کے تزکیہ کا خصوصی اہتمام فرمائیں تاکہ نفس کو مہذب بنا کر وہ اپنی ذات اور معاشرہ کے لئے باعث خیر ثابت ہو سکیں۔

اس کی صورت وہی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ صاحبانِ تزکیہ وصاحبانِ دل اور علمائے ربانی سے کسبِ فیض کا شعور وادراک پیدا ہو اور ساتھ ساتھ اس کی طلب وامنگ بھی۔ اور علمائے ربانی کی دلوں میں محبوب حقیقی سے محبت کی جو آگ جل رہی ہے ان کی صحبت سے آتشِ عشق کے ان شعلوں سے دلوں کو حرارت پہنچائی جائے۔

یہ مختصر مضمون اس تفصیل کا مزید متحمل نہیں، اس موضوع پر ہم نے اپنی متعدد کتابوں میں جامع بحث کی ہے۔

[جدید انسان کا داخلی بحران۔ ص ۹ تا ۱۸]

اسلامی حدود وتعزیرات کے نفاذ کے ذریعے قیامِ امن

نبی امن وآشتی نے جزیرہ عرب میں اسلامی حدود وتعزیرات کے بے لاگ نفاذ کے

ذریعے بھی امن وامان قائم کیا اور بدامنی کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

اسلامی شرعی سزاؤں کا یہ خاصہ ہے کہ اگر معاشرے میں ان کا صحیح نفاذ کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں یقینی امن وامان قائم ہو جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں اس کی مثال سعودی عرب کا ملک ہے۔

اس کے برعکس انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے ذریعے معاشرے میں امن وامان کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، بلکہ بعض اوقات ان کا الٹا یہ اثر ہوتا ہے کہ ع

بڑھتا ہے یہاں ذوقِ جرم ہر سزا کے بعد

یہی وجہ ہے کہ مغرب بالخصوص امریکہ اب تک اپنے ہاں جرائم پر قابو نہیں پا سکا۔

اسلامی حدود و تعزیرات کا فلسفہ

اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس لیے اس کے حدود و تعزیرات بھی اپنی ایک فطری بنیاد رکھتے ہیں۔ انسانی فطرت طبعاً جرم کو ناپسند کرتی اور اس کے ارتکاب پر مجرم کے لیے کوئی نہ کوئی سزا تجویز کرتی ہے۔ ''جرم پر سزا'' ایک فطری اصول ہے جس سے انکار کرنا بدیہیات کا انکار کرنا ہے۔ کوئی بیوقوف غلط آدمی ہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ کسی جرم پر کوئی سزا نہیں ہونی چاہیے اور یہ کہ مجرم تو ایک قسم کا ذہنی مریض ہوتا ہے اور ذہنی مریض کسی سزا کا نہیں بلکہ ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے۔

کسی معاشرے میں اگر جرم پر سزا کا دستور ختم ہو جائے تو وہ معاشرہ درندوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے، جہاں سے انسانیت بالکلیہ مٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے

تمام مہذب معاشروں میں مختلف جرائم پر متعدد سزائیں دینے کے لیے قوانین موجود ہیں۔ جن کے عملی نفاذ کے لیے وہاں کی حکومتیں اپنے ماتحت مقننہ، عدلیہ اور پولیس کے محکمے قائم کرتی ہیں تاکہ مجرمین اپنے کیفر کردار کو پہنچیں، جس کے نتیجے میں معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بنے اور انسانی جان و مال اور آبرو کا پورا پورا تحفظ ہو سکے۔

اسلام نے معاشرے میں نفاذِ حدود کے وہ ہدف متعین کیے ہیں ایک جزا اور دوسرا نکال و عبرت۔ قرآن کریم نے چوری کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

﴿جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ (المائدۃ::۳۸)

''یعنی چوری کی یہ سزا اللہ کی طرف سے ایک تو جرم کی پاداش ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ عبرت کا سامان بھی ہے''۔

جزا کا مطلب یہ ہے کہ ہر جرم پر اس کی نوعیت کے اعتبار سے نسبتاً سخت سزا رکھی گئی ہے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں سزا کا خوف پیدا ہو اور وہ جرم کے ارتکاب کی ہمت نہ کریں۔ نکال وعبرت کا یہ مفہوم ہے کہ سزا کا نفاذ سرِعام کیا جائے تاکہ مجرم کو جب سزا ملے تو یہ سزا معاشرے کے دوسرے افراد کے لیے بھی تازیانہ عبرت کا کام دے۔ جس کے بعد وہ بھی قانون شکنی سے باز رہیں۔

فلسفہ سزا اور شرعی حدود کی حکمت کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ البالغۃ'' میں لکھتے ہیں:

''شریعت نے بعض جرائم پر حدود مقرر کی ہیں اور یہ وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں فتنہ وفساد پھیلتا ہے اور مسلم معاشرہ کا امن وسکون غارت ہوتا ہے۔ دوسرے ان جرائم کے بار بار ارتکاب کے نتیجے میں نفس انسانی عادت بد کا شکار ہو جاتا ہے اور اس جرم کا چسکا پڑ جاتا ہے، پھر اسے جرم سے باز رکھنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر اوقات بے

چارے مظلوم کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ان مجرموں کے مقابلے میں اپنا تحفظ کر سکے۔ اگر ان جرائم کی روک تھام نہ کی جائے تو پھر یہ جرائم وبا کی طرح پھیل کر پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اس طرح کے جرائم کے خاتمے کے لیے محض آخرت کے خوف اور وعظ وتلقین سے کام نہیں چلتا بلکہ اس کے لیے سخت سزاؤں کا نفاذ ضروری ہوتا ہے تاکہ مجرم کا انجام سب کے سامنے ہو، جسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی جرم کے ارتکاب سے باز رہیں۔ مثال کے طور پر جرمِ زنا کو لیجیے۔ جنسی خواہش، عورتوں کا حسن وجمال اور لذت طلبی اس کے محرکات ہیں۔ اس فعلِ بد کے باعث مجرم کے اہل خاندان بھی رُسوا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور کشت وخون کی نوبت آجاتی ہے۔ بالعموم یہ فعل فریقین کی باہمی رضامندی سے خلوت گاہوں میں پوشیدہ طور پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اگر اس کے لیے عبرت ناک سزا نہ رکھی جائے تو اس جرم کو پھیلنے سے روکا نہیں جا سکتا۔''

الغرض جرائم کو روکنے کے لیے اسلام بہت سے اقدامات کرتا ہے۔ وہ اپنے عقائد، تعلیم وتربیت اور معاشرتی دباؤ کے ذریعے جرائم کو وقوع پذیر ہونے سے روکتا ہے۔ اور اگر پھر

بھی کوئی شخص ارتکاب جرم سے باز نہیں آتا تو اسلامی قانون اسے سخت اور عبرت ناک سزا دیتا ہے تاکہ خوفِ سزا سے دوسرے لوگ مجرم نہ بننے پائیں اور اس طرح اسلامی حدود تعزیرات کا نفاذ معاشرے سے جرائم کا قریباً خاتمہ کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی مختلف جرائم پر شرعی سزائیں نافذ کیں، جیسے چوری پر ہاتھ کا ٹنا، قاتل کو قصاص میں قتل کرنا، ڈاکوؤں کو عبرت ناک قرآنی سزائیں دینا (قتل، پھانسی، ہاتھ پاؤں اُلٹی سمت سے کاٹنا اور جلاوطنی)، قذف پر اسی (۸۰) کوڑوں کی حد جاری کرنا اور زانیوں پر کوڑوں اور سنگ ساری کی حدود نافذ کرنا وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حدود تعزیرات کے نفاذ سے بھی معاشرے کو امن وامان قائم کرنے میں بڑی مدد ملی۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم، تزکیۂ نفس، اخلاق اور تقویٰ کا یہ اثر تھا کہ لوگ تنہائی میں بھی جرم وگناہ سے باز رہتے اور بعض اوقات مجرم خود اپنی آزاد مرضی سے اقبالِ جرم کر کے سزا پاتا تھا۔ ملک عرب میں نبی امن وآشتی ﷺ نے جو امن وامان قائم کیا، اس کی گواہی مشہور صحابی عدی بن حاتم نے اس طرح دی ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عورت چہرہ سے تنہا سفر کر کے خانہ کعبہ پہنچی اور اسے سفر میں اللہ کے خوف کے سوا کوئی اور خوف نہ تھا۔

(نبی امن وآشتی ا۔ص ۱۳۰ تا ۱۳۴)

نبی امن و آشتی ﷺ کا جنگ سے متعلق ضابطہ اخلاق

دشمن سے جنگ کی صورت میں نبی امن و آشتی کے عملی ضابطہ اخلاق کے اہم نکات درج ذیل تھے۔

(1) عام طور پر جنگ میں پہل کرنے سے گریز کیا جائے۔

(2) جنگ میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور عبادت گزاروں کو قتل نہ کیا جائے۔

سن ابی داؤد میں ہے کہ:

"لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امراۃ"

(سن ابی داؤد، کتاب الجھاد، حدیث:2614)

(3) جو شخص ہتھیار ڈال دے یا میدان جنگ سے بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(4) دشمن کے جانوروں اور مویشیوں پر ظلم نہ کیا جائے۔

(5) جنگ کے دوران میں سایہ دار اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹا جائے۔ دشمن کی فصلوں کو تباہ نہ کیا جائے۔

(6) کسی کو آگ میں نہ جلایا جائے کیونکہ آگ کا عذاب دینا صرف خالق کائنات کا حق ہے۔

(7) عبادت گاہوں (شفاخانوں اور تعلیمی اداروں) کو مسمار نہ کیا جائے۔

(8) کسی ریاست کے سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ چنانچہ جب مسیلمہ کذاب کا سفیر حضور ﷺ کے پاس آیا اور اس نے نہایت گستاخانہ باتیں کیں تو آپ ﷺ نے

فرمایا: قاصد کا قتل کرنا روا نہیں ورنہ تو قتل کر دیا جاتا۔

(9) زخمیوں اور قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

(10) جنگ میں مارے جانے والوں کی لاشوں کا مثلہ نہ کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے کان، ناک، آنکھیں یا دوسرے اعضاء نہ کاٹے جائیں۔ گویا لاش کا حلیہ نہ بگاڑا جائے۔

"فان قاتلوکم فلا تعذروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولذا"

(کتاب الخراج از امام ابو یوسف، ص:130)

"پھر اگر وہ (دشمن) تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو، کسی کا مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو"۔

(11) دشمن کو تباہ کرنے کے لیے جنگ نہ کی جائے بلکہ اسے اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

اس بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت ﷺ کی سیاست قریش کو تباہ و برباد کرنے پر نہیں، بلکہ بالکل محفوظ رکھ کر بے بس اور مغلوب کر دینے پر مشتمل تھی"۔

(عہد نبوی میں نظام حکمرانی از ڈاکٹر حمید اللہ، صفحہ:240)

(12) قیدیوں سے حسن سلوک کیا جائے۔

اہل عرب بھی دوسری قوموں کی طرح جنگی قیدیوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں یورپ کے عیسائیوں نے جن مسلمان مرد اور خواتین کو پکڑ کر قیدی بنالیا وہ ان سے جانوروں کی طرح کام لیتے تھے۔

دور جدید میں نام نہاد مہذب امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عراق کی ابو غریب جیل، افغانستان کی شبرغان جیل اور گوانتاناموبے میں مسلمان قیدیوں سے جو سلوک کیا وہ سفاکی اور درندگی کی بدترین مثال ہے۔

لیکن نبی امن و آشتی ﷺ نے جنگی قیدیوں کے بارے میں تاکید فرمائی کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ چنانچہ جنگ بدر کے کفار قیدیوں کے متعلق آپ ﷺ نے

صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ دی جائے۔ حضور ﷺ کی اس تاکید کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام خود کھجوریں کھا کر گزارا کرتے مگر قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے غزوۂ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو نہ صرف رہا کیا بلکہ ان کو چھ ہزار کپڑوں کے جوڑے بھی عطا کیے۔ قیدیوں میں سے حاتم طائی کی بیٹی کو آپ ﷺ نے احترام کے ساتھ رکھا۔ اس کے لیے چادر مبارک بچھائی اور فرمادیا کہ جب تمہارے شہر کا کوئی شخص آئے تو میں اس کے ساتھ تمہیں واپس بھیج دوں گا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اس کے لیے زادِ راہ تیار کر کے اسے ایک شخص کے ہمراہ یمن واپس بھیج دیا۔

(نبی امن و آشتی ا۔ ص ۱۴۲ تا ۱۴۴)

حدود شریعہ کے نفاذ میں حکمت اور ان کے نفاذ کے فوائد

بہت سے قدیم اور جدید علماء کرام نے حدود شرعیہ کے نفاذ کی حکمت سے نقاب کشائی کی کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جو کہ نہایت برتر اور بزرگی والا ہے وہ اپنی مخلوق کو کسی حکمت الٰہیہ کے بغیر تکلیف نہیں دیتا اور اس حکمت کو وہی خوب جانتا ہے۔ اور چند علماء نے حدود کے نفاذ سے حکمت الٰہیہ آشکارا کرنے کی جدوجہد کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حدود کو جھڑکیوں اور دھمکیوں کی حیثیت سے مشروع فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہوا کہ ان کا قیام یا نفاذ لوگوں کو، جرائم کے ارتکاب سے ڈرنے اور جھجکنے والے بنا دیتا ہے اور وہ اس خوف سے جرائم کے ارتکاب سے بچتے ہیں کہ مبادا ان پر سزا نافذ ہو جائے، اور جن علماء نے حدود کے نفاذ کو جھڑکیوں اور دھمکیوں کے برابر قرار دیا ہے انہوں نے بعض ایسی آیات کریمہ سے استدلال کیا ہے جو ان کے مشروع ہونے کی حکمت سے مربوط ہوئی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿...وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ...﴾ (بقرۃ:۱۷۹)

''اور تمہارے لیے قصاص لینے میں زندگی ہے''۔

﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

''یہ تو ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں زبردست عذاب ہے''۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حدود شرعیہ (Atonement) ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی شخص حدود کے جرائم کا ارتکاب کرے پھر اس پر حد نافذ ہو جائے تو یہ حد اس کے

ارتکاب گناہ کا کفارہ سمجھی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ وہ اپنے بندے پر سزائیں جمع کرے کہ ایک تو دنیا میں ہو ایک آخرت میں۔

ان علماء نے چند احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان میں چند ایک یہ ہیں:

(۱) امام مسلم نے حضرت عمران بن حصین سے جہنیہ قبیلے کی عورت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

[انها تابت توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة لو سعتهم] (مسلم)

''کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ مدینہ کے ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو ان کی بخشش کے لیے کافی ہو''۔

(۲) امام بخاری نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول کریم ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے گرد آپ کے صحابہ کی جماعت بیٹھی تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے بہتان گھڑ لیا کرو گے اور نہ نیکی کے کاموں میں سرتابی کرو گے تو جو کوئی تم میں سے بیعت کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو گیا اور اس کی پاداش میں اسے دنیا میں سزا دی گئی تو یہ اس گناہ کا کفار بن جائے گی اور جو کوئی ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو گیا پھر اس پر اللہ نے پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو سزا دے دے۔ چنانچہ ہم نے اس پر آپ سے بیعت کر لی''۔

اصل بات تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جاننے والا ہے، لیکن (مذکورہ بالا حوالہ جات سے) جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حدود شرعیہ بیک وقت جھڑکیاں بھی ہیں اور تلافیاں

(کفارہ) بھی ہیں، کیونکہ بعض بشری نفوس سزا کے بغیر گناہوں سے باز نہیں آتیں اور بعض میں اتنا اثر سزا نہیں کرتی جتنا اچھا وعدہ کرتا ہے، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدود شرعیہ مندرجہ ذیل دو قواعد کے لیے مشروع قرار دی گئی ہیں۔

(الف) یہ لوگوں کو گناہوں کے ارتکاب سے ڈراتی اور دھمکاتی ہیں اور انسانی نفوس فطرتاً ٹیس اور تکلیف کے ڈر سے جرائم سے دُور رہتی ہیں اور جب انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ جرم کا ارتکاب، انہیں ٹکٹکی سے جکڑ دے گا تو وہ جرم کے ارتکاب سے رک جاتی ہیں۔

(ب) اگر جرائم کے مرتکبین پر حدود جاری کر کے انہیں سزا دے دی جائے تو ان کے دین میں پڑنے والے شگاف کو بھی پُر کر دیتی ہیں۔

لیکن یہ مقصد اور یہ کفارہ اسی صورت میں متحقق ہوگا جب سزا یافتہ شخص اپنے گناہ پر ندامت کرے اور سچی توبہ کرے جیسا کہ جہنیہ عورت کی حالت سے آشکارا ہوتا ہے کہ وہ توبہ کی غرض سے از خود ہی حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئی اور آپ سے درخواست کرنے لگی کہ آپ اس پر حد قائم کریں تا کہ وہ معصیت اور غلطی کی میل سے پاک ہو جائے۔

گذشتہ بحث سے ہمارے سامنے حدود کے نفاذ کی حکمت واضح ہوتی ہے اور اس کے دنیا و آخرت میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے چند فائدے یہ ہیں:

(۱) ان کا نفاذ امت اور اس کے افراد اور اس کے معاشرتی ادارے کو امن و سکون فراہم کرتا ہے اور ان کے خون کی حفاظت کرتا ہے اور اسے بہنے سے روکتا ہے اور زندگی کو اکارت نہیں ہونے دیتا اور یہ عزتوں کو پامال ہونے اور نسب کو خلط ملط ہونے اور مالوں کو ضائع ہونے یا باطل طریقے سے کھائے جانے سے روکتا ہے اور عقلوں کو مختل یا قتل ہونے سے اور دین کو ٹھٹھا مذاق بنانے سے روکتا ہے۔

(۲) ان کے نفاذ کی وجہ سے جرائم کو کم ہونے یا ان کے ترک ہونے اور ان سے اجتناب برتنے کی وجہ سے امن و امان کا دور دورہ ہوتا ہے اور انسانی نفوس سکھ کا سانس لیتی ہیں اور ایسے ثمر آور، پیداوار ہی عمل کی طرف متوجہ ہوتی ہیں جو امت کی جڑ اگاہوں

میں خوش حالی پھیلا دیتا ہے۔ چنانچہ ان کے رزق وسیع ہو جاتے ہیں اور برکت بڑھ جاتی ہے اور لوگوں کے لیے اللہ کے وسیع فضل سے رزق تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ تو دنیاوی فائدے ہیں جن کا آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ملکوں میں حدود شرعیہ کا نفاذ ہے، ان میں امن عام ہو گیا اور خوش حالی بڑھ گئی اور نعمتوں کی سرتاپا فراوانی ہونے لگی۔ اور جن ملکوں میں حدود اللہ قائم نہیں کی جاتیں، ان میں سراسیمگی اور خوف اور بدامنی کو فروغ ملتا ہے اور بھلائی کم ہو جاتی ہے اور برکت اٹھ جاتی ہے اور ان کے باشندوں کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور پریشانیاں اور بے چینیاں بڑھ جاتی ہیں۔

اس بات کا مصداق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ (سورۃ الجن:۱۶)

''اور اگر یہ لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم ان کو بے انتہا اور فراواں پانی پلاتے''۔

اور حضرت رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

[حد يعمل به في الارض خير لاهل الارض من أن يمطررا اربعين صباحا](.....)

''جس زمین میں حد پر عمل درآمد کیا جائے تو حد اہل زمین کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔''

باقی رہے وہ فوائد جو آخرت میں لوگوں پر لوٹیں گے وہ اللہ کی خوشنودی اور اس کے ثواب کی صورت میں ہوں گے کیونکہ حدود کے نفاذ میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت ہے اور اللہ کی خوشنودی اور اس کے اجر و ثواب کے حصول کے لیے جو بہتر عمل اس کی بارگاہ میں پیش کیا جا سکتا ہے وہ اس کی عبادت اور اطاعت ہے۔

مبحث ششم: حدود شرعیہ سے بے اعتنائی اور انہیں ملتوی کرنے کے نقصانات

جب حدود اللہ ضائع کر دی جائیں یا انہیں ساقط کر دیا جائے یا ان کے نفاذ میں دولت مند اور نادار کے درمیان فرق کیا جائے یا ان کے متعلق سفارش کرنے والوں کی سفارش

قبول کی جائے تو اس پر بڑی مضرتیں اور خطرناک خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ان میں سے اہم خرابیاں یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ کاموں پر لوگوں کی جرأت اور اس کے بندوں کے حقوق کی پامالی، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے حرام کردہ کاموں کے ارتکاب یا اس کی مخلوق کے روحانی یا مادی حقوق پر زیاوتی کی وجہ سے غضبناک ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور اس کے حرام کردہ کاموں کے ارتکاب کی جرأت کرے اور اس کے بندوں کے حقوق پامال کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن بن جاتا ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا دشمن بن جائے وہ ذلت اور خواری کی قید میں چلا جاتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ﴾(سورۃ المجادلۃ:۲۵)

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہ خوار لوگوں میں ہیں''۔

جو شخص اللہ کی حدود کو معطل کرے اور بشری قوانین کے مطابق حکم دے وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا فاسق ہے اور اللہ کی شریعت کا منکر ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور شیطانی گروہ کا طرفدار ہے اور جو کوئی شیطانی گروہ کا طرفدار بن جائے وہ ذلت اور دھتکار کے گڑھے میں لڑھک جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾(سورۃ الاعراف:۳۰)

''اور ایک فریق پر ضلالت وگمراہی برحق ہو چکی ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا کارساز بنالیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

(۴) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس نے معصیت اور مصیبت کو سببیت اور مسببیت کی رسّی سے ایسے باندھ دیا ہے جیسے اس نے اطاعت اور نعمت کو باندھ دیا اس میں کوئی شک نہیں کہ حدود اللہ کا التواء ایسے عظیم گناہوں میں سے ہے جو دنیا وآخرت

کے دکھوں میں دھکیل دیتا ہے۔

(۵) جب اُمت حدود اللہ کے نفاذ سے رُک جائے اور اس کے حرام کردہ کاموں کا دلیری سے ارتکاب کرنا شروع کر دے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو پس پشت ڈال دے تو اس پر یوں لعنت پڑ جاتی ہے جیسے بنی اسرائیل پر لعنت پڑ گئی تھی۔

(۶) جس معاشرے میں حدود شرعیہ پر عمل درآمد نہیں ہوتا اس پر غربت اور درماندگی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ معاشرہ دو طرح کے لوگوں سے تشکیل پاتا ہے۔ تیسری طرح کے لوگ اس میں موجود نہیں ہوتے یا تو مجرم لوگ جو اپنے رب کے احکام کے باغی اور امت و معاشرے کے مفادات کے خائن ہوتے ہیں یا ناتواں منافق اور ڈرپوک جو خیر کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے نہیں روکتے اور ان دونوں عناصر سے تشکیل شدہ معاشرے سے فلاح کی امید نہیں رکھی جا سکتی اور نہ ہی اس کے لیے احترام اور خراج تحسین کی توقع کی جا سکتی ہے۔

(۷) اللہ کی حدود کو معطل کرنے کا حتمی نتیجہ، کچل دینے والے دکھوں اور مٹا دینے والے ہولناک حادثات اور خوفناک کشمکش، بلکہ جماعتوں اور گروہوں کے درمیان مہلک ٹکراؤ کی صورت میں نکلتا ہے۔ لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدود اللہ کے التواء کے خطرناک اثرات معیشت کی تنگی اور زندگی میں بے برکتی اور معاشرے کے بھیانک انجام کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

(اسلام میں انسانی حقوق ۲۰۰ تا ۲۰۷)

جس معاشرے میں حدود شرعیہ کا نفاذ کیا جاتا ہے، اور جس میں نہیں کیا جاتا کے درمیان موازنہ

جس معاشرے میں حدود شرعیہ کا نفاذ کیا جاتا ہے اور جس معاشرے میں نفاذ نہیں کیا جاتا، ان کے درمیان موازنہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان حدود شرعیہ کا موازنہ، جنہیں اللہ نے معینہ جرائم کے لیے وضع فرمایا ہے، ان سزاؤں سے کیا جائے جنہیں انسان نے ان کے متبادل وضع کیا ہے۔ اگر چہ ہم اس بات کو معتبر سمجھ کر تھامنے والے ہیں کہ حدود شرعیہ کا شارع اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور اس کی مشروع کردہ حدود کا موازنہ کسی صورت میں بھی ان سزاؤں سے نہیں کیا جاسکتا جو انسان نے مشروع کی ہیں، لیکن ہم یہاں اس غرض سے یہ موازنہ پیش کررہے ہیں کہ جرائم کا قلع قمع کرنے کے سلسلے میں انسان کے وضع کردہ قوانین پر اسلامی شریعت اور اس کی حدود کی فوقیت آشکارا ہو جائے۔ لیکن طوالت کے خوف کے پیش نظر ہم اس موازنہ میں بعض سوالات اٹھانے پر اکتفاء کریں گے جو اپنے جوابات پر دلالت کرتے ہیں، ہم ابتداً اس موازنے میں اس حقیقت کا اقرار کرنے والے ہیں کہ (دونوں کے درمیان غیر معمولی ہی نہیں، بلکہ مشرق و مغرب کا) فرق ہے، کیونکہ حدود شرعیہ کا نفاذ یا کم از کم حد کا نفاذ جرم کو ختم کرنے کا ضامن ہے اور اس کے برعکس انسان کی وضع کردہ سزائیں مطلوبہ مقصد حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں بلکہ بسا اوقات ان کی بدولت معاملہ مزید خراب ہو گیا اور لوگوں نے جرائم کے وہ طریقے اور گر جان لیے جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہاں آدمی سوال کرتا ہے:

☆ کیا چور یا باغی یا ڈاکو، کو انسانی قوانین کی طے کردہ روایتی قید کی سزا دینا،

اسے چوری کرنے یا اس کے دوبارہ ارتکاب کرنے سے روک سکا ہے یا وہ جیل میں اپنے ساتھیوں سے دست درازی اور چوری کرنے کے دیگر ذرائع اور طریقے سیکھ لیتا ہے جو وہ جیل سے باہر آسانی سے نہیں سیکھ سکتا تھا؟

☆ کیا مجرموں کو چند درہم یا پونڈ یا ڈالر جرمانہ کر دینا، دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے والا بنا دیتا ہے، کہ وہ اب نہ تو عزتوں کی پامالی کرتے ہیں اور نہ دین کو گالی دیتے ہیں اور نہ وہ پاکدامن پر بہتان لگاتے ہیں اور نہ وہ مرغوب مال چوری کرتے ہیں؟

☆ کیا نشے باز یا منشیات فروش کو قید کی سزا نے اخلاقی اعتبار سے درست کر دیا ہے اور اس کی حالت سنوار دی ہے اور اسے اس کی حد پر کھڑا کر دیا ہے؟ تجربات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قیدی جیل سے طرح طرح کے جرائم سے آگاہی اور ان میں مہارت حاصل کر کے باہر نکلتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن سزاؤں اور حدود کو اللہ نے فرض کیا ہے انہیں کوئی رکاوٹ پلٹا نہیں سکتی اور جن ملکوں میں حدود نافذ ہیں اور جن میں نافذ نہیں ہیں ان کے حالات اس حقیقت کی بہتر دلیل اور روشن برہان ہیں اور اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کی غرض سے ہم ان ممالک کے معاشروں کے درمیان موازنہ کرتے ہیں جہاں حدیں نافذ ہیں، اور جہاں نافذ نہیں ہیں۔

(۱) جس ملک میں حدود شرعیہ نافذ ہوتی ہیں اس میں انسان نفسیاتی سکون، قلبی طمانیت، فراواں امن محسوس کرتا ہے، وہ اپنی تجارت گاہ یا اس کے دروازے کو کھلا چھوڑ دیتا ہے یا اپنے سامان یا مال کو ننگا چھوڑ دیتا ہے اور اپنے بعض امور کو نپٹانے یا نماز ادا کرنے یا کسی اور کام کو

سرانجام دینے کے لیے چلا جاتا ہے۔ چنانچہ نہ تو کوئی خائن ہاتھ اس کے مال کی طرف بڑھتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹیڑھی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور بسا اوقات اس کا مال اس کے ہاتھ

سے گر پڑتا ہے یا وہ کسی گاڑی یا کسی اور جگہ بھول آتا ہے تو ریڈیو اسے اطلاع دیتا ہے یا اخبارات وغیرہ اسے نشر کر کے اس کے غم کو دور کر دیتے ہیں یا اسکی گم شدہ چیز کو واپس کر دیتے ہیں (اور اس ملک میں) انسان وسیع و عریض صحراء میں سفر کرتا ہے اور بسا اوقات دوسرے ملکوں میں اس کے وافر مال کو رکھنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی وہ اپنے ساتھ حسب ضرورت اپنا مال اٹھائے رکھتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس جس حکومت میں حدود اللہ نافذ نہیں ہوتیں اس میں انسان نہ تو نفسیاتی طمانیت محسوس کرتا ہے اور نہ ہی قلبی سکون، وہ اپنے دروازے کو کھلا اور مال کو ننگا نہیں چھوڑ سکتا، اور جس معاشرے میں حدود اللہ نافذ نہیں کی جاتیں اس میں یہ بھی بعید نہیں کہ مجرم کو دن دیہاڑے اپنے شکار پر دست درازی کرتے دیکھا جائے اور اکثر راستوں میں گزرنے والوں کا رش بھی ہو اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔ یہ ایسی صورت حال ہے جو انسان کو اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال، اپنی آبرو اور اپنی عقل کے بارے میں بے چین کیے رہتی ہے۔

(۲) جس معاشرے میں حدود اللہ نافذ کی جاتی ہیں وہ معاشرہ قول میں عفت اور معاملے میں امانت اور بے حیائی کے انکار اور اس سے دوری سے متصف ہے اور اس چیز سے فائدہ اٹھانے کی رغبت رکھتا ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور اس چیز سے بچنے کے لیے کوشاں ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے (مزید برآں) جس معاشرے میں حدود شرعیہ نافذ ہیں وہ گھنے سایہ دار نخلستان کی حیثیت رکھتا ہے اس میں پرسکون زندگی اور رزق کی فراوانی ہوتی ہے اور الفت و اخوت کا دور دورہ ہوتا ہے اس میں ہر انسان اپنے کام کی طرف جاتا ہے اور کسب حلال کے ذریعے کما کر لوٹتا ہے اور اس کے ملک اور معاشرے پر امن و امان اور سکون و اطمینان کی فضا ہوتی ہے۔ اسی دوران ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاشرہ جس میں حدود کا نفاذ نہیں ہوتا وہ مکمل طور پر اپنی اقدار اور روایات اور امن و اخلاق میں کے الٹ ہوتا ہے۔

چنانچہ ہم جرائم کے قلع قمع کے سلسلے میں حدود کے نفاذ کی کارکردگی کی سطح پر مزید روشنی ڈالنے کی غرض سے اس فصل کے اخیر میں تجربہ اور اعداد و شمار پیش کریں گے جو حدود اور شرعیہ کے نفاذ کے فوائد کی سطح کو روشن کر دے گا۔ جہاں تک تجربے کی بات ہے تو اس سلسلے میں،

میں عبدالقادر عودہ شہید کی کتاب (التشریع الجنائی الاسلامی) کی عبارت نقل کروں گا۔ وہ فرماتے ہیں:

اور جب کہ اسلامی شریعت نے جرم اور بدعنوانیوں کے قلع قمع کے لیے سزائیں تجویز کی ہیں تو اس معاملے میں اسلامی شریعت کی صلاحیت اور سیکولر قوانین پر اس کی فوقیت کو ثابت کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں بلکہ اس کے بعد یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہ سزائیں جرائم کو ختم کرنے کے لیے کافی ہیں، کیونکہ اس معاملے میں وسائل یا اغراض و مقاصد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اعتبار تو اس بات کا کیا جائے گا کہ جن اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے وسائل و ذرائع (حدود شرعیہ) کا نفاذ عمل میں لایا جاتا ہے وہ کارگر ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ سیکولر قوانین کا مقصد بھی جرائم کا قلع قمع کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے معین سزائیں بھی مقرر کی ہیں لیکن وہ جرائم کو ختم کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔ اب صرف تجربہ واحد معیار ہے جو کرائمز قوانین کی قدر و قیمت کو ظاہر کرے گا اور اس خوشنما گفتگو کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو ایک مرتبہ صحیح ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ خائب و خاسر ہوتی ہے۔

اور جب میں یہ بات کہتا ہوں تو کوئی نئی بات نہیں کہتا، بلکہ میں اس بات کو دہراتا ہوں جو سیکولر قانون دانوں نے اپنی انٹرنیشنل لاء یونین کانفرنس میں متفقہ طور پر کہی ہیں، انہوں نے قرار دیا ہے کہ بہترین کریمینل سسٹم وہ ہے جو جرائم کو روکنے کے معاملے میں عملی طور پر مثبت نتائج فراہم کرے اور اس مطلوبہ سسٹم کی خوبیوں کو نمایاں کرنے کی واحد گارنٹی تجربات ہی ہیں اور جدید تجربات نے اچھے کریمینل سسٹم کے متعلق اپنا رزلٹ دے دیا ہے اور یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ مطلوبہ مقاصد کے لیے بہترین رزلٹ دینے والا قانون اسلامی قانون ہی ہے اور جن تجربات کے لیے اسلامی شریعت کی سزاؤں کو آزمایا گیا وہ دو طرح کے ہیں:

(۱) کلی تجربہ

(۲) جزئی تجربہ

(۱) کلی تجربہ:

یہ تقریباً بیس سال قبل مملکت حجاز میں شروع ہوا، جہاں اسلامی شریعت کو مکمل طور پر نافذ کر دیا گیا اور یہ امن وامان اور نظم ونسق قائم کرنے اور جرائم کو ختم کرنے میں بے مثال حد تک کامیاب ہوا، اور لوگ اب تک یاد کرتے ہیں کہ ارض حجاز میں امن وامان کس قدر خراب تھا، بلکہ سرزمین حجاز اکثر جرائم اور سنگدلانہ جور وجفا میں ضرب المثل بن گئی تھی چنانچہ اس سرزمین میں مسافر لوگ بھی مقیم لوگوں کی طرح اپنے مال اور اپنی جان کے سلسلے میں فکر مند رہتا تھا جنگل میں بھی اور شہر میں بھی، رات کو بھی اور دن کو بھی، اور حکومتیں اپنی

رعایا حاجیوں کی سلامتی اور ان پر زیادتیوں کی روک تھام کو یقینی بنانے کے لیے ان کے ساتھ مسلح فورسز بھیجا کرتی تھیں اور یہ سپیشل فورسز اور حجازی ملٹری فورسز بھی امن وامان لوٹانے اور بدوؤں کی سرکشی اور خودسری کو لگام دینے، اور انہیں حاجیوں یا حجازی رعایا کو لوٹنے اور انہیں یرغمال بنانے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے سے باز نہ رکھ سکیں اور امن وامان کے ذمہ داران سرزمین حجاز میں لوگوں کی اکثریت کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام رہے یہاں تک کہ وہاں اسلامی شریعت نافذ ہوگئی (بس شریعت کا نافذ ہونا تھا کہ) دن رات کے اندر اندر حالت بدل گئی اور سرزمین حجاز میں امن وامان کا دور دورہ ہوگیا اور مقیم لوگوں اور مسافروں میں اطمینان وسکون عام ہوگیا اور لوٹ کھسوٹ اور ڈاکہ زنی کا دور ختم ہوگیا اور قدیم جرائم قصہ پارینہ بن گئے اور آج وہ شخص جس نے وہ دور نہیں پایا، یا اس کا مشاہدہ نہیں کیا وہ اس طرح کی بدامنی اور لوٹ کھسوٹ پر یقین کرنے کو تیار نہیں۔

قبل ازیں وہ لوگ جو سرزمین حجاز میں بھیانک جرائم کی خبریں سنتے تھے آج امن وامان کے استحکام کی عجیب وغریب خبریں سننے لگیں ہیں کہ یہ شخص اپنی رقم کی تھیلی شارع عام میں گم کر آیا اور ابھی پولیس اسٹیشن تک اپنی شکایت لے کر پہنچنے نہ پایا تھا کہ وہ اپنی تھیلی کو اسی حالت میں پالیتا ہے جس میں وہ گم ہوئی تھی وہ اس کے سامنے اس غرض سے پیش کی گئی کہ اس کے مالک کا پتہ چل جائے اور یہ شخص راستے میں اپنی لاٹھی چھوڑ جاتا ہے تو اس وقت تک ٹریفک

رک جاتی ہے جب تک پولیس مین اسے اس جگہ سے اٹھا نہ لے۔ اور یہ شخص اپنا سامان گم کر بیٹھتا ہے اور اس کی واپسی سے مایوس ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق وہ کسی کو اطلاح بھی نہیں دیتا۔ لیکن وہ پولیس والوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے مالک کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس عہد کے بعد کی بات ہے جب داخلی فورسز کی عظیم تعداد بھی ان چیزوں کی حفاظت میں ناکام ہو چکی تھی اور خارجی فورسز کی بہت بڑی تعداد بھی، لیکن آج کل مٹھی بھر مقامی پولیس کے ذریعے ہی امن وامان محفوظ ہو گیا ہے یہ ہے کل تجربہ اور یہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کرائمز کنٹرول سسٹم عملی طور پر جرائم کی جڑ کاٹنے پر منتج ہے اور یہی وہ سسٹم ہے جس کی بین الاقوامی قانونی یونین کو ضرورت ہے۔ (ذاتی مشاہدہ)

اور جب ان اعداد وشمار کو دیکھا جائے جو مملکت سعودی عربیہ کی وزارت داخلہ نے جاری کیے ہیں تو ان سے وضاحت کے ساتھ وہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے جو اسلامی شریعت اور اس کی سزاؤں کے نفاذ سے دینی اور دنیاوی کامیابیوں کی صورت میں مطلوب تھی۔ مثلاً 1408ھ میں پورے سعودی عرب میں چھوٹے موٹے کیسز کی تعداد 38 ہزار پانچ سو تیرہ تک پہنچی اور ان کیسوں کے مرتکبین کی تعداد بائیس ہزار تین صد ستر تھی۔ ان میں اڑتیس ہزار میں 32 فیصد تعداد غیر ملکیوں کی تھی اور کیسز کی مذکورہ تعداد ان میں مرتکبین جرائم کی تعداد نشان دہی کرتی ہے کہ یہ جرائم انفرادی سطح پر رونما ہوئے اور گروہی یا تنظیمی سطح پر نہیں ہوئے۔

مزید برآں ان میں مختلف طرح سے قتل یا کوشش قتل یا دھمکی قتل اور اغواء جیسے خطرناک قسم کے جرائم کی تعداد مجموعی طور پر دو فیصد تھی لیکن یہ جرائم جو ہم وطنوں اور مملکت کی فورسز کو عام سطح پر بے قرار کرتے ہیں، جب ان کا موازنہ دیگر آباد ریاستوں یا علاقوں میں ہونے والے جرائم سے کیا جائے گا تو ان کے مقابلے میں یہ تھوڑی تعداد میں ہیں حالانکہ ان ملکوں کے نظام مکمل طور پر نظم ونسق اور امن وامان کے خوگر ہیں اور یہ جرائم جو مملکت سعودیہ عربیہ میں رونما ہوئے یہ اس ملک میں نفاذ شریعت میں خلل کی بنا پر رونما نہیں ہوئے بلکہ ان کا سبب ایمانی کمزوری اور مرتکبین کی اخلاقی پستی اور ان کے ذکر الٰہی سے اور اسلامی تعلیمات

سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اگر ان جرائم کا موازنہ دنیا کے دیگر ممالک میں رونما ہونے والے جرائم سے کیا جائے گا تو ہمیں واضح فرق نظر آئے گا (اور یہ حقیقت سامنے نظر آئے گی کہ) وہ جرائم جو سعودی عرب میں رونما ہوتے ہیں وہ اپنی نوعیت، حجم اور تعداد میں دیگر ممالک میں رونما ہونے ہوالے جرائم سے بڑا فرق رکھتے ہیں اور ہمارے ملک میں جرائم کا تناسب کافی کمزور ہے جو سعودی عرب کے باشندوں کے لیے خطرہ کی صورت نہیں رکھتے۔ چنانچہ سعودی عرب میں باشندوں کے جرائم کی شرح ہزار میں 32 فیصد ہے جبکہ دنیا کے دیگر

ممالک میں وہاں کے باشندوں کی شرح ہر ہزار میں سے اس طرح ہے۔

1۔	سپین:	77,26
2۔	مغربی جرمنی:	41,71
3۔	اٹلی:	20,08
4۔	ڈنمارک:	60,52
5۔	فرانس:	32,27
6۔	آسٹریلیا:	75,00
7۔	کینیڈا:	75,00
8۔	کوریا:	12,42
9۔	گھانا:	10,72
10۔	کینیا:	4,74
11۔	انڈونیشیا:	1,47

چنانچہ سعودی عرب قلت جرائم اور اپنی دہلیزوں پر امن وسکون کے استقرار کی وجہ سے اقوام عالم میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالخصوص مثالی مملکت ہے حالانکہ اس کی سرحدیں طویل اور آبادکاری وسیع ہے اور باوجود اس کے کہ اس میں ہر سال کئی ملین حاجی آتے جاتے ہیں۔

چنانچہ اس نے جرائم کو ختم کرنے میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے عمدہ تجربے کی

مثال قائم کردی اور وہ سایہ دار امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا جس سے شہر اور بستیاں، سرسبز جنگلات اور لق ودق صحراء مستفید ہو رہے ہیں اور اس نے معاشرتی اور اقتصای زندگی کے قیام میں شاندار پیش رفت کر دکھائی۔(34)

اور ہمارے اس جائزے کے آخر میں، جو ہم نے شرعی حدود کے قیام اور ان کے مقاصد اور خصائص اور ان کے قیام پر مرتب ہونے والے فوائد اور انہیں معطل کرنے کے نقصانات کے سلسلے میں پیش کیا ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدود شرعیہ کا قیام:

[۱] جرائم کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور تجربہ اس بات کی شاندار دلیل ہیں۔

[۲] جب 'جرم' کا قلع قمع ہوگیا یا وہ دم توڑ گیا تو امن وامان قائم ہوگیا اور ملکوں میں سکون واطمینان کی روح فراواں ہوجاتی ہے۔

[۳] جہاں جرائم اور وارداتیں کم ہوجاتی ہیں وہاں کام کرنے والے ہاتھ وافر ہوجاتے ہیں اور وہ ظلم وزیادتی اور قتل وغارت کی بجائے صنعت وحرفت کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

[۴] اس کی بدولت خوش حالی بڑھ جاتی ہے اور ملکوں کے وسائل رزق وسیع ہوجاتے ہیں اور اس مفہوم کی واقعی تصدیق ہوجاتی ہے کہ حدود کا قیام بلاد اور عباد (ملکوں اور بندوں) کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔

[۵] اس طرح معاشرہ پرسکون ہوجاتا ہے، اس میں پریشانیاں اور ہنگامے نہیں ہوتے۔

[۶] اُمت سعادت مند ہوجاتی ہے، حکام بھی اور محکومین بھی، اس بنا پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس بات میں ان کے لیے پاکیزہ زندگی ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾

(سورۃ الانفال:۲۴)

''اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول تمہیں ایسے کاموں کے لیے بلائیں جو تمہیں پاکیزہ

زندگی عطا کریں تو ان کے لیے سرِ تسلیم خم کر دیا کرو"۔

[۷] مزید برآں حدود کا قیام، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ایک قسم سمجھا جائے گا، کیونکہ اس کے حکم کی تعمیل ہے اور اس کی شریعت کو حاکم تسلیم کرنا ہے اور یہ عبادت ہی تو وہ بلند مقصد ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورۃ الذاریت ۵)

"اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

[۸] منفعت بخش اضافی بات یا ایسا نصاب جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے وہ یہ ہے کہ حدود کا قیام،

(الف) زندگی کے حق کے احترام اور خون ریزی کی بندش۔

(ب) نسب کے بچاؤ اور عزتوں کی طہارت۔

(ج) پراپرٹی اور جائیداد کو ظلم و زیادتی سے بچانے۔

(د) عقل و خرد کو خلل اور اخلاق کو فساد سے محفوظ رکھنے۔

(ہ) دین کی تعظیم و تکریم اور ان چیزوں کی تقدیس کا ذریعہ ہے جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تکریم کی جائے۔

(اسلام میں انسانی حقوق ۲۰۷ تا ۲۱۷)

تقابلی جائزہ

کسی شے کا حسن اس کے متضاد کے مشاہدہ کرنے سے ہی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اسلامی رواداری کی عظمت اور مسلمانوں کی فراخدلی کا عملی مشاہدہ کرنا چاہے تو اسے دیگر ادیان کے دوسروں کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک کی تاریخ دیکھنی اور جدید لادین عقائد رکھنے والوں اور بیسویں صدی کے مختلف انقلابی نظریات کے داعیوں کا اپنے مخالفین کے ساتھ کیا گیا سلوک ملاحظہ کرنا چاہیے۔ اسے دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں نے مختلف عقیدے اور فکری رجحانات کے حامل افراد کے ساتھ ماضی میں کیا معاملہ کیا؟ اور آج کل ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہیں؟ اسے چاہیے کہ وہ اس سلوک کا بھی جائزہ لے جو ان لوگوں نے جدوجہد انقلاب کے ان ساتھیوں سے اس وقت کیا، جب انہوں نے ان کی رائے سے اختلاف کیا یا ان سے مختلف سوچ اختیار کی۔

بہتر ہوگا کہ محقق مسلمانوں کی فتح اندلس کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرے اور دیکھے کہ آٹھ سو سال کے عرصہ کے بعد (جس کے دوران مسلمانوں نے پورے اُندلس کو علم کی روشنی سے منور کر دیا اور وہاں قابل فخر تہذیب کی بنیاد رکھی) ہسپانوی عیسائیوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔؟ اسے دیکھنا چاہیے کہ متعصب عیسائی، ملحد، بالشویکی اور تنگ نظر ہندو حکومتوں کے زیر اقتدار ملکوں میں نئی روشنی، تہذیب، اقوام متحدہ جیسی بین الاقوامی تنظیموں اور انسانی حقوق کے غلغلے کو موجودہ دور میں مسلمان کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسے حبشہ میں غالب اکثریت ہونے کے باوجود مسلمانوں پر توڑے جانے والے مظالم، تشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا جائزہ بھی لینا چاہیے۔

اسی طرح اسے چاہئے کہ روس، یوگوسلاویہ، چیچنیا جیسے مارکسی اشتراکی ملکوں کے مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لے۔

بعض روسی جمہوریتوں اور بعض چینی علاقوں میں آبادی کا غالب اکثریتی حصہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کو ہر وہ کام کرنے سے روکا جاتا ہے جسے وہ واجب سمجھتے ہیں۔ مثلاً نماز پنجگانہ، بیت الحرام کا حج، دین علوم کا حصول، اسلامی شعائر کے اظہار کے لئے مساجد کی تعمیر یا ان کو ائمہ، معلمین اور خطباء کی فراہمی کے لیے مدرسوں کی تعمیر یا اپنے رب کی عطا کردہ اس شریعت کا نفاذ جسے وہ لوگ واجب خیال کرتے ہیں۔

جب تک ایک انصاف پسند شخص اس باب میں معاصر سیکولر نظریات کے ماننے والوں کی کارکردگی پر ایک نظر نہ ڈال لے اسے غیر مسلموں کے ساتھ برتی گئی اسلامی رواداری کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوسکتا!

حقیقت یہ ہے کہ انقلابات کے دوران جبر و تشدد، قتل عام اور دہشت گردی کے واقعات شاذ و نادر یا کسی وقتی ضرورت کے تحت نہیں ہوتے بلکہ مخالفین کے ساتھ یہ سب کچھ ایک مستقل پالیسی کی حیثیت رکھتا ہے جو تشدد کو جواز فراہم کرنے والا ہے بلکہ اسے انقلاب کے فرائض، لوازم کا حصہ قرار دینے والے فلسفیانہ نظریات پر مبنی ہوا کرتی ہے۔

بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ تشدد پسندی ماضی و حال کی تمام انقلابی دعوتوں کا خاصہ رہی ہے۔ مگر ایسا دعویٰ کرتے ہوئے یہ لوگ اسلام کا منفرد موقف بھول جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تشدد برائے انقلاب کی پالیسی تب ہی کامیاب ہوسکتی ہے جب اسے ایک تسلسل کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

جدید لادینی آئیڈلوجی کے ایک ماہر کا کہنا ہے:

"حکومت پر قبضے سے قبل تشدد ایک غیر منظم صورت میں سامنے آتا ہے جس کا ہدف انارکسٹوں، جن میں سرفہرست روسی انارکسٹ ہیں، کے مطابق ڈرا دھمکا کر حکومت کو کمزور کرنا اور پھر اس پر قابض ہو جانا ہے۔ لیکن حکومت پر قبضے کے بعد یہ تشدد ایک ایسی منظم صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا مقصد ریاست کو کمزور کرنے

کی بجائے اس کو مضبوط کرنا ہوتا ہے۔ اگر پہلی نوع کا تشدد بڑے بڑے اور حساس نوعیت کے مراکز پر براجمان افراد کو نشانہ بناتا ہے تو اجتماعی تشدد کا ہدف عوام بحیثیت مجموعی یا کوئی خاص گروہ بنتا ہے۔ اور اس موخر الذکر نوع کا مقصد صرف دہشت گردی ہی نہیں بلکہ مخالفین کو جڑ سے ختم کر دینا ہے تا کہ معاشرے میں نیا مسلم پنپ سکے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اشتراکیوں نے انقلاب روس کے دوران اور اس کے بعد قتل و غارت کا ایسا بازار گرم کیا جس کی ہولناکی ناقابل تصور ہے، یہاں تک کہ موجودہ دور کی پہلی اشتراکی ریاست کے بانی لینن کے پاس جب اس کے کچھ ساتھی قتل و غارت گری کے واقعات پر غضبناک ہو کر پہنچے تو اس نے انہیں نہایت مختصر اور سیدھا سا جواب دیا:

"تین چوتھائی عوام کے غارت ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہماری نظر میں اہم بات یہ ہے کہ باقی بچنے والے لوگ اشتراکیت اختیار کر لیں"۔

اور جو ظلم و ستم سٹالن کے دور میں ہوئے اور جس طرح عوام کو خون میں نہلایا گیا اس کے بارے میں مبالغہ آرائی ممکن نہیں، نہ اس کی مثالیں ذکر کرنے کی یہاں ضرورت ہے کیونکہ خروشیف کے زمانے میں دنیا بھر کے اخبارات روزانہ کی خبریں شائع کرتے رہے ہیں۔

جدید انقلابی تشدد کے داعی اپنے مخالفین کے خلاف پر تشدد کاروائیوں کا جواز فراہم کرنے کے لئے دراصل اس بدسلوکی، تشدد اور قتل عام کو بنیاد بناتے ہیں جس کی مثالوں سے مذاہب کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ ان کا زور عیسائیت کی ابتدائی اور ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ پر ہوتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ منظم تشدد جس کا سہارا اشتراکیوں اور نازیوں نے لیا وہ تو ٹروٹسکی اور ہٹلر وغیرہ نے کچھ مسیحی مکاتب فکر سے سیکھا ہے جن میں سر فہرست یسوع فرقہ (Jesuets)، مذہبی ادارے اور "الف سعادتی تحریکات (Millenial Movements) ہیں"۔

محبت اور سلامتی کی پرچارک عیسائیت نے جو خود اپنی تاریخ کے ابتدائی دنوں میں

طرح طرح کے مظالم سہ چکی تھی ریستی وقت کی مالک بننے پر اپنے مخالفین پر وہ ستم ڈھائے کہ ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شیخ محمد عبدہ نے اپنی کتاب ''الاسلام والنصرانیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ ہسپانوی کلیسا جب افکار ابن رشد کی، خاص طور پر یہودیوں کے ہاں مقبولیت پر ناراض ہوا تو اس کا نزلہ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں پر گرا۔ لہٰذا اس نے عیسائی بننے سے انکار کرنے والے تمام یہودیوں کو ملک سے نکل جانے کا حکم دیا اور انہیں اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد کی فروخت کی اجازت اس شرط پر دی کہ وہ اپنے ساتھ سونا و چاندی لے کر نہ جائیں۔ چنانچہ ہسپانیہ سے یہودی اپنی املاک پیچھے چھوڑ کر اور اپنی جانیں بچا کر بھاگے اور ان میں سے کئی بھوک، سفر کی مشقت اور مفلسی کے باعث ہلاک ہو گئے۔

اسی طرح کلیسا نے ۱۰۵۲ء میں مسلمانوں (جو کہ ان کے نزدیک دشمنان خدا قرار پائے تھے) حکم دیا کہ اگر وہ عیسائیت قبول نہیں کرتے تو ملک چھوڑ دیں اور واپس بھی کسی ایسے رستے سے جائیں جو مسلم ممالک میں سے نہ گزرتا ہو ورنہ موت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔ تشدد اور اذیت رسانی صرف بت پرستوں اور دین مخالفین تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ عیسائی بھی اس کا شکار ہوئے جنہوں نے امراء یا کلیسا کے منظور نظر عقیدے سے اختلاف کی جرأت کی۔

عیسائیت کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس بات سے خوب واقف ہیں کہ الوہیت مسیح کا انکار کرنے والے مصری عالم آریوس (۳۲۵ء) میں کیا سلوک ہوا اور کس طرح اکثریت کے حامل مخالفین کو نکال باہر کرنے کے بعد آریوس کو مجرم قرار دیا گیا، اس کی کتابوں کو اپنے پاس رکھنے کی ممانعت اور انہیں جلانے کا فیصلہ صادر کیا گیا اور ساتھ ہی اس کے پیروؤں کی تمام عہدوں سے معزولی، جلاوطنی اور ہر اس شخص کے لئے پھانسی کا حکم سنا دیا گیا جو آریوس کی کوئی کتاب چھپا کر رکھے یا اس کے مسلک کی حمایت کرے۔

توحید کی دعوت دینے والوں پر اس قدر پیہم ظلم ڈھائے گئے کہ وہ عیسائی معاشروں سے بالکل نابود ہو گئے اور ان کی دعوت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ ایک محقق کا کہنا ہے کہ کچھ اقوال اور تورات کے بعض اصولوں کی توجیہ کے متعلق عیسائیوں کے درمیان رونما ہونے والے الٰہیاتی

اختلافات تباہ کن قتل و غارت کا باعث بن جاتے تھے۔ مثلاً یہ سوال کہ آیا روح القدس باپ اور بیٹے دونوں سے مشتق ہے یا صرف بیٹے سے؟ کیا روٹی اور شراب (عیسٰی علیہ السلام کے) گوشت اور خون میں تحویل ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ مسیح دو فطرتوں یعنی خدائی اور انسانی کا مالک ہے یا نہیں؟ ان جھگڑوں میں لاکھوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ایمان والوں نے ایک دوسرے پر طرح طرح کے ستم ڈھائے۔

اور جب یورپ میں مارٹن لوتھر کے ہاتھ پروٹسٹنٹ کا مذہب کا ظہور ہوا تو کیتھولک کلیسا نے اس مذہب کے پیروکاروں کا پوری قوت سے مقابلہ کیا اور تاریخ انسانی نے قتل عام کے خوفناک مناظر دیکھے۔ ان میں سے سب سے دہشت ناک واقعہ ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو پیرس میں پیش آیا جب کیتھولک فرقہ کے لوگوں نے پروٹسٹنٹ حضرات کو دعوت دی کہ وہ مذہب مفاہمیت کو فروغ دینے کے لیے ان کے پاس کچھ دن قیام کریں۔ اور پھر رات کے اندھیرے میں میزبان مہمانوں پر ٹوٹ پڑے اور سوتے میں انہیں دھوکے سے قتل کر دیا اور جب صبح ہوئی تو پیرس کی گلیاں ان لوگوں کے خون میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس کارنامے پر پوپ، کیتھولک عیسائیوں کا اکابر اور بادشاہوں کی جانب سے شاہ چارلس نہم کے لئے مبارکبادوں کا تانتا بندھ گیا۔

تعجب ہے کہ جب پروٹسٹنٹ فرقے کو بالادستی حاصل ہوئی تو یہی وحشیانہ سلوک اس نے کیتھولک فرقے کے لوگوں کے ساتھ کیا اور وحشت و بربریت کے مظاہروں میں ان سے پیچھے نہ رہے۔

مارٹن لوتھر نے تو اپنے پیروکاروں سے کہہ رکھا تھا

> ''تم میں سے جس کسی کے لئے ممکن ہو دشمنوں کو قتل کرے، گلا گھونٹے اور انہیں ذبح کر کے مار ڈالے۔ تم سے جتنا ہو سکے اتنا کرو، ان کسانوں کے گلے گھونٹو اور ذبح کرو''۔

اس میں کوئی تعجب نہیں کہ یورپ میں برپا ہونے والی مذہبی جنگوں نے کئی سفاکیوں کو جنم دیا۔ فیارک کے بقول تیس سالہ مذہبی جنگ نے جرمن قوم کی اکثریت کو یا تو صفحہ ہستی

سے ہی مٹا دیا یا فقر و فاقہ کا شکار بنا دیا اور اکثر ترقی یافتہ شہر جل کر راکھ ہو گئے۔ بیسویں صدی اپنے وحشیانہ نازی و اشتراکی انقلابات کے باوجود صلیبی جنگوں کی ان ہولناکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کا ارتکاب صرف عیسائیوں نے آپس میں کیا۔ یہاں تک کہ کچھ جنگوں میں راستوں پر لاشوں کے فرش بچھ گئے۔

فیہم کے مطابق ان جنگوں کی تاریخ سفاکی کے واقعات سے مملوء ہے کیونکہ اہل کلیسا ہر وقت جلتی پر تیل ڈالنے اور سپاہیوں کی بربریت کی آگ کو ہوا دیتے تھے۔ سپاہی تو سنگدل ہونے کے باوجود کبھی کبھار نرمی کی طرف مائل ہو بھی جاتے۔ البتہ کلیسا ہر طرح کے اعتدال اور نرمی کو ایک طرح کی غداری تصور کرتے تھے۔

ایک اور مورخ نے ازمنہ وسطی کی عیسائیت کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک انقلابی آئیڈیالوجی کی حیثیت سے عیسائیت کا اعلیٰ ترین مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جدید مسیحی دنیا وجود میں لائی جائے جس میں عیسائیوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ ازمنہ وسطیٰ میں

معاشرے کا فرد بننے کے لئے عیسائیت پر ایمان رکھنا ضروری تھی۔ چنانچہ ایک بت پرست، یہودی یا مسلمان کو عیسائی معاشرے کا حصہ نہ سمجھا جاتا۔

اپنی اشاعت کی خواہاں عیسائیت یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے ابتدائی دور میں تو تلوار تک استعمال کیا کرتی، اختیار فقط موت یا قبول مسیحیت کے مابین دیا جاتا، لیکن بعد میں مشنری سرگرمیاں بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے استعمال ہونے لگی۔

اس کی ایک زندہ مثال صلیبی تحریک ہے جسے گیارھویں صدی سے لے کر چودھویں صدی عیسوی تک اپنے مقصد کے حصول اور غیر مسیحی قوموں کو فنا کر کے تمام دنیا کو عیسائی بنا دینے کی کھلی آزادی تھی۔ یہ بات پہلی صلیبی جنگ کی روح کا اظہار کرنے والی ایک نظم (رولان Roland) کے آخری اشعار سے واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نظم کا مطابق کفار کو عیسائی بننے پر مجبور کیا جانا چاہئے اور جو اس سے انکار کرے اسے گلا گھونٹ کر، زندہ جلا کر یا ذبح کر کے ہلاک کر دینا چاہئے۔

مذہبی تشدد کا صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ یورپ میں ہر وہ شخص ان کا شکار ہوا جس

نے کلیسا سے بغاوت یا اس کے موقف سے ذرہ بھر انحراف کی بھی جرأت کی۔ مثلاً البیجنس (Albigenses) اور کیتھارٹکس (Cathartics) کے خلاف بارھویں اور تیرھویں صدی میں کی جانے والی کاروائیوں سے کیتھولک کلیسا کا مقصد ان فرقوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دینا تھا اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب بھی رہی۔ چنانچہ کلیسا نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو اجتماعی طور پر زندہ جلا یا یا دوسرے طریقوں سے ہلاک کر دیا۔ ایک اور مصنف بری (Burry) نے اس ضمن میں ایک اہم بات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مطابق کلیسا نے یہ اصول پہلی مرتبہ عام یورپی قوانین کا حصہ بنایا کہ بادشاہ صرف ایک چیز کی بنیاد پر قیادت کا حقدار ہے اور وہ کلیسا کے باغی فرقوں کا خاتمہ۔

اسی صورت حال نے ولیم جیمس کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ کھلے پیمانے پر مذہبی تشدد کی مثال تاریخ انسانیت نے توحیدی ادیان کے ظہور سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ درحقیقت عیسائیت دنیا میں وہ پہلا مذہب تھا جس کا خاصہ ہی مذہبی تعصب تھا اور جس نے اپنے مخالفین کو فنا کر دینے کی ٹھان رکھی تھی۔

کلیسا کی مذہبی فرقہ بازی کی تحریکوں کے ساتھ جنگ کا مقصد ہمیشہ سے مخالفین کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا رہا ہے اور ان فرقوں میں سے کچھ کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ کلیسا کے تمام پیروکاروں کو نابود کر دیں۔

مسیحیت نے، جس کی نمائندگی کلیسا کرتا ہے، بیک وقت بیرونی ''کفار'' اور داخلی مرتدین کے خلاف جنگ لڑی۔ چنانچہ اس نے اول الذکر کے خلاف قتل کی صلیبی جنگیں لڑیں جبکہ موخر الذکر گروہ کے خلاف تفتیشی عدالتیں قائم کیں۔ ''تمام منحرف فرقوں کی سزا زندہ جلا دینا قرار پائی۔ ہاں اگر کوئی شخص نادم ہو کر اپنی غلطی سے توبہ کر لیتا تو اسے عمر قید کی سزا دی جاتی۔ ایک مرتد کی تمام املاک اس کی دوسری نسل تک ضبط کر لی جاتیں، اس کے رشتہ داروں کو اس وقت تک کسی منصب کا اہل نہیں سمجھا جاتا جب تک اپنے مرتد رشتہ داروں یا کسی اور کافر کو پکڑوانے میں مدد نہ کریں۔ کفار کی کسی بھی طرح مدد کرنے والے کے لئے یہی سزا تھی۔ یہاں تک کہ مردے بھی محفوظ نہ تھے کیونکہ عدالتیں اس شخص کی قبر کشائی اور لاش کو جلانے کا حکم جاری

کر دیا کرتی تھیں۔ دوسروں کو گرفتار کروانے کی حوصلہ افزائی اس درجے تک کی جاتی تھی کہ جدید انقلابات کے دوران اس کی مثال نہیں ملتی۔

ہنری چارلس لی نے ازمنہ وسطی کی تفتیشی عدالتوں کے بارے میں اپنی کلاسیکی تحقیق (History of the Inquisition an tHe Middie Ages) میں لکھا ہے کہ تمام عدالتیں ان سب لوگوں کے خاتمے کی پابند تھیں جنہیں کلیسا کافر گردانتا۔ ورنہ وہ اپنی حیثیت سے محروم کر دی جاتیں۔ جو حاکم کلیسا کے فرمان کے مطابق اپنی زیر ملکیت زمین کو کافروں سے پاک کرنے میں ایک سال تک غفلت برتتا، اس کی زمین چھین کر کسی ایسے شخص کے حوالے کر دی جاتی جو کفار کو فنا کرنے اور ان پر قابو پانے پر قادر ہو۔ ''فرمان ایمان'''' کی رو سے، جس کی بنیاد پر تفتیشی عدالتیں مرتدوں کو سزا سنایا کرتی تھیں، تمام عوام ان عدالتوں کے خادم تھے اور دوسروں کی جاسوسی کرنا اور کسی کفریہ یا ارتدادی کاروائی کی اطلاع عدالت کو فراہم کرنا ان کا فرض تھا۔

شیخ محمد عبدہ کا ان تفتیشی عدالتوں کے متعلق کہنا ہے کہ ان کی سختی اس قدر بڑھ گئی کہ اس زمانے کے لوگوں میں مشہور تھا کہ ایک شخص کے لیے عیسائی ہو کر اپنے بستر پر مرنا تقریبا ناممکن ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں ۱۴۸۱ء میں اپنی تاسیس سے لے کر سن ۱۸۱۸ء تک مذہبی عدالتوں نے ۳۴۰۰۰۰ افراد کا محاکمہ کیا جن میں سے ۲۰۰۰۰۰ افراد زندہ جلا دیئے گئے۔ عیسائیت کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ ابتدائی دور میں اس کی اشاعت عام طور پر ایسے ہی ہوئی کہ دوسروں کو موت اور عیسائیت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا۔

رابرٹ بریفالٹ نے ذکر کیا ہے کہ عیسائیت نے یورپ میں اپنی اشاعت کے دوران جن لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ان کی تعداد کا اندازہ مورخین نے کم سے کم ۷ ملین اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ ملین کا لگایا ہے۔ اس امر کی شدت کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ یورپ کی اس وقت کی آبادی موجودہ آبادی سے کہیں کم تھی۔

عیسائیوں نے دوسروں کے خلاف جن مظالم اور سفاکیوں کا ارتکاب کیا اس کی سند انہیں تورات میں ملی تھی جو ان مخالفوں کے متعلق کہتی ہے ''ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کر دو۔

ان کے ستون آگ میں جھونک دو اور تمام بتوں کو آگ لگا دو''۔ تورات یہ ہدایت کرتی ہے کہ شہروں کو فتح کرنے کے بعد آگ لگا دینی چاہئے اور اس میں موجود ہر مرد، عورت اور بچے کو قتل کر دینا چاہئے۔

ان وحشیانہ مظالم کا ارتکاب کرنے والوں کا دعویٰ یہ تھا کہ ایسا کرنے سے انہیں خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی خواہشات کو عملی جامہ پہناتے اور اس کے دشمنوں کو اس عذاب میں سے کچھ حصہ چکھاتے ہیں جو آخرت میں ان کے لیے منتظر ہے۔ سولہویں صدی میں ملکہ برطانیہ میری نے اس بات کا یوں اظہار کیا تھا ''چونکہ کافروں کی ارواح کو جہنم میں ہمیشہ جلنا پڑے گا اس لئے ہمیں چاہئے کہ انہیں اس دنیا میں بھی جلا کر خدائی انتقام کی تقلید کریں۔''

(غیر مسلموں کے حقوق اور فرائض ص ۱۰۷ تا ۱۱۷)

دعوتِ دین میں جبر نہیں

دشمنان اسلام یہ بہتان لگاتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا جو کہ حقائق کے سراسر منافی ہے۔ اسلام کے مخالفین نے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے وہ طاغوت کی اختراع ہے۔ اور قرآن نے اس کی واضح طور پر تردید کی ہے۔ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ اسلام بحیثیت دین انسان کے قلب و ذہن اور جسم و روح کی اصلاح اور تطہیر کرنا چاہتا ہے جو جبر و اکراہ سے ممکن نہیں۔ پھر اس طرح کسی انسان کو مسلمان بنانے میں اسلام کی کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ظہور قدسی سے چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی دار الفکر ہندوستان کے کوہ و دامن میں، افریقہ کے صحراؤں میں، یورپ کے ہنگامہ آرا شہروں میں، بحیرہ روم اور بحیرہ اوقیانوس کے دور افتادہ جزیروں کے علاہ کوہ قاف کے گرد و نواح میں جور و جبر کی فضاؤں کے باوجود دن میں پانچ بار ہر روز اذان کی آواز گونجتی ہے۔ اگر یہ دین بزور شمشیر پھیلایا گیا ہوتا یا اسے ظلم و ستم کے خوف سے قبول کیا گیا ہوتا تو اس دین سے لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم ہوتا؟ مکہ کی کفر و شرک کی سرکش فضاؤں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کس کی تلوار نے ''اَحَد'' کی مستانہ وار رٹ لگانے پر مجبور کیا؟ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کی گردنوں پر اسلام لانے کے لئے کس نے تلوار نیام سے باہر کی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کس کے خوف سے صراط مستقیم کے مسافر بنے؟ بلکہ یہاں تو اسلام کے شیدائیوں پر ترکِ اسلام کے لئے کوڑے برسائے گئے۔ دہکتے کوئلوں پر لٹایا گیا۔ برسر عام تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ اسلام کے ان متوالوں پر کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے گئے۔ یہاں تک کہ ان کو ہجرت کر کے حبشہ جانا پڑا اور بانی تحریک اسلامی کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ ان ایذا

رسائیوں سے اللہ کے ان محبوب بندوں کو اپنے رب سے جو عقیدت تھی، جو عشق اپنے محبوب اور پیارے رسول ﷺ سے تھا، جو شیفتگی اپنے اس دین برحق سے تھی اس میں کمی نہ ہوئی۔ برطانوی اخبار سنڈے ایکسپریس کی چیف رپورٹر صحافی خاتون ایون ریڈلے جو پچھلے سال (اکتوبر 2001ء کے پہلے ہفتے) طالبان کی دس دن کی قید سے رہا ہو کر وطن واپس گئی تو اس نے کس کی تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا؟ اور پھر حال ہی میں (اکتوبر 2002) ہندوستان کے صوبے تامل ناڈو کے چار سو دلتوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ ایسا کرنے کے لئے ان کی گردنوں پر کس کی تلوار لٹک رہی تھی؟ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اسلام جس طرح کسی کو جبراً مسلمان بنانا گوارا نہیں کرتا، اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے، انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے پر مجبور کرے یا جو لوگ برضا و رغبت مسلمان ہونا چاہتے ہیں، ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ ایسی صورت میں اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں۔ یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے اور اسے جبر و اکراہ سے ہر گز تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا کرنا سراسر زیادتی ہوگی۔

(تبلیغ اور تلوار، صفحہ ۲۴ تا ۳۲)

خطباء اور آئمہ مساجد کی خدمت میں عاجزانہ درخواست

حدیث شریف میں ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن اور موذن امانت دار ہے۔ اے اللہ! اماموں کو ہدایت نصیب فرما اور موذنوں کو بخش دے۔ (ترمذی شریف، ص ۱۲۲)

اس حدیث شریف کے مطابق نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے امام مسجد پر اس کے مقتدیوں اور اہلِ محلّہ کی بابت شرعی احکام کے سیکھنے اور سکھانے سے متعلق جو ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں اگر ان کے تقاضوں کو پورا کیا جائے تو ہر مسجد سے متعلق محلّہ جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔ لڑائی جھگڑے، بدگمانی، چوری، رہزنی، قتل، جھوٹ، فریب، تکبر، غرور، خودغرضی اور اغوا جیسے جرائم پر کنٹرول ہوسکتا ہے۔ لیکن پچھتر فیصد مساجد کے پیش امام حضرات اپنی بے علمی اور ناخواندگی کی وجہ سے مسجد اور شریعت کے حوالہ سے اس مسئولیت کو انجام دینے کے قابل ہی نہیں ہیں۔

بعض علاقوں میں بہت سی ایسی رسومات ہیں جنہوں نے گھروں کے گھر اُجاڑ دیے ہیں۔ ہر گھر ان برائیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے پریشان ہے اس لیے ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ان برائیوں کی نشاندہی کریں اور ان سے بچنے کے طریقے لوگوں سے بیان کریں تاکہ معاشرے کا ہر فرد سکون سے زندگی بسر کرسکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تعلق بھی سماج ہی سے تھا کہ جس میں انہوں نے میوے اور شہر مکہ میں امن کی دعا کی تھی۔ آج ہم نے سماج کو چھوڑ دیا اور لوگوں نے بھی علماء کرام کو صرف فضائل و مناقب اور وعیدیں سنانے تک محدود کر دیا۔ تب ملا کی دوڑ مسجد تک فارمولا ایجاد ہوا اس میں ہماری ذاتی بہت بڑی غفلت بھی شامل ہے کئی مساجد کا سال بھر کا

موضوع صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات تک ہی محدود ہوتا ہے ہمارا دین وسیع ترین دین ہے جس میں معاشرت، معیشت، اخلاقیات، روحانیات، اسلامی ریاست کا قیام، انسانی حقوق و فرائض، عائلی نظام، تعلیم و تربیت، عفت و عصمت، سیاسیات، حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق تک سب کچھ ہے۔ تفصیل کے لیے اسی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ مگر ہم نے سب کچھ چھوڑ کر چند رٹے رٹائے قصے واقعات و فضائل کے بیان ہی پکڑے ہوئے ہیں۔

خدارا! علماء کرام، آئمہ مساجد اور خطباء حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے عوام کی صحیح رہنمائی فرمائیں دیکھیں تو سہی عوام کہاں جا رہی ہے کیا اس میں صرف عوام کا قصور ہے آئمہ مساجد، خطباء اور علماء کرام کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟

جدید فلسفے اور تحریکیں

آج اسلام کو جس قسم کے ہمہ گیر و عالمگیر فکری و نظریاتی چیلنج کا سامنا ہے۔ اس قدر ہمہ گیر و عالمگیر چیلنج سے اس سے پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ایک طرف سائنسی علوم و فنون کی غلط اور مادہ پرستانہ نقطہ نظر سے تشریح و توجیہ کی جاتی ہے تو دوسری طرف ان غلط رُجحانات و توجیہات کی بنیاد پر مختلف قسم کے منظم فلسفے اور تحریکیں منظر عام پر آرہی ہیں۔ اور ان تمام کا بنیادی خمیر الحاد و لادینیت ہے۔ یہ تمام فلسفے اور تحریکیں خوشنما نعروں اور دلفریب لیبلوں کے سہارے پورے عالم انسانی پر تھوپے اور لادے جارہے ہیں۔ اور پورا عالم انسانی آج مادیت کے ان ''دلاویز نغموں اور کھلونوں'' کے سہارے کشاں کشاں ''موت کی وادی'' کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ایک طرف تہذیب جدید کے وہ علمبردار ہیں جو تہذیب کے نام پر ہر ''معروف'' کو مٹا کر ہر قسم کے منکر کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف یہودیوں کی خفیہ اور عالمگیر تحریک ہے جو یہودیت و صیہونیت کے غلبے اور تسلط کی خاطر ہر قسم کی اخلاق سوزی اور عریانیت و فحاشی کو مختلف فلسفوں اور ازموں کے نام پر ترقی دے رہی ہیں۔

تیسری طرف اشتراکیت اور کمیونزم ہے جو پورے عالم کو اپنے چنگل میں لے کر اس کو وسیع ترین ''جبری کیمپوں'' میں تبدیل کر دینے کے درپے ہے۔ کمیونزم کے زیر اثر ممالک کو چھوڑ کر بقیہ تمام ممالک کے فکری حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہر جگہ ایک عجیب قسم کی ''بے فکری'' یا بے مقصدیت کا دور دورہ پایا جاتا ہے۔ یہ موجودہ الحاد و لادینیت کا عالمگیر تحفہ ہے جو اس نے نوع انسانی کو دیا ہے کہ اس سے اس کا مقصد زندگی چھین کر اس کو نرا حیوان بنا دیا۔

تہذیب جدید کے علمبرداروں نے کلیسا(Church)اور عیسائیت کی ضد میں مذہب سے بغاوت کر کے روح اور اس کے مظاہر کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی اور مادہ اور اس کے مظاہری کو سب کچھ قرار دے کر انسان کو اخلاقی قیود سے بالکل آزاد کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں عیاشیوں اور خرمستیوں کے نئے نئے طریقے سوچے گئے۔ اور عشرت کدوں کو نئے سرے سے اس طرح آراستہ کیا گیا ہے کہ حیوانیت کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں۔

یہ فلسفے ''یہ ازم'' اور یہ مختلف قسم کی تحریکیں آج عالم اسلام سمیت پورے اقوام عالم کے ذہن ودماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ہمیں انہی تمام ملحدانہ اور مادہ پرستانہ افکار ونظریات سے سابقہ پڑا ہے۔ ہمارے نونہالوں کو بچانے اور نئی نسل کو اس ''نارِ فرنگ'' سے باہر نکالنے کے لیے محض شور وغوغا کرنا یا اسلام اور اخلاق کی دُہائی دینا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ آج قدریں بدل گئی ہیں، اور ہر چیز کا معیار تبدیل ہو گیا ہے۔ موجودہ دور خالص عقلی اور استدلالی دور ہے اور آج ذہن ودماغ کو وہی چیز مطمئن کر سکتی ہے جو موجودہ دور کے عقل، معیار اور مزاج کے مطابق ہو، زمانے کے مزاج کو نہ پہچانتے ہوئے محض پرانے ہتھیاروں سے مقابلہ آرائی کی کوشش کرنا ایک عبث اور بے سود فعل ہوگا۔ بلکہ بعض حالات میں نقصان دہ بھی۔ بہر حال آج ہم کو جن فتنوں، ازموں اور مادی تحریکوں کا سامنا ہے ان میں سے چند خاص حسب ذیل ہیں:۔

[۱] مادیت:(materialism)

یعنی اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ صرف مادہ ہی مادہ ہے۔ کسی دوسری قوت یا طاقت کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے اور یہ خود اپنی علّت آپ ہے۔

[۲] فطرت پرستی:(naturalitsm)

یہ عقیدہ کہ تمام حقائق، قوانین فطرت کے ماتحت وجود میں آئے ہیں۔ یہ بھی مادیت ہی کا دوسرا نام ہے۔

[۳]تشکیک:(scepticism)

یعنی کسی بھی عقیدے کے متعلق شک کرنا اور شکوک وشبہات پیش کرنا۔

[۴]لاادریت:(agnosticism)

یہ اعتقاد کہ خدا یا دوسری غیر مادی چیزوں کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔(یہ نہ تو مذہب کا مؤید ہے اور نہ اس کا مخالف۔اور یہ آج کل کے اکثر سائنس دانوں کا مقبول ترین نظریہ ہے)

[۵]عقل پرستی:(intellactualism)

یہ نظریہ کہ علم بیشتر عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

[۶]عقلیت:(rationalism)

یہ نظریہ کہ علم صحیح کی بناء عقل ہونی چاہیے۔

[۷]خودرائیت:(egoism)

یعنی فلسفہ خودغرضی یا انانیت۔

[۸]مذہب انسانیت:(humanism)

فلسفہ انسانیت جس کی رو سے انسان کی ذات کائنات کا مرکز ہے۔اس لئے بجائے عالم آخرت یا عالم طبعی کے محض انسانی فلاح وبہبود کی کوشش کرنی چاہیے۔

[۹]آزادی:(liberalism)

یعنی مذہبی،اخلاقی،معاشرتی اور سیاسی ہر حیثیت سے بے قیدی اور روشن خیالی۔

[۱۰]افادیت:(utileterianism)

یہ اصول کہ جو کام اپنے لئے مفید ہو وہی اچھا ہے۔

[۱۱] لذاتیت: (spicurenism)

یہ اصول کہ جس چیز سے لذت حاصل نہ ہو اس کا وجود بے کار ہے۔

[۱۲] ڈارونیت: (darwinism)

یعنی انسان اور دیگر تمام انواع حیات کا ظہور ایک سادہ قسم کے جاندار (ایبا) سے بتدریج ''انتخاب طبیعی'' اور بقائے اصلاح وغیرہ قوانین کے ذریعہ ہوا ہے۔ نہ کسی خلاق ہستی کے ذریعہ۔

[۱۳] میگڈوگل کا نظریہ جبلت:

یہ نظریہ کہ انسان کی ساری فطرت اس کی حیوانی جبلتوں پر مشتمل ہے اور اس کی حیوانی جبلتیں ہی اس کے تمام افعال کی قوت محرکہ ہیں۔ (اس نظریہ کا تعلق نفسیات سے ہے)

[۱۴] فرائڈ کا نظریہ جنسیت:

یہ نظریہ کہ انسان کو حرام پر ابھارنے والا محرک دراصل اس کا جزبہ شہوانی ہوتا ہے گویا کہ وہ ایک مغلوب الشہوت حیوان کی طرح ہے (اس کا تعلق بھی نفسیات یعنی سائیکالوجی سے ہے)۔

[۱۵] ایڈلر کا نظریہ حب تفوق:

اس کا تعلق بھی نفسیات سے ہے۔ یعنی یہ نظریہ کہ انسان کے لئے کام کا اصل محرک جذبہ شہوانی نہیں بلکہ جذبہ تفوق ہے یعنی وہ دوسروں سے فائق و برتر ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ ایک خود پرست حیوان ہے۔

[۱۶] اشتراکیت: (communism)

یعنی انفرادی ملکیت کے برعکس ہر قسم کے مال و دولت اور جائیداد وغیرہ کے بارے میں مشترکہ ملکیت کا نظریہ۔

[۱۷] انفرادیت: (individualism)

عمرانیات یا سماجیات (سوشیالوجی) کا وہ نظریہ جس کی رو سے افراد کو عمل کی آزادی ہونی چاہیے۔ (یہ غیر اشتراکی ملکوں کا نعرہ ہے)۔

[۱۸] فلسفہ قومیت: (nationalism)

یعنی لسانی، تہذیبی، جغرافیائی بنیادوں پر ہر قوم کو خود حکومتی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

[۱۹] جمہوریت: (democracy)

یہ حق کہ سبھی لوگ مل کر یہ فیصلہ کریں کہ عوامی دلچسپی کے معاملات کیا ہیں؟ اور ان کے سلسلے میں کیا کیا جانا چاہیے؟

[۲۰] لادینیت: (secularism)

یعنی حکومت وریاست کے تمام معاملات میں مذہبی بنیادوں کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ یا آزادنہ رویہ اختیار کرنا۔

اس قسم کے بہت سے فلسفے اور تحریکیں ہیں اور ان تمام کے تذکرے وتبصرے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ بہر حال یہی وہ تمام مادی فلسفے ونظریے ہیں جو موجودہ عالمگیر الحاد ولادینیت کا خمیر یا اس کے اجزاء وعناصر ہیں۔ ان ازموں اور تحریکوں کو بعض علمی اور سائنسی نظریات کا غلط انداز میں سہارا لے کر فلسفیانہ رنگ دے دیا گیا ہے۔ گویا کہ یہ فلسفے حقیقت واقعہ کے عین مطابق ہیں۔ حالانکہ علم صحیح اور منطق صحیح کی رو سے یہ تمام فلسفے اور تحریکیں من گھڑت اور بے سروپا نظر آتی ہیں۔

مگر آج جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن ودماغ پر یہ تمام فلسفے اور ازم اپنی ظاہری چمک دمک، خوش نمائی اور بظاہر نظر آنے والی سطحی اور نام نہاد ''عقلیت ومنطقیت'' کی بنا پر پوری طرح حملہ آور ہو چکے ہیں۔ اور وہ ان افکار ونظریات سے گویا کہ مسحور ہے۔ گویا کہ ایک عالمگیر ذہنی ارتداد پیدا ہو گیا ہے۔ اور خود عالم اسلام بھی اس ذہنی وفکری ارتداد کی لہروں سے

محفوظ نہیں ہے۔ اس لیے ہم سب کو پہلے خود اپنے گھر کی فکر کرنی چاہیے۔

موجودہ معاشرے میں جتنی بھی تہذیبی برائیاں اور اخلاقی مفاسد نظر آ رہے ہیں وہ سب انہی فلسفوں کے برگ و بار اور ثمرات و حاصلات ہیں۔ لہٰذا موجودہ اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو ختم کرنے کے لئے ان فلسفوں پر تیشہ چلانا اور انہیں بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکنا ناگزیر ہوگا۔ ورنہ جب تک یہ جڑیں اور بنیادیں باقی رہیں گی ان سے برگ و بار بھی نمودار ہوتے رہیں گے۔

یہ خرابیاں اس لئے پیدا ہوئیں کہ عقل و نقل کے حدود کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اور یہ نکتہ فراموش کر دیا گیا کہ عقل اگرچہ کتنی ہی تیز اور باریک بین کیوں نہ ہو وہ مجرد طور پر فوق الطبعی امور کا ادراک نہیں کر سکتی اور انسان کو کوئی ضابطہ حیات مہیا نہیں کر سکتی۔

مشہور فلسفی بیکن کا کہنا ہے کہ فلسفہ، مذہب اور سائنس کی سرحدیں جدا جدا ہیں ان میں غلط بحث نہیں کرنا چاہیے۔ اور عقل کے حدود متعین کرنے میں زمانہ حال کے نامور فلسفی کانٹ (۱۷۲۴-۱۸۰۴) نے نہایت قابل قدر کام کیا ہے اور ایک ایسا تنقیدی فلسفہ مرتب کر ڈالا ہے جو اس سلسلے میں نشانہ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کا نام ہی ''تنقید عقل محض'' ہے جو شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔

غرض ان فلسفوں کی ترویج و اشاعت اس لئے ممکن ہو سکی کہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کے دور میں عیسائی مذہب علم و تمدن کا ساتھ دینے اور انہیں فطری طریقوں اور تقاضوں کے مطابق پروان چڑھانے میں قطعاً ناکام رہا ہے۔ بلکہ اس کے منفی اور مخالفانہ رویہ کے باعث مذہب سے بغاوت اور کنارہ کشی وجود میں آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دانش نے مذہب کو ایک ڈھکوسلہ قرار دے کر اس کا جُوا اپنے کندھوں سے اُتار پھینکا اور معاشرتی، تمدنی، اور اجتماعی غرض زندگی کے تمام مسائل میں آزادانہ طور پر غور و خوض کرنے لگے اور ان تمام مسائل و مشکلات کا حل مادی نقطہ نظر سے نکالا جانے لگا۔ یہ ہے ان فلسفوں اور ازموں کے نشو و نما اور عروج پانے کا صحیح پس منظر۔

[اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں: ص ۳۳۲ تا ۳۴۰]

تہذیب جدید کی ناکامی اور اُس کا علاج

لیکن سوال یہ ہے کہ ان فلسفوں اور ازموں نے دنیائے انسانیت کو کیا دیا؟ اور کون سے تمدنی و اجتماعی مسائل حل کر دیئے؟ ہاں اگر کچھ دیا ہے تو مایوسی، بے چینی، خود غرضی، عیاشی، رقابت اور بے مقصدیت دی ہے۔ اور قسم ہا قسم کے معاشرتی، قومی، لسانی، صوبائی اور بین الاقوامی جھگڑے، فسادات پیدا کیے ہیں جن کے بوجھ سے انسانیت کراہ رہی ہے۔

کوئی بھی فلسفہ اور نظام کائنات کے معموں کو کھول نہیں سکا اور خدا اور بندے کے درمیان حقیقی تعلقات کی گتھیوں کو سلجھا نہیں سکا۔ جس طرح کہ خود سائنسی علوم انسان اور کائنات کے درمیان کوئی صحیح رشتہ دریافت قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

یہ مختلف فلسفے کیا ہیں؟ ایک دوسرے کی تردید کرنے والے، تعارض و تضاد کا مجموعہ اور متصادم نظریات کا معجون مرکب ہیں۔ زندگی کے اصل مسائل کو کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اور انسانیت کے دکھوں کا مداوا تلاش نہیں کیا۔ بلکہ سب کے سب لاطائل مسائل و مفروضات، لہو و لعب اور کھیل تماشوں میں الجھے ہوئے کام و دہن اور بطن و فرج ہی کو منتہائے مقصود و تصور کیے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر الکسس کیرل تہذیب جدید کی ناکامی اور موجودہ معاشرے سے اس کی عدم مطابقت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے:

> ''جدید تمدن اس لئے بہت مشکل ہو گیا ہے کہ وہ ہمارے مزاج کے موافق نہیں ہے۔ اور ہماری حقیقی فطرت کا لحاظ کیے بغیر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہ تمدن سائنس دانوں کے خیالی منصوبوں اور لوگوں کی دلی خواہشوں، موہوم خیالوں، نظریوں اور آرزوؤں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اگر چہ یہ تمدن ہماری کوششوں سے بنا ہے تاہم وہ ہماری وضع قطع اور شکل و صورت کے مطابق نہیں ہے۔''

تہذیب جدید کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب اس کے مذکورہ بالا غلط اور متضاد فلسفے ہیں۔ جن کو ہٹائے بغیر معاشرے کا سدھار نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کام ہو تو کیونکر؟ یہ ایک

بہت اہم سوال ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ کام اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک کہ جدید علوم و فنون کو مادہ پرستوں اور دہریوں کے قبضے سے نکال نہ لیا جائے۔ بالفاظ دیگر ان غلط فلسفوں اور گمراہ کن ازموں کا صحیح مقابلہ اور استیصال کرنے اور صحیح نتائج پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے علوم سائنس اور علوم جدیدہ کو ''مسلمان'' بنایا جائے اور ان کی تشریح و توجیہہ خدا پرستانہ نقطہ نظر سے اس طرح کی جائے کہ انسان اور کائنات کے تعلق سے تمام طبعی (نیچرل) اور مابعد الطبیعی (سوپر نیچرل) مسائل حل ہو جائیں اور اس سے موجودہ عقلی و استدلالی ذہن مطمئن ہو جائے۔ اس عظیم اور تجدیدی حل کے ذریعہ مادیت کے تمام قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ مگر یہ کام اس وقت تک انجام نہیں پا سکتا جب تک کہ ان غیر جانب دار علوم کو غیروں کے تسلط اور چنگل سے چھڑا کر انہیں اپنی تولیت میں نہ لے لیا جائے۔ اور ہم ان علوم کو اس وقت تک اپنی تولیت میں نہیں لے سکتے جب تک کہ ہم ان پر پوری طرح قابض نہ ہو جائیں۔ بالفاظ دیگر جب تک ہم ان علوم کے صحیح معنی میں وارث بن کر پھر سے علمی سیادت اور درجہ امامت حاصل نہ کر لیں ہم علمی اعتبار سے کوئی ٹھوس اور پائیدار مرتبہ اقوامِ عالم کے درمیان حاصل نہیں کر سکتے۔ اور بغیر اس عمل کے کوئی ہمہ گیر فکری انقلاب لانا ممکن نہیں ہے۔ یہی خلافتِ ارض کا بنیادی فلسفہ اور اس کا پیغام ہے کہ جب تک اس کے روحانی اور مادی دونوں حصوں کو اکٹھا نہیں کیا جاتا اس راہ میں ٹھوس اور مثبت کامیابی ممکن نہیں ہو سکتی۔

درحقیقت یہ ملحدانہ فلسفے اور نظامات اس لئے پیدا ہوئے کہ معاشرے میں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ان کو مظاہرِ فطرت اور ان کے نظاموں کی من مانی تاویلات کرنے کا موقع مل گیا۔ اور بالآخر تہذیب کے نام پر بدتہذیبی کے وہ وہ گل کھلے جن کے خوفناک نتائج سے آج ہم سب دوچار ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے غلط رجحانات کو روکنے اور فکرِ انسانی کو صحیح رخ پر لانے کے لئے ایک بہت زیادہ موثر اور طاقتور عامل کی ضرورت ہے۔ اور یہ طاقتور عامل سوائے دین و مذہب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور آج روئے زمین پر سوائے اسلام کے کسی بھی مذہب میں اتنی استعداد اور دم خم ہی نہیں ہے کہ دین اور فطرت کے صحیح حدود قائم کر کے

معاشرے کو مختلف میدانوں میں ترقی کی راہ پر ڈالے اور اس کے ذہن و دماغ کو قابو میں رکھے۔ صرف قرآن عظیم ہی کی ایک زبردست خصوصیت ہے کہ وہ آج بھی یہ رہبرانہ کردار پوری کامیابی کے ساتھ اور احسن طریقے پر ادا کر کے نہ صرف پوری ملت اسلامیہ بلکہ سارے عالم انسانی کو قابو میں رکھنے کی زبردست صلاحیت رکھتا ہے۔

(اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں: ص ۳۴۰ تا ۳۴۳)

جدید مادہ پرست تہذیب کی کچھ نمایاں ''خصوصیات''

مادہ پرست تہذیب جو اس وقت عالمگیر صورت اختیار کر چکی ہے (جو اسلامی تہذیب کے اثرات کو بھی مضمحل کر چکی ہے)۔ اس کی کچھ ''خصوصیات'' یہ ہیں۔

(۱) مادی دنیا کے پرستش کے مزاج کا غالب ہونا

(۲) ماڈرن ازم اور سیکولرزم کو اپنی زندگی کا ہدف بنانا

(۳) عورت کی آزادی، بلکہ جنسی آزادی کو زندگی کے لوازمات میں شمار کرنا۔

(۴) آخرت کی زندگی کے ہونے یا نہ ہونے کے عقیدہ سے فرق کا واقع نہ ہونا۔

(۵) زندگی کو آخری حد تک مادّی لذتوں سے ہمکنار کرنے کے لئے کوشاں ہونا

(۶) انفرادی و اجتماعی زندگی کے مسائل کے حل کے لئے خدا، مذہب اور وحی کے بجائے عقل ہی کو حرفِ آخر سمجھنا اور نفس کے یرغمال شدہ عقل ہی کو رہنمائی کے لئے سب کچھ سمجھنا

(۷) خونی رشتوں کے تقدس کے خاتمہ ہونا

(۸) ذہنی، قلبی اور روحانی سکون کا غارت ہونا

(۹) انسان کے جانور ہونے کے ترقی یافتہ صورت کا عقیدہ کا ہونا

(۱۰) غیبی حقائق پر سائنسی کھوجنا دتلاش وانکشافات کو ترجیح دینا

(۱۱) سیاست، معیشت و معاشرت کو پاکیزہ اقدار اور مذہب کی رہنمائی سے مکمل طور پر خارج کرنا

(۱۲) انسانی شخصیت، اس کی فطرت اور اس کے روحانی تقاضوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے

انسان کو نفسیاتی و ذہنی مریض بنانے کی روش کا غالب ہونا

(۱۳) خالقِ کائنات سے انکار کی روش کی وجہ سے ساری کائنات اور اشیائے کائنات سے متصادم ہونا۔

(۱۴) زندگی کے ہر معاملہ میں فطرت سے متصادم منفی سوچ کا غالب ہونا (۱۵) اپنے ذاتی مفاد اور راحت کے ذاتی سامان کو ترجیح دینا۔

(۱۶) دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے کی روش کا غالب ہونا۔

(۱۷) سرمایہ دارانہ طرزِ معیشت کی وجہ سے انسانیت کو پامال کرتے ہوئے بھی ارب پتی اور کھرب پتی بننے کی راہ پر گامزن ہونا۔

(۱۸) انسان کے اسفل اور حقیر حیوانی جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے عورت کی عریانی کو بہت بڑی انڈسٹری کی صورت دینا۔

(۱۹) مذہب نے ہزاروں سالوں سے سلیقہ انسانیت اور آدابِ انسانیت کے جو اصول و تعلیمات دی تھیں، ان کو مٹانے کے لئے تعلیم و تربیت اور میڈیا وغیرہ کو پوری منصوبہ بندی کے ساتھ استعمال کرنا۔

(۲۰) دنیا سے مادہ پرست اور بے خدا تہذیب کے علاوہ دوسری ساری تہذیبوں کو اپنے لئے چیلنج سمجھ کر انہیں مٹانے کو ناگزیر سمجھنا۔

(۲۱) پوری دنیا اور ساری انسانیت پر اپنی تہذیب کی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے سودی قرضہ جات، عسکری طاقت اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنا۔

(۲۲) قدرت کی بہتر ماحولیاتی فضا کو تبدیل کر کے، فضا کو مسموم بنا کر انسانیت کے لئے سنگین موسمی اور فضائی مسائل پیدا کرنا۔

(۲۳) انسانیت کے حوالے سے سنگ دلی و قساوت قلبی کا ہونا۔

(۲۴) اپنی تہذیب کو لاحق خطرات کے نام پر دنیا کے جس ملک میں چاہا، اس ملک پر جنگ مسلط کر کے انسانوں کی بے تحاشہ قتل و غارت گری کی روش کا ہونا۔

(۲۵) غریب ممالک کو سودی قرضے کے ذریعہ معاشی طور پر پسماندہ سے پسماندہ کرنے

کی سازشوں کا ہونا۔

(۲۶) مسلمان ممالک کے ذہین وفطین وباصلاحیت افراد کو خرید کر کے، انہیں اسلامی تہذہب کے مظاہر کو ختم کرنے اور تہذیب جدید کو غالب کرنے کے مقصد کے لئے استعمال کرنا، اس طرح مسلمان معاشروں کے تہذیبی تسلسل کے خاتمہ کی کاوشوں کا ہونا۔

(۲۷) مسلمان دنیا میں ایسے حکمرانوں اور افسروں کو آگے لانا، جو مادہ تہذیب پر فریفتہ ہوں، پھر ان کے ذریعہ سے مسلم معاشروں کو بے خدا تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی کوششوں کا ہونا۔

(۲۸) تصوف کی ایسی درسگاہوں کی مالی معاونت کرنا، جو ڈھول ڈھماکے اور بعض مظاہر ومراسیم ہی کو تصوف سمجھتے ہیں، جو حمیت دین پیدا کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

(۲۹) مسلمان ممالک میں اسلامی تحریکوں کو کچلنے کے لئے سازشوں کا ہونا یا انہیں درونِ خانہ مال کے ذریعہ خرید کر انہیں سیاست برائے سیاست یا جمہوریت برائے جمہوریت کی راہ پر لگانا۔

(۳۰) دینی مدارس جو دین ومذہب کے تحفظ کے لئے افرادکار پیدا کرتے ہیں، ان سے خطرہ محسوس کرنا اور ان درسگاہوں میں مادہ پرست جدید تعلیم کو ضروری قرار دینے کے لئے حکمرانوں پر دباؤ ڈالتے رہنا۔

(۳۱) باطنی صفائی کے تصور کا ناپید ہونا، ساتھ ساتھ جسمانی صفائی کے کام کو بھی غیر اہم سمجھنا۔

(۳۲) عقل کو عقلِ کل سمجھنا جب کہ فطرت سلیمہ اور دل اور عقل جو معلومات کے اہم ذرائع ہیں، ان کا انکار کرنا۔

(۳۳) انسان کے مزاج اور ذہن کو تبدیل کر کے عادتوں کو اس طرح منفی رخ پر ڈالنا کہ ان عادتوں کی صحتمند رخ پر واپسی کے راستے مسدود ہو جائیں۔

(۳۴) دنیا کے ہر ملک میں خیر کو مٹنے اور شر کو فروغ دینے کے لئے پوری منصوبہ بندی سے کام کرنا اور اس کے لئے وسائل اور طاقت کا استعمال کرنا۔

(۳۵) توہینِ رسالت کے جرم کے مرتکبین کی سرپرستی کرنا اور مسلمان حکمرانوں کو مجبور کرنا کہ توہینِ رسالت کی تعزیر کے قانون کی شق کو ختم کریں، اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کے عشقِ رسول کے تعلق کو سرد کریں، تاکہ ماڈرن ازم کو فروغ حاصل ہو۔

(۳۶) اسلامی تہذیب (جو انسانیت کے لئے رحمت کا باعث ہے) اسکے مٹنے کے کام کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کرنا، تاکہ مسلمان ممالک میں مادہ پرست تہذیب کے پوری طرح فاتحانہ طور پر داخلہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس طرح مسلمانوں کو ذہنی اور تہذیبی غلام بنانے کے ساتھ ساتھ ان کے وسائل پر قبضہ کیا جا سکے۔

(۳۷) عزت کے معیار کا شرافت، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاقی اقدار سے بہرہ وری کی بجائے دولت اور دولتمندی کا قرار پانا۔

(۳۸) انسان کی ساری سرگرمیوں کا دولت کے حصول کی جدوجہد کے مرکزی نکتہ کے تحت مرتکز ہو جانا۔

(۳۹) ذہنی توجہ کا یکسوئی سے محروم ہو جانا اور حقیر اور خصیص چیزوں کا توجہ کا احاطہ کرنا، اس طرح فکری انتشار سے بھر جانا۔

(۴۰) ہر وقت نفس پرستی کی قوتوں مثلاً! جذبات، انانیت اور حاسدانہ جذبات کا مشتعل اور بے قابو ہو جانا۔

(۴۱) رحم دلی اور ایک دسرے کے کام آنے کے احساسات کا رخصت ہونا۔

(۴۲) پاکیزہ اور انسانی جوہروں سے بہرہ ور خیالات و احساسات کا معدوم ہو جانا۔

(۴۳) انتقامی جذبات، ردعمل کی نفسیات اور احساس برتری یا احساس کمتری کا عام ہو جانا۔

(۴۴) ضمیر جسے نفس لوامہ بھی کہتے ہیں، اس سے کام لینے کی صلاحیت کا معدوم ہو جانا۔

(۴۵) علوم کو فنون، زبانوں کی تحیل، الفاظ کی جادوگری اور سائنس تک محدود رکھنا۔

(۴۶) دینی حقائق و معارف کے علوم جسے قرآن نے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا کہا ہے اس سے شعوری یا غیر شعوری طور پر صرفِ نظر کرنا۔

(۴۷) علوم سے اللہ کے نام کو نکال دینے کی وجہ سے مادہ پرستی کی بے رحم طوفانی لہروں کی

نذر ہونا۔

(۴۸) پبلسٹی، پروپیگنڈہ اور ذہن سازی کے سارے ذرائع کو سرمایہ دار کے مال کی کھپت، اس کی فروخت اور اس کے استعمال کا ذریعہ بنانا وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں مادہ پرستانہ تہذیب کی وہ خصوصیات، جس نے اللہ کی زمین پر ایک نئے مادہ پرست انسان کو جنم دیا ہے۔ جو اپنے خالق کی معرفت سے محرومی کی وجہ سے در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ جس کی رُوح مردنی کی حالت سے دوچار ہے۔ جو اللہ کی زمین پر اللہ کے بندے کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے سلیقہ سے آخری حد تک محروم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب مادی تہذیب ارتقاء کے مراحل طے کر کے عروج پر پہنچتی ہے، نیز اسے سائنسی ٹیکنالوجی ترقی، عسکری طاقت اور بے پناہ دولت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے مذکورہ نتائج ہی ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اس طرح کی مادی تہذیب دراصل کائنات کی اصل خالق ہستی کو چیلنج دے رہی ہوتی ہے۔

قدرت اس تہذیب کے علمبرداروں کو خود اپنی تہذیب کے ہاتھوں وہ سزا دیتی ہے کہ ان کی زندگی جہنم کا منظر بن جاتی ہے، جرائم سے عبارت ہو جاتی ہے اور دوسروں کے لئے عبرت بھی۔

اگر جدید مادی تہذیب کی کھوکھ سے دجال کا ظاہر ہونا مقصود ہے تو پھر تو یہ انسانیت کے لئے بہت بڑی ابتلاء ہے۔ ان حالات میں ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ اپنے ایمان کی فکر کرے اور اپنے ایمان کے تحفظ کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دے۔

[مادیت وروحانیت کی کشمکش: ص ۶۵ تا ۹۲]

یورپ کا ظاہر اچھا اور باطن خراب
بنیادی حقیقتوں میں مفلس

مغرب کی طرزِ زندگی پر فریفتہ میرے دوستو آپ مغربی تعلیم وتہذیب سے کیوں مرعوب ہوئے؟ آپ نے ان کی طرزِ زندگی اور ان کے افکار اور خیالات کو کیوں اچھا سمجھا؟ اس لئے کہ وہ بظاہر مہذب ہیں، خوش اخلاق ہیں، ایماندار ہیں، ہمدرد ہیں، اچھے پڑوسی ہیں، اچھے شہری ہیں، دھوکہ نہیں دیتے، اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں، ان کے آفیسر رعایا کو پریشان نہیں کرتے، رشوت نہیں لیتے، انکے تجارت پیشہ لوگ بے ایمانی نہیں کرتے، ملاوٹ نہیں کرتے، بے روزگاروں کو وظیفے دیے جاتے ہیں، لوگوں کو انصاف کے لئے دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف دیکھ کر آپ کو اپنے مذہب کی طرف سے بد ظنی پیدا ہوگئی اور اس کے احکامات کا مذاق اڑانے میں اکثر آپ عیسائیوں سے بھی دو قدم آگے نکل جاتے ہیں۔

تو میرے دوستو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اوصاف جو آپ نے یورپین اقوام میں گنوائے ہیں یہ تو آپ ہی کے مذہب کی تعلیم اور تہذیب ہے۔ پورا قرآن اور احادیث ان ہی اوصاف کی تعلیم اور تبلیغ سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ اوصاف اگر آپ کو اپنے ہم مذہبوں میں نہیں ملتے تو اس میں مذہب کا کیا قصور ہے۔ مذہب کس طرح بدظنی اور تمسخر کے لائق ہوگیا؟ اس کے برعکس آپ کو تو اپنے مذہب کا شیدائی ہونا چاہیئے کہ یورپ کی جاہل اور پس ماندہ قوم ہمارے مذہب کی تعلیمات اپنا کر سارے عالم پر چھا گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو اوصاف یورپین قوم کے آپ نے گنائے وہ واقعی قابلِ تعریف ہیں مگر یہ ان کا ایک رخ ہے یعنی ظاہری رخ۔ دوسرا رخ جس کا تعلق انسان کی بنیادی حقیقتوں سے ہے یعنی انسانی کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ دنیا میں امن وسکون کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ محبت بھائی چارہ کتنا عام ہوا؟ ہر ایک کی عزتِ نفس کس طرح محفوظ ہو؟ انسان کی شہوت اور درندگی کتنی کم ہوئی؟ دوسرے کے گھروں کو لوٹ کر اپنا گھر بھرنا، دوسروں کی جیب کاٹ کر اپنی جیب بھرنا، دوسروں کو ذلیل اور غلام بنا کر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑنا، اس میں کتنی کمی آئی؟ ماں کی خدمت اور باپ کی عزت میں کتنا اضافہ ہوا؟ کمزور ملکوں اور قوموں کو عزت اور وقار سے رہنے کی کتنی ضمانتیں ملیں؟ ظلم، استبداد قتل وغارت گری، فحاشی وعریانی، شراب، زنا، جوا، اسمگلنگ، اغواء، تاوان، ان خبیث جرائم میں کتنی کمی آئی؟

میرے دوستو! اس رخ سے اگر آپ یورپین اقوام کا چہرہ دیکھیں گے تو وہ انتہائی سیاہ مکروہ، گندہ، اور وحشت ناک نظر آئے گا۔ امریکہ جو اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب ملک کہلاتا ہے فحاشی، عریانی اور جرائم کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ آپ کہتے ہیں وہاں عورت کو بڑی عزت دی جاتی ہے، ہر معاملہ میں پہلے عورت Ladeis first کا اصول ہے لیکن وہاں اندرونِ خانہ عورت کی کیا درگت بنائی جاتی ہے؟ اور کتنا اس کا استحصال کیا جاتا ہے؟ اور یا مقبول جان صحافی نے جنگ اخبار میں ایک مضمون اس موضوع پر لکھا تھا اس کا ایک اقتباس ذرا ملاحظہ فرمائیے۔

''میں جب بھی کبھی مغرب کے اخبار میں یا کسی نسوانی تحریکِ آزادی کی میٹنگ یا روشن خیال دانشوروں کی محفل میں یہ گفتگو سنتا ہوں کہ اسلام کا قانون انسانی ترقی کا دشمن ہے، اسلام عورت کو محکوم اور چار دیواری میں بند رکھتا ہے تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ یہ بحث کرنے والے بے سروپا باتیں کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ عورت اگر چار دیواری میں بیٹھ کر یہ فیصلہ کرے کہ وہ صرف اپنے گھر کی زینت بنے گی اور صرف اسی کے لئے بناؤ سنگھار کرے گی جو اس کی زندگی کا ساتھی ہوگا تو اس سے نقصان کس کا ہوگا؟ کون ہے جس کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ

جائے گا صرف چند لمحوں کے لئے میں آپ کو عورت سے متعلق مغرب کے غلیظ کاروبار کے صرف ایک چھوٹے سے حصہ کے اعداد و شمار بتاتا ہوں۔ یہ کاروبار ہے عریانی اور فحاشی کا۔ اس وقت پوری دنیا میں فحاشی کے کاروبار سے ۵۷ ارب ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے جس میں سے ۱۲ ارب ڈالر کا کاروبار صرف امریکہ میں ہوتا ہے۔ سالانہ ۲۰ ارب ڈالر کی فحش ویڈیو فلمیں فروخت ہوتی ہیں۔ پورے یورپ میں سینکڑوں ایسی ٹیلفونی سروسز ہیں جہاں آپ عورتوں سے فحش گفتگو کر سکتے ہیں۔ ان سے سالانہ ۱۵ ارب ڈالر کمائے جاتے ہیں۔ ۱۷ ارب ڈالر فحش رسائل اور میگزین فروخت کر کے کمائے جاتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر فحش ویب سائٹس سے اڑھائی ارب ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔ جبکہ ڈیڑھ ارب کی فحش سیڈیز بازار میں فروخت کی جاتی ہیں۔ ان سب سے زیادہ مکروہ وہ فحش تصویریں ہیں جو ۱۳ سال سے کم عمر بچیوں کی بنا کر پوری دنیا میں پھیلائی جارہی ہیں، جس سے سالانہ ۱۳ ارب ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس وقت انٹرنیٹ پر بچیوں کی فحش تصویروں کی ایک لاکھ کے قریب ویب سائٹس ہیں اور صرف امریکہ کی تین لاکھ ۲۵ ہزار بچیاں ہیں جو ان تصویروں کے لئے اپنے جسم کی نمائش کرتی ہیں۔

اس وقت انٹرنیٹ پر ۴۲ لاکھ ویب سائٹس ایسی ہیں جو عریاں اور فحش مواد پیش کرتی ہیں۔ تین کروڑ ۷۲ لاکھ سے زیادہ فحش تصویروں کے اصل ویب پیج موجود ہیں۔ سالانہ ڈھائی ارب ای میل میں عریاں تصویروں کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ میں نے عورت کی آزادی اور اس کو بازار کی زینت بنانے کے سب سے کریہہ اور غلیظ رخ کا ذکر کیا ہے۔ میں نے ہزاروں کی تعداد میں فیشن کی مصنوعات بنانے والی فرموں کی حسین اور جوان ماڈل گرلز کا تذکرہ نہیں کیا جن کی خوبصورت اداؤں اور جسم کی نمائش نیلام کر کے اربوں ڈالر کمائے جاتے ہیں۔ میں نے تفریح اور آرٹ کے نام سے بنائے گئے گندے کلبوں تماشے گاہوں، تھیٹروں اور سینما گھروں کا ذکر نہیں کیا جہاں عورت کے پاؤں کے ناخن سے

لے کر سر کے بالوں تک ہر حصہ کو نمائش کے طور پر دِکھا کے دولت کمائی جاتی ہے۔ اس ساری انڈسٹری کا جائزہ لیجئے جو عورت کے جسم اور وجود کے بے رحمانہ استعمال کے گرد گھومتی ہے۔ کھربوں روپے کی ریل پیل کا تصور کیجئے۔ پھر سوچئے کہ اگر اسلام یہ کہے کہ عورتو! تم اپنے بدن اور اپنی زیب و زینت کو ڈھانپ کر رکھو اور اپنے گھروں میں جمی رہو تو اس انڈسٹری کے مالکان جو عورت کی نمائش سے اربوں ڈالر کما رہے ہیں کی کیا حالت ہوگی؟ کیا ان کی نیندیں نہ حرام ہو جائیں گی؟ کیا ان کا کاروبار ٹھپ نہ ہو جائے گا؟ ظاہر ہے۔ پھر تو وہی یہی نعرہ لگائیں گے کہ اسلام عورت کو قید میں رکھتا ہے۔ وہ آزادیِ نسواں کا مخالف ہے، انسانی ترقی کا دشمن ہے، اور خود مردوں کے برابر حقوق مانگنے والی مغربی عورت کے عورت پن پر کیا ظلم ہوا؟ اس کی نسوانیت کے بے حیائی کے وائرس نے کس طرح مفلوج کیا؟ جوش کی زبانی سنیئے:

اپنے سینے کا خزانہ اپنی فطرت کا جمال
مرد بننے کی ہوس میں کر دیا ہے پائمال
یوں ہو آمادہ فطرت سے بغاوت پر شباب
پڑ گئے رخسار پھیکے جل گئی چہرے کی آب
زلف چھوٹی ہوگئی اور دست و پا کھنچ کر طویل
بجھ گئی برنائی بوڑھا ہوگیا روئے جمیل
جنت ارضی کو دوزخ کا نمونہ کر دیا
چشمک بے باک نے آنکھوں کو سونا کر دیا
جام زریں کی کھنک گم ہوگئی گفتار سے
ابر کی سی شوخیاں جاتی رہیں رفتار سے
ہو گیا سنگ خرد سے شیشہ بھولے پن کا چور
مر گیا دیدوں اک پانی اڑ گیا چہرے کا نور

نام تو ہے پھول لیکن رنگ و بو کچھ بھی نہیں
ناز کی عزت محبت آبرو کچھ بھی نہیں

میرے مغربی طرزِ زندگی پر فریفتہ دوستو! آپ نے دیکھا کہ مغرب میں عورت کو مساوی حقوق اور عزت دینے کا دوسرا رخ کتنا بھیانک، غلیظ اور ظالمانہ ہے۔ اسی طرح آپ ان کی تعریف کرتے ہیں کہ وہاں اگر کتا بھی زخمی ہو جائے تو اس کی اتنی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں بیمار انسان کی بھی نہیں ہوتی۔ بے شک یہ بڑی قابلِ تعریف بات ہے لیکن اس کا بھی ذرا دوسرا رُخ دیکھیے۔

[مغرب زدہ مسلمانوں کے نام: ص ۹۳ تا ۹۸]

لادین سیاست کا نتیجہ.....دو عالمگیر لڑائیاں

سیاسی نظریات کے سلسلے میں جن چار یعنی ملکویت، پاپائیت، جمہوریت اور اشتراکیت واشتمالیت کا ذکر مذکورہ بابوں میں کیا گیا ہے [اسلامی سیاست ص ۸۹ تا ۹۲ پر ملاحظہ فرمائیں]۔ یہ سب کے سب اصل میں ایک ہی نظریے کی ذیلی قسمیں ہیں اور وہ نظریہ ہے مادہ پرستی، اتباعِ ہویٰ اور لادین سیاست یعنی سیکولرازم۔ جس کا لازمی نتیجہ حرص، حسد، جوع البطن، اقتصادی اور تجارتی رقابتیں، قوم پرستی، وطن پرستی، اور خواہشات وشہوات کی نہ بجھنے والی آگ کی شکل میں رونما ہوتا ہے اور امنِ عالم کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ لادین سیاست اور مادیت پر مبنی تہذیب کا یہ نتیجہ دنیا نے دو عالمگیر جنگوں اور اس کی تباہ کاریوں کی صورت میں دیکھ لیا ہے۔ اور اب یہ روحانی اقدار سے باغی حیوانی سیاست تیسری عالمگیر جنگ کی تیاریاں کر رہی ہے۔

''لوئیس سنائیڈر'' نے اپنی کتاب ''جنگِ عظیم ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء'' میں ہونے والی تباہی کے عرق ریزی اور پوری تحقیق کے ساتھ اعداد و شمار جمع کیے ہیں۔

پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی تھی اور ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو ختم ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ہونے والے جانی اور مالی نقصانات کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

جنگ میں دھکیلے گئے کل افراد..... ۶ کروڑ، ۵۰ لاکھ

باقاعدہ فوجی مقتولین..... ایک کروڑ

عام شہری مقتولین..... ایک کروڑ ۳۰ لاکھ

لاپتہ فوجی جو مقتول سمجھے گئے..... ۳۰ لاکھ

زخمی فوجی..... ۲ کروڑ

پناہ گزین ..... ایک کروڑ

قیدی ..... ۳۰ لاکھ

یتیم ہونے والے بچے ..... ۹۰ لاکھ

بیوہ ہونے والی عورتیں ..... ۵۰ لاکھ

مالی نقصانات و اخراجات ..... ۳ کھرب ۱۳۱ ارب ۶۰ کروڑ ڈالر

یہ تھی ۴ سال ۳ مہینے یعنی ایک ہزار ۵۶۵ دن تک جاری رہنے والی مادہ پرست قوموں کی خونریز لڑائیوں کی تباہی و بربادی۔ اب دوسری عالمگیر جنگ کے اعداد و شمار ملاحظہ کیجئے جو یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو طلوع سحر کے وقت شروع ہوئی تھی اور ۸ مئی ۱۹۴۵ء کو ختم ہوئی تھی۔ ۲ ہزار ۱۹۱ دنوں پر محیط اس جنگ کے نقصانات کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

جنگ میں دھکیلے گئے کل افراد ..... ۷ کروڑ

فوجی مقتولین کی تعداد ..... ایک کروڑ ۷۰ لاکھ

عام شہری مقتولین کی تعداد ..... ایک کروڑ ۸۰ لاکھ

براہِ راست مصارفِ جنگ ..... کروڑوں کھرب ڈالر

۶ اگست ۱۹۴۵ء کو امریکہ نے جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایٹم بم پھینکا۔ اس وقت اس شہر کی آبادی ۳۰ لاکھ ۳۵ ہزار تھی۔

۹ اگست کو امریکہ نے جاپان کے دوسرے شہر ناگاساکی پر دوسرا ایٹم بم پھینکا۔ اس وقت اس شہر کی آبادی بھی لاکھوں میں تھی۔ ۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۵ء کی امریکی خانہ جنگی میں ایک کروڑ افراد قتل ہوئے تھے۔

ویت نام کی ۳۰ سال جنگ جو ۳۰ اپریل ۱۹۷۵ء کو قومی محاذِ آزادی کی فتح پر ختم ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ۱۰ لاکھ افراد مارے گئے جن میں ۵۶ ہزار امریکی تھے۔ امریکہ کو ایک کھرب ۵۰ ارب ڈالر کا خرچہ برداشت کرنا پڑا (یعنی تقریباً ۱۵ کھرب پاکستانی روپے)

روس اور چین کے کمیونسٹ انقلاب کے وقت اور اس کے بعد لاکھوں لوگوں کا جو قتلِ عام ہوا تھا اس کے اعداد و شمار تو متعدد کتابوں اور رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

مغربی جمہوریت اور اشتراکیت کے یہ وہ ثمرات خبیثہ ہیں جو دنیا نے دیکھ لیے۔

مادیت کے ان نظاموں نے صرف دو عالمگیر جنگوں ہی میں تقریباً سات کروڑ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لادین اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کا علمبردار امریکہ اور اشتراکیت کا علمبردار روس دونوں آج پھر تیسری عالمگیر جنگ برپا کرنے اور پھر کروڑوں انسانوں کا قتلِ عام کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ دنیا میں آج جہاں بھی لڑائی ہو رہی ہے یا ہونے کا خطرہ ہے اس کے پسِ پشت انہی دونوں کا ہاتھ ہے۔ روس افغانستان کے مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہا ہے اور امریکہ فلسطین میں عربوں کا قتل عام کروا رہا ہے اور ایران عراق جنگ کے پیچھے بھی ان دونوں کا ہاتھ ہے۔ اس کا علاج یہی کہ لادین سیاست کو چھوڑ کر اس دینی سیاست کو اختیار کیا جائے جس کی بنیاد وحی خداوندی پر ہے۔

سیاسة الوحی هی السیاسه.....این عقولکم اولی الریاسه

''وحی پر مبنی سیاست ہی حقیقی سیاست ہے، اے حکمرانو! تمہاری عقل کہاں ماری گئی ہے؟''

وحی پر مبنی اسی سیاست کو ''خلافت'' کہتے ہیں۔

[اسلامی سیاست: ص ۷۵ تا ۹۴]

اختلاف سے پہلے تحقیق ضروری ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ (الحجرات:٦)

اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم کسی گروہ کو ناواقفیت میں نقصان پہنچا دو، پھر تم کو اپنی حرکت پر پچھتانا پڑے۔

ہمارے اس دور میں (جب کہ ہم قرآنی تعلیمات کو چھوڑ کر اپنی بے تحقیق رائے پر ڈٹے رہتے ہیں) اکثر اختلاف اور جھگڑے رونما ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "کفیٰ بالمراء کذبا ان یحدث بماسمع" یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کریں۔ اس قسم کے واقعات سے اسلام اور مسلمانوں کو جو عملی نقصان پہنچا اس کی تلافی اب ممکن نہیں تاہم یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنی رحمت خاص سے قرآن کو محفوظ کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان جھگڑوں اور ان کے پیدا کردہ فتنوں میں دین حق گم ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کے بندے قیامت تک کے لیے بے آمیز سچائی کو جاننے سے محروم ہو جاتے۔

تاریخ کی تمام کامیابیاں باہمی اتفاق کا نتیجہ ہیں اور تاریخ کی تمام ناکامیاں باہمی اختلاف کا نتیجہ ہیں۔ اتحاد کی واحد صورت یہ ہے کہ اختلاف کو برداشت کیا جائے کیونکہ اختلاف سے خالی انسانی معاشرے اس زمین پر ممکن نہیں۔ وہی لوگ کوئی بڑا کام کر سکتے ہیں جو ذاتی اعتبارات پر قومی اور ملی اعتبارات کو ترجیح دے سکیں اور وقتی طور پر جذباتی رائے سے اُٹھ کر سوچ سکے اور اپنے آپ کو اتنا اوپر اٹھا چکے ہوں کہ اختلافی باتوں کو نظر انداز کر کے عملی اتحاد پر

قائم رہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ بغیر تحقیق کے باتوں پر یقین کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور غلط فہمی کسی آدمی کو بڑی بڑی کوتاہیوں میں مبتلا کر سکتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شدید غلط فہمی میں پڑ کر دوسرے شخص کی جان مار ڈالے حالانکہ یہ دوسرا شخص بالکل بے صور ہو۔ وہ ایک آدمی کو بے عزت کرنے پر تل جائے حالانکہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ ایسا آدمی ہو کہ اس کے ساتھ نہایت عزت واحترام کا سلوک کیا جائے۔ اس لیے شریعت میں یہ حکم ہے کہ رائے قائم کرنے یا کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے اس کے معاملہ کی پوری تحقیق کرو ایسا ہرگز مت کرو کہ کسی کے خلاف ایک خبر سنو اور فوراً اس کو مان لو اور اس کے خلاف ایک بڑا اقدام کر بیٹھو۔ ممکن ہے کہ تحقیق کے بعد تم کو معلوم ہو کہ جو خبر تم کو پہنچی تھی وہ خبر سراسر غلط اور بے بنیاد تھی۔ مذکورہ بالا قرآنی ہدایت یہی ہے کہ غلط خبر سن کر اس کے انجام سے بچنے کی تدابیر نہایت آسان ہے وہ یہ کہ کسی بات کو سننے کے بعد اس وقت تک اسے نہ مانا جائے جب تک براہ راست ذرائع سے اس کی تحقیق نہ کی جائے۔

(اجتماعیت اور فرقہ واریت، ص ۱۷۶-۱۷۷)

لادینیت کا فکری نظام

خدا اور آخرت کا انکار

اللہ، انسان اور آخرت، انسانی زندگی کی اہم حقیقتیں ہیں۔ فکرِ انسانی کی یہ تین اکائیاں ہیں۔ ان کے متعلق رائے قائم کیے بغیر انسان کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ خواہ یہ خیال آرائی بچگانہ ہو، دیو مالا کے افسانے ہوں، فلسفیانہ افکار ہوں، مثبت ہوں یا منفی ہوں۔ یہی خیال آرائی یا افکار کا مجموعہ کسی قوم کا نظامِ تصورات Idealogy کہلاتا ہے۔

کسی قوم کے نظامِ حیات کی تعمیر اس کے نظامِ تصورات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ مغرب میں نظامِ حیات کی عمارت مغربی تصورات اور افکار کی بنیاد پر استوار ہوئی ہے۔ ان افکار و خیالات کی اہمیت انسانی زندگی میں بہت زیادہ ہے۔ اہل مغرب نے لادینی تحریک کے زیر اثر خدا اور آخرت کا انکار کر ڈالا، اس نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بری طرح مجروح کر دیا ہے۔ انفرادی کردار اور باہمی روابط دونوں عدمِ استحکام اور عدمِ توازن کا شکار ہو گئے۔ اس کے بعد اخلاقی زندگی کے لئے کوئی بساط باقی نہیں رہی۔ عالمِ غیب اور غیر حسی حقیقتوں کا انکار کر دینے کے بعد اغراض و خواہشات، نمود و نمائش ان کے فکر و خیال کا محور بن گئے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ خدا اور آخرت ایسی حقیقتیں ہیں جن کا تعلق مادّی دنیا سے نہیں ہے بلکہ عالمِ ماورائے طبیعیات سے ہے۔ تعقل و ادراک کی جو قوتیں انسان کو ودیعت کی گئی ہیں وہ سب مادی الاصل ہیں۔ عالمِ غیب یا ماورائے طبیعیات عقلِ انسانی کی جولان گاہ نہیں ہے۔ ایک سائنس دان اور ایک فلسفی دونوں کا ذریعہ علم تحقیق و عقل ہے۔ ان کے پاس وہ

مواد Data موجود نہیں ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ حقائق ماورائے طبیعیات کے متعلق کوئی حکم لگا سکیں خواہ مثبت ہو یا منفی۔ وہ بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس ان امور کے دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ وہ لا ادری agnostic بن سکتے ہیں لیکن دہریہ Atheist نہیں بن سکتے، اس لئے کہ کسی شے کا انکار کرنے سے قبل اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ جس چیز کا علم ہی ممکن نہیں ہے۔ اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کسی شے کے متعلق لاعلمی کے معنی ہرگز یہ نہیں ہوتے کہ اس شے کا وجود نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ٹوکیو شہر کے نام سے واقف نہیں ہیں لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ ٹوکیو شہر کا وجود بھی نہیں ہے۔

اہلِ مغرب نے خدا، آخرت اور روحانیت کے متعلق جو منکرانہ نظریات پھیلائے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ ان کا انداز غیر علمی ہے۔ انہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے۔ ان کی یہ جسارت خود عقل کے خلاف ہے۔ اس طرزِ عمل سے نفس میں پوشیدہ مذہب بے زاری Theophobia کے جذبے کی تسکین تو ہوگئی، لیکن اس طرح انہوں نے عقلیت پرستی کے خود قائم کردہ اصولوں کی قطعی نفی کر ڈالی۔ اس غلط اقدام نے علم وآگہی کے قافلے کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیا۔ جس کے بعد آج تک انسانیت کا قافلہ بدبختی کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔

وحی کی ضرورت

یہ امرِ واقعہ ہے کہ غیبی حقائق کے جاننے کا ذریعہ عقل انسانی نہیں ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام، جنہوں نے خدا، آخرت اور غیب کے متعلق عقائد کی تعلیم انسانوں کو دی ہے، وہ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ غیر معمولی علم انہیں تعقل، تفکر یا اشراق illumination کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے۔ درحقیقت اس میدان میں عقل عاجز ہے۔ انسانی زندگی کے لئے غرض وغایت مقرر کرنا، خیر وشر کے لئے ابدی معیار متعین کرنا، انسانی معاشرے کے لئے ضابطہ حیات تجویز کرنا یہ تمام امور طے کرنا کسی انفرادی یا اجتماعی عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ جس کی درماندگی اور نارسائی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

ہزار انداز پیچاکِ خرد ہے
کوئی حل ہو محلِ صد گماں ہے

لیکن یہ کام ایسی ہستی کا ہے جو علیم و خبیر ہو، جو انسانوں کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہو، جس پر انسان کا ماضی اور مستقبل پوری طرح عیاں ہو، جو اس کائنات کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہو۔ سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ وہ ہستی عالمِ انسانیت سے بلند اور برتر ہو، تاکہ اس کا بنایا ہوا قانون بے لاگ عدل کا ضامن ہو، دائمی اقدارِ حیات کا حامل ہو، مثبت غایات کا داعی ہو اور تمام انسانوں کے نزدیک لائق صد احترام ہو۔ ظاہر ہے کسی ایک انسان کا یا انسانوں کے مجموعے کا وضع کردہ قانون اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ انسان فردِ واحد ہو، مجلسِ قانون ساز ہو، قانون سازی کے مذکورہ بالا تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔ اساسی طور پر انسان قانون سازی کے منصب رفیع کے لئے نااہل ہے۔ علیم و خبیر ہمہ مقتدر ہستی اللہ تعالیٰ ہی صرف یہ تمام تقاضے پورے کرسکتا ہے۔ اسلئے عالمِ انسانیت کی صلاح و فلاح اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کی پیروی سے وابستہ ہے۔ قانونِ الٰہی کی مخالفت میں انسان کا خسران و خسارہ ہے۔

﴿...وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[سورۃ المائدہ: ۴۵]
اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق (اپنے معاملات کے) فیصلے نہیں کرتے بس وہی ظالم لوگ ہیں۔

یہ بالکل غلط ہے کہ انسان ابتدا میں اندھیرے میں بھٹکتا پھرتا تھا اور بتدریج اس نے راہِ ہدایت ڈھونڈی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گمراہی میں بھٹکنے کی لئے نہیں پیدا کیا۔ اول روز سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے نیک نفس انسانوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول اور نبی بنا کر بھیجا۔ ان رسولوں نے ہر دور میں انسانوں کو راہِ راست کی تعلیم دی، جو امور عقل کی دسترس سے باہر تھے ان کی تعلیم دی، راہ ہدایت دکھائی، زندگی کی غرض و غایت سمجھائی، نیکی اور بدی، خیر و شر کا پیمانہ انسانوں کے ہاتھ میں دیا۔ اخلاق میں درستگی و شائستگی،

اعمال میں عدل و استحکام، زندگی میں امن و طمانیت انہی مقدس نفوس کا عطیہ ہے۔ جب انسان پر عالمِ طفولیت طاری تھا تو ان بزرگوں نے انسانوں کو ان امور کی بھی تعلیم دی جو عام طور پر عقل کا دائرہ کار ہے، اور جن کے جاننے کا انسان بذاتِ خود مکلف ہے۔ انہوں نے پاکیزہ حسنِ عمل اور حسنِ اخلاق والی زندگی گزارنے کے تمام طریقے انسان کو سکھائے۔ ہمدردی اور فلاح عوام کے وہ تصورات جو مادہ پرست مغرب، بلکہ مذہب دشمن روس میں بھی مقبول ہیں، ان کا منبع اور سرچشمہ ہی قدسی صفات ہستیوں کی تعلیمات ہیں۔

آج جس جا بھی روشنی ہے..... مستعیرِ جبینِ جبرائیل

وحیٔ الٰہی کی قدامت

ان نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات کی وجہ سے انسانوں کو اپنی طفولیت کے زمانے ہی میں وہ اخلاقِ رفعت اور وہ روحانی بالیدگی حاصل ہو چکی تھی جو انسانی معاشروں کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ آج تک اس میں کوئی اَساسی یا جوہری اضافہ نہ ہو سکا۔ مصر کے پانچویں خاندان کے ایک بادشاہ بطاح حوطب Patah Hotep کے عہدِ حکومت کی دو تحریریں دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہیں۔ مصری آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے ان کو حاصل کر کے شائع کر دیا ہے۔ ان کا زمانہ پانچ ہزار سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ یہ ''نصیحت الملوک'' نامی کتاب کے دو ورق ہیں۔ اس کو دنیا کی قدیم ترین کتابِ اخلاق کے اوراق کہنا چاہیے۔ اس کے دو اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

ا۔ خاندان کے سربراہ کو نصیحت کی جاتی ہے۔

اگر تو عقل مند ہے تو اپنے گھر کی دیکھ بھال کرے گا۔ تو اپنی بیوی کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اس کو کپڑے پہنائے گا۔ اس کو کھانا کھلائے گا۔ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمارداری کرے گا۔ اس کو ساری زندگی خوش رکھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے ساتھ سختی مت کر۔ اپنے نوکروں کے ساتھ حتی الامکان مہربانی کے ساتھ پیش آ۔ وہ گھر سکھ چین سے محروم رہتا ہے جہاں نوکر خوش و خرم نہ ہوں۔

۲۔ بادشاہ کو نصیحت کی جاتی ہے۔

اگر تو ذمہ داری کا طلب گار ہے تو اپنے اندر کمال پیدا کر۔ اگر تو مشورے میں شرکت کرے تو یاد رکھ خاموشی فضول گوئی سے بہتر ہے۔

یہ بہت اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اس سے بہت دور رس نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ تقابل کے لیے ذرا غور کیجیے۔ آج سے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار سال قبل کی تو ایسی بلند اخلاقی تعلیم ملتی ہے۔ لیکن اس کے تین ہزار سال بعد یونان کے فلسفی غیر یونانیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ وہ عورتوں، غلاموں اور غیر یونانیوں کو انسان سے فروتر درجہ دیتے تھے۔ ان کی فلک پیما عقل کی جولانیاں خود غرضی اور اغراض پرستی کے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھ سکیں۔ ان کے برخلاف مصر میں ہزاروں سال قبل اتنی ارفع اور اتنی اعلیٰ تعلیم موجود تھی۔

یہ فکری پرواز معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تو وحی کا فیضان معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو بنی اسرائیل کے نبیوں جیسی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زمان و مکان کے ہزار ہا اختلافات کے باوجود تعلیم کی یک رنگی، ایک ہی سرچشمہ علم و عرفان کی طرف غمازی کر رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ رسولوں کی تعلیم ہے۔ یہ رسول ہر ملک اور ہر قوم میں بھیجے گئے۔ ان کی تعلیمات کے بقیہ آثار مختلف قوموں کے پاس قومی روایات کی شکل میں محفوظ ہیں۔

احمدا! تا گم نہ گردی ہوشیار
ایں جرس از کاروانِ دیگر است

یہاں سے ایک اور اہم معاملے کی جانب رہنمائی ملتی ہے۔ انسان کے پاس حواس اور عقل کے علاوہ ایک اور ذریعہ علم بھی تھا۔ جس کے ذریعہ عہدِ طفولیت میں بھی انسان کو بہترین اخلاقی تعلیمات اور روحانی بالیدگی ملتی رہی ہے۔ وہ ذریعہ وحیٔ الٰہی کا ذریعہ تھا۔ اس ذریعہ سے اکتسابِ علم کر کے انبیائے کرام انسانوں کو راہِ ہدایت کی تعلیم دیتے تھے اور نفوس کا تزکیہ کرتے تھے۔

انسان کی تخلیق کے ساتھ اس کی ہدایت اور رہنمائی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود قبول کر لی تھی۔ کسی دور میں بھی انسان کی تاریکی میں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑا گیا۔ عقل وادارک کی قوتیں تو بہت مدت کے بعد بلوغت کو پہنچی ہیں۔ کائنات کے رازوں کی سراغ رسانی کا جذبہ تو بہت مدت بعد انسان کے دل میں بیدار ہوا ہے۔ تمدن نے بہت سست رفتاری سے ترقی کی ہے۔ لیکن جہاں تک ہدایت کا تعلق ہے، خالقِ انسان نے اول روز سے ہی محض اپنے فضل وکرم سے اس کا انتظام فرما دیا تھا تا کہ جہالت اور لاعلمی کا عذر پیش کر کے دور کا انسان بھی اپنی بدراہی اور بداعمالی کو جائز نہ قرار دے سکے۔ پہلا انسان جو دنیا میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت آدم علیہم السلام تھے۔

انبیائے کرام کی تعلیمات نے فلاح وصلاح کا راستہ دکھایا۔ نجات وخسران کا فرق سمجھایا۔ یہ اعلیٰ تعلیمات آج بھی قوموں کا ورثہ ہے۔ آج بھی اس تعلیم کے مختلف اجزا دور دراز ملکوں میں مختلف قوموں کے پاس موجود ہیں۔ انسان کی حقیقی صلاح وفلاح کی کوئی اسکیم جب کبھی پیش کی جاتی ہے وہ اسی قدیم ورثہ سے ماخوذ ہوتی ہے۔ امریکی مصنف

ایمرے ریوز Dmery Reves نے اپنی کتاب ''تشریحِ امن'' Anatomy of Peace میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے:

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلا کے احکامِ عشر دنیا میں موجود نہ ہوتے تو انگلستان کا دستوری قانون Magna Charta -1215 وجود میں نہ آتا۔ اگر میگنا کارٹا نہ ہوتا تو قانون حقوق Bill of Rights1689 انگلستان کا دوسرا دستوری قانون بھی نہ بن پاتا، اور پھر اقوامِ متحدہ کا چارٹر ۱۹۴۵ء بھی نہ بن سکتا تھا۔

درحقیقت انسان کی صلاح وفلاح دنیوی اور اُخروی ہدایتِ الٰہی اور تعلیمات وحی کی پیروی کرنے میں مضمر ہے۔ ان کی مخالفت، ان سے اعراض اور ان سے بے نیازی میں انسان کا خسارہ ہی خسارہ ہے۔

انسان کی حقیقت

فکرِ انسانی کی تیسری اکائی انسان ہے۔ انسان اگرچہ مادّی جسم رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے عقلی کاوش کی دسترس میں ہے۔ لیکن حقیقی انسان ہرگز مادی نہیں ہے۔ انسان کی حقیقت اور کائنات میں اس کا مقام متعین کرنے میں عقل نے خوب ٹھوکریں کھائیں ہیں۔ جس کی سزا ہر دور میں انسانی معاشروں نے بھگتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انسان کی حقیقت اور حیثیت کے متعلق غلط نظریات قائم کرنے کے بعد انسانی زندگی کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ معاشرہ انحطاط کی راہ پر پڑ جاتا ہے۔ اضطراب، انتشار اور ہلاکت سے دوچار ہو جاتا ہے۔

مغربی معاشرے کے معمار حکماء اور فلاسفہ نے بھی انسان کی حقیقت کے متعلق غلط نظریات قائم کر کے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انسانی معاشروں کو بھی گمراہی کے غاروں میں دھکیل دیا، جس کے نتائج بد سے آج مغربی معاشرہ بری طرح پریشان ہے، جس سے آج ہر چشمِ بینا واقف ہے۔ ذرا ان مغربی مفکرین کی پروازِ خیال ملاحظہ ہو۔

ارسطو: انسان دو ٹانگوں والا جانور ہے۔

ڈیکارٹ: انسان ایک ایسی مشین ہے جس میں روح موجود ہے۔

روسو: انسان ایک وحشی ہے، البتہ اس کو سدھایا جا سکتا ہے۔

ہابز: انسان ایک دوسرے کے لئے بھیڑیا ہے۔

ہیوم: انسان کو بدمعاش ہی تصور کرنا چاہیے۔

ڈارون: انسان ایک اعلیٰ درجے کا حیوان ہے۔

فرائڈ: انسان ایک ایسا حیوان ہے جس کی جنسی جبلت منحرف ہو کر تباہی مچا دیتی ہے۔

سارتر: انسان ایسا جانور ہے جس کو عقل و خرد سے بے گانہ بنا کر دنیا میں پھینک دیا گیا ہے۔

جب مغربی مفکرین کے نزدیک انسان شرارت کا پُتلا ٹھہرا، تو انسانی معاشرہ بھی لا محالہ شرارت سے پُر ہوگا۔ شرافت اور انسانیت وہاں کیسے پروان چڑھ سکتی ہے۔ مسئلہ ارتقاء کے زیرِ اثر انسان کو نرا حیوان قرار دے کر اہلِ مغرب نے انسانیت پر بہت بڑا ظلم ڈھایا ہے۔

مغربی نظامِ حیات کے اس تصور نے بری طرح مجروح کیا ہے۔ یہ فسادِ فکر و نظر مغربی معاشرہ کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ اس کے زہر سے مغربی تہذیب کی روح اندر ہی اندر گھلتی چلی جا رہی ہے۔ ظاہری خیرہ کن چمک کے باوجود یہ تہذیب رو بہ زوال ہے۔

انسان کو اعلیٰ درجہ کا حیوان تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان اشرف المخلوقات کے مقامِ رفیع سے گر کر حیوانیت اور بہیمیت کی پست سطح پر آ گیا۔ انسانی افعال و اعمال کو حیوانی معیار پر پرکھا اور جانچا جانے لگا۔ مثال کے طور پر مغرب میں علمِ نفسیات کے ماہرین نے جبلت Instinct کی تعریف کرتے ہوئے یہ اصول وضع کیا کہ انسانی جبلت صرف اس کو سمجھا جائے گا جس کی اصل حیوانوں میں موجود ہو۔ اس کے تحت کھانا پینا، لڑنا، جھگڑنا، شہوت رانی کرنا، بخل دکھلانا، یہ سب جبلی افعال قرار پائے۔ اس لئے کہ ان کی اصل حیوانوں میں موجود ہے۔ مگر جذبہ عبودیت کو ایک عارضی جزبہ قرار دے دیا گیا، اس لئے کہ یہ صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور حیوانوں میں مفقود ہے۔ حالانکہ یہ ایسا جذبہ ہے جو انسانی نوع کے تمام افراد میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ نصف صدی تک شب و روز الحاد و دہریت کی تعلیم و تلقین بھی روسی انسان کی اس فطری جذبے سے بیگانہ نہ بنا سکی۔ آج بھی لینن کے مقبرے پر مرد اور عورت زائرین کا ہجوم بدھ کے روز اسی نیاز مندی کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ جس عقیدت کے ساتھ سابق میں مسیحی ولیوں Saints کے آستانوں پر مجمع لگتا تھا۔ صرف اظہارِ عقیدت کا مظہر بدل گیا ہے۔ جبلت کا انحراف Perversion جبلت کی واقعیت کی سب سے بڑی شہادت مہیا کرتا ہے۔ اتنی قوی جبلت کا انکار انسان کو صرف حیوان تسلیم کرنے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

دوسرا نتیجہ اس ذہنیت کا یہ نکلا کہ انسان کے افعال و اعمال کے متعلق اب نقطۂ نظر بدل گیا۔ پہلے عیاری Normative یا مثالی Idealist تھا، اب بلندی اور رفعت کا تصور اذہان سے محو گیا ہے۔ آج معیار عملی Realist اور واقعی Positivist بن گیا ہے۔ انسان اب اخلاقی بلندی اور روحانی رفعتوں کی جانب نگاہ اٹھانے کے بجائے، حیوانوں کی عادت اور

خصلتوں کی پستی میں گرنے لگا ہے۔ جو عادت یا خصلت حیوانوں میں پائی جاتی ہے وہ واقعی ہے، وہ حقیقت ہے۔ اس کے کرنے میں کوئی عیب نہیں۔ اس نظریہ کے تحت زنا کاری اور اغلام بازی جیسے افعال کو امرِ واقعی قرار دے کر معاشرے میں آزادی سے ارتکاب کرنے کی سندِ جواز دے دی گئی۔ حتیٰ کہ کلیسائے انگلستان کے سب سے بڑے نمائندے آرچ بشپ آف کنٹربری نے بھی اس جواز پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ معلوم نہیں اس نظریئے کے تحت چوری، قتل اور اغوا کیوں جُرم قرار پاتے ہیں؟ ان کو امرِ واقعہ کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا ہے؟

حیوانیت کی سطح پر گر جانے کے بعد کوئی امر انسان کو نفس کا بندہ اور خواہشات کا غلام بن جانے سے نہیں روک سکتا۔ اخلاق و آداب، ضبط و تحمل، شرم و حیا کی تمام پابندیوں کو وہ توڑ کر پھینک دیتا ہے اور اسی کو وہ آزادی سمجھتا ہے۔ ایسی آزادی جنگل میں گھومنے والے ہر بھیڑیے کو حاصل ہے کہ جس کو چاہے پھاڑ دے۔ ایسی آزادی گلیوں میں گھومنے والے ہر کتے کو حاصل ہے کہ جس پر چاہے بھونکے۔ حیوانوں سے رشتہ قائم ہو جانے کے بعد اب انسان کو ایسی ہی آزدی چاہیے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے یہ آزاد انسان ہر فرد و بشر کو شکار بنانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یورپ کا یہی آزاد انسان ہے جس نے اپنی جوع الارض کا ہدف کمزور اقوام کو بنانے میں ادنیٰ تامل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کی خشمگیں نگاہوں کے سامنے نہ کسی فرد کی عزت محفوظ ہے، نہ کسی قوم کی آزادی محفوظ ہے۔ اپنی ستم رانیوں کے باعث درحقیقت آج یہ ننگِ انسانیت بن گیا ہے۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کریں کہ آپ کا تبصرہ یک طرفہ اور مبالغہ آمیز ہے۔ اہلِ مغرب میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں۔ ہمیں بھی تسلیم ہے کہ اہلِ مغرب میں بعض خوبیاں ہیں اور اچھی صفات ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ خوبیاں مسیحی اخلاق کے آثارِ باقیہ ہیں یا شجرِ لادینیت اور مادیت کے ثمرات ہیں؟ آدمی اگر یک چشم نہ ہو تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس قدر لادینیت کا درخت گھنا اور چھتنار بنتا جا رہا ہے، اسی نسبت سے یہ خوبیاں اور صفاتِ حسنہ کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہیں۔ بے حیائی اور بداخلاقی کی طغیانی فزوں

سے فزوں تر ہوتی جارہی ہے۔ اس لئے ان خوبیوں اور صفاتِ حسنہ کو لادینیت کے کھاتے میں ڈالنا کسی طرح درست نہیں۔

شرفِ انسانیت

صحیح حقیقت یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ خلیفۃ الارض ہے۔ وہ حیوانیت اور ملکوتیت کا حسین امتزاج ہے۔ وہ قدرت کا شاہکار ہے۔ وہ ایک حسین مرقع ہے۔ مائل بہ روحانیت ہو تو فرشتہ کو شرمسار کردے اور اگر پستی میں گرے تو وہ درندوں سے سبقت لے جائے۔ اہلِ مغرب اس امر کی جانب سے بالکل غافل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حیوان کے ساتھ خاص معاملہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ [سورۃ التین: آیت ۴]

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ [سورۃ حجر: آیت ۲۹]

اور ہم نے انسان کے اندر اپنی روح پھونک دی۔

اس انعامِ الٰہی کے بعد انسان کے اندر روحانی ارتقاء کے غیر معمولی امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ حیرت انگیز معاملہ دراصل شرف انسانیت کا اعلان ہے۔ جو لوگ صرف حیوان ہونے کی رٹ لگائے ہوئے ہیں ان کے لئے درسِ عبرت ہے۔ اس شرف کا ہی فیضان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسی نعمت سے نوازا، جو کائنات میں صنعتِ خداوندی اور قدرتِ خداوندی کا مشاہدہ کرتی ہے، مطالعہ کرتی ہے، غور و خوض کرتی ہے، فہم حاصل کرتی ہے، پھر اُن کے پسِ پردہ جاری قانونِ فطرت اور سنت اللہ کو دریافت کر لیتی ہے۔ یہ تفکر، تدبر، تلاش، جستجو اور حقیقت رسی کی لگن خاص عطیہ الٰہی ہے۔ علوم و فنون، تہذیب و تمدن، سائنس اور ٹیکنالوجی کی تمام ترقی اسی عطیہ الٰہی کی رہینِ منت ہے۔ یہ بات آج ہر شخص پر عیاں ہے۔

اس سے بڑھ کر مزید عطیہ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذہنِ انسانی میں ایک عجیب وغریب صفت یہ ودیعت کی ہے کہ بلا مشاہدہ فطرت اور بلا مطالعہ قدرت محض اپنے ذہن سے اس نے چند ایسے قواعد اور ضوابط کا استخراج کیا ہے جو فطرت کے ہر مظہر پر منطبق ہوتے ہیں۔ دنیا کے تما علوم وفنون اور سائنس خارجی مظاہرات سے مطالعہ کے بعد استنباط کیے گئے ہیں۔ لیکن ریاضی اور منطق ایسے علوم ہیں جو انسان نے محض اپنے ذہنِ رسا کی مدد سے وضع کیے ہیں۔ یہ علوم خارجی مظاہرات سے ہرگز استنباط کردہ نہیں ہیں۔ لیکن عجیب تر بات یہ ہے کہ ریاضی اور منطق کے اصول وضوابط دنیا کے تمام مظاہرات پر صادق آتے ہیں۔ کوئی علم ان اصولوں پر پورا اترے بغیر علم نہیں رہ سکتا۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ انسانی ذہن کے وضع کردہ یہ اصول چاند اور مریخ کی دنیا پر بھی صادق آرہے ہیں۔ یہ حیرت انگیز معاملہ ہے۔ گویا خلاقِ عالم کے ذہن سے انسانی ذہن نے اکتساب نور کیا ہے۔ جب ہی تو اس کے وضع کردہ علم کی صداقت چاند اور مریخ پر بھی قائم ہے۔ کیا یہ انسان کے کمال وشرف کا مظہر نہیں ہے؟ کیا انسان نرا حیوان ہے؟ فی الواقع یہ سارے کمالات نفخت فیہ من روحی کی ادنیٰ تفسیر ہیں۔

یورپ کا تصورِ انسان

یورپ کے مفکرین نے اس کے برعکس ایک دوسری راہ اختیار کی ہے۔ خدا کا انکار کر دینے کے بعد انہوں نے انسان کو الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا انانیت یعنی انسان پرستی Humamism اور آزادی Liberalism کے زیرِ اثر جب خدا پرستی کا انکار کر دیا، حتیٰ کہ نطشہ نے اعلان کر دیا کہ خدا کا انتقال ہو گیا ہے، تو انسان پرستی کو فروغ حاصل ہو گیا۔ گزشتہ چار سو سال سے یورپ کے تمام مفکرین انسان پرستی کے معبد کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں، مارٹن لوتھر سے لے کر جس نے اعلان کیا تھا کہ ''جو بات عقل کے خلاف ہے وہ خدا کے بھی خلاف ہے'' ژاں پال سارتر ک، جس نے اعلان کیا ہے کہ ''انسان اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا، مذہب اور اخلاق سے چھٹکارا حاصل نہ کر لے''۔ یہ تمام مفکرین انسان کی

الوہیت Divinity اور تقدس Holiness کے نغمے گا رہے ہیں۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ان کا تصورِ انسان محض حیاتیاتی ہے۔ جس کو مذہب، اخلاق اور خدا سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان کی تمام تر توجہ قوت ومقدار، جسمانیت اور توانائی کی طرف ہے۔ اخلاق، اقدار اور روحانیت جیسے تصورات کو وہ بے معنی سمجھتے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر مادّہ اور مادّی دنیا ہے۔ روح اور روحانی دنیا سے وہ بے گانہ بن گئے ہیں۔

اس وجہ سے اہلِ مغرب کی نگاہوں کو صرف وہ انسان نظر آتا ہے کہ جو یونان میں اولمپک Olympic کے کھیلوں میں رہتا تھا۔ جو رومن اکھاڑوں میں درندوں سے مقابلہ کر کے اپنی تنومندی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ جو معمل میں بیٹھ کر سائنسی تجربات کرتا ہے۔ جو ایوان ہائے نمائندگان میں دھواں دھار تقریر کرتا ہے۔ جو سیاست کی بساط پر مہرے لڑاتا ہے۔ ان تمام مشاہدات کے بعد وہ انسان کو زیادہ سے زیادہ ایک حیوانِ ناطق (بولتا جانور) ماننے کو تیار ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اہلِ مغرب کو انسانیت کے معلم زردشت، کرشن، بدھا، کنفیوشش جیسے انسان نظر نہیں آتے۔ ان کو حضرت ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ اور محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین جیسے نفوس قدسیہ بھی نظر نہیں آتے جنہوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیا سدھار دیں۔ جنہوں نے انسانوں کو پستی سے نکال کر اخلاق اور روحانیت کی اَوج ترقی پر پہنچا دیا۔ جن کی حکومت ہزاروں سال سے دلوں پر قائم ہے۔ جن کے ناموں سے آج بھی کروڑوں سینوں میں جوش اور سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو فی الحقیقت انسانیت کے صحیح معمار تھے۔ جنہوں نے انسان کو شرافت اور فضیلت کا سبق سکھایا۔ ان کی تعلیمات سے معاشرے میں امن وراحت، سکون وطمانیت، عدل وانصاف، اُخوت ومساوات کے اصول جاری وساری ہوئے۔

عقل پرستی

لادینیت اور الحاد کا یہ طولانی سفر مغرب کے حکما اور فلاسفہ نے عقل کی رہنمائی میں

طے کیا۔ نشأۃ ثانیہ Renaissance کے مفکرین اور دانشوروں نے عقل پرستی کا صور اس زور و شور سے پھونکا کہ اس کے آگے تمام دوسری آوازیں دب گئیں۔ دوسرے تمام ذرائع معلومات کو سائنس دانوں نے ساقط الاعتبار قرار دے دیا۔ ساری مغربی دنیا نے یہ بات تسلیم کرلی کہ علمِ صحیح کا سرچشمہ صرف عقل ہے۔ مغرب میں بلاشرکت غیرے عقل کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ عقل کی افادیت اور اہمیت سے کسی صاحبِ فہم شخص کو انکار نہیں ہے۔ لیکن مطلق حکمرانی کا یہ منصب کیا عقل کو زیب دیتا ہے؟ کیا عقل اس منصب رفیع کی اہل ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تعقل و ادراک ذہنِ انسانی کا طبعی وظیفہ ہے۔ حیاتِ دنیا کی جدو جہد میں فرائضِ خلافت ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل و ادراک کی قوتیں انسان کو ودیعت فرمائی ہیں۔ عقل انسان کی بہترین رفیق کار اور معاون ہے۔ انسان کی عظمت و رفعت، تہذیب و تمدن، علوم و فنون، ایجادات و انکشافات سب تعقل و تجسس کی قوتوں کی رہینِ منت ہیں۔ کسی صاحب ہوش کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر عقل کا دائرہ کار عالمِ مادیات ہے، بلکہ یہاں بھی حقائق الاشیاء کی سراغ رسانی میں عقل ناکام ہے اور عاجز ہے۔ اور حریم حقیقت کُنہ تک تو اس کی پرواز ہی نہیں۔ حقائق ماورائے مادیات و طبیعیات اور عالم مغیبات کا علم انسان کو وحی الٰہی کے ذریعہ انبیائے کرام کے توسط سے حاصل ہوتا ہے،

کسی دوسرے علم کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ اس لئے عقل کے لئے صحیح راستہ یہی ہے کہ وہ برتر ذریعہ علم یعنی وحیٔ الٰہی کے زیرِ نگرانی اپنا وظیفہ انجام دے۔ عقل اگر آزادانہ اور تنہا سفر پر روانہ ہوگی تو ٹھوکر کھانا اس کا مقدر بن چکا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے عقل کی حقیقت سے یوں نقاب کشائی فرمائی ہے۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے، چراغِ راہ گزر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ راہ گزر کو کیا خبر ہے!

[بالِ جبریل۔ رباعیات]

اس لئے عقل کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ وحی کی امامت و رہنمائی میں سفر کرے۔

عقلِ بے مایہ امامت کی سزا وار نہیں
رہبر ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

[ضربِ کلیم۔ وحی]

عقل کی محدودیت اور نارسائی

عقل کی کوتاہ مائیگی اور نارسائی کی جانب سب سے پہلے مسلمان علماء اور حکما نے دنیا کی توجہ مبذول کرائی۔ امام غزالیؒ [۱۰۵۸ء تا ۱۱۱۱ء] نے اپنی خودنوشت سوانح حیات المنقذ من الضلال میں عقلی استدلال کی کوتاہ مائیگی کی جانب واضح اشارات کیے ہیں۔ مشہور صوفی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ [۱۱۴۴ء تا ۱۲۳۴ء] نے فلسفے کے ابطال میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے ''کشف الفضائح الیونانیہ''۔ ['فلسفہ عجم'' از علامہ اقبالؒ۔ اردو ترجمہ، ص ۱۶۴] اس میں عقلِ خالص کی بے چارگی کو ثابت کیا ہے۔ اسلامی دنیا کے بہت بڑے فلسفی امام فخر الدین رازیؒ [۱۱۴۹ء تا ۱۲۰۹ء] نے عقل کی نارسائی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

ہر گز دل من زعلم محروم نہ شد
کم ماند اسرار کہ مفہوم نہ شد
ہفتاد ودو سال فکر کر دم شب وروز
معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

امام ابنِ تیمیہ [۱۲۶۳ء تا ۱۳۲۸ء] نے اپنی مشہور کتاب ''الرد علی المنطقین'' میں عقل کی کوتاہی کا صاف ذکر کیا ہے۔ مشہور مؤرخ اور مفکر علامہ ابن خلدون [۱۳۳۲ء تا ۱۴۰۶ء] نے ''مقدمہ'' میں صراحت سے لکھا ہے کہ ''مسئلہ توحید، آخرت اور علم نبوت کو عقل کی میزان میں تولنا ایسا ہے جیسے سنار کے کانٹے سے پہاڑ کی جسامت و ضخامت کا وزن کرنا'' یعنی امور مابعد الطبیعات کے متعلق رائے قائم کرنا عقل کی بساط سے باہر ہے۔

جدید دور میں مشہور فلسفی عما نویل کانٹ [۱۷۲۴ء تا ۱۸۰۶ء] نے عقل کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا۔ اس نے ''عقلِ محض'' The Critique of Pure Reason میں نہایت تفصیل کے ساتھ عقل کی محدودیت اور نارسائی کو واضح کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محسوسات کو تو سب جانتے ہیں کہ وہ مادی الاصل ہیں۔ عقل و تفکر محسوسات سے ہی غذاء حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے تجریدی افکار کی بنیاد بھی محسوسات پر ہے۔ عالم محسوسات کا دائرۂ کار زمان و مکان میں محدود ہے۔ عالمِ افکار میں خواہ کتنی ہی جولانیاں دکھائی جائیں۔ بہر کیف عقل کی پرواز لامحدود نہیں ہے۔ حریم حقیقت تک اس کی رسائی علمِ تحلیلِ نفسی Psycho Analysis کے جدید دور میں ماہر ترین مفکر ینگ Uung 1875-1961 کے اعترافات بھی امام رازی کے مشابہ ہیں۔ اسی سال کی پختہ عمر میں وہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتا ہے۔:

''میرے لئے اس بات کا تعین کرنا ناممکن ہے کہ کیا کیا اشیاء آخر کار قدر و قیمت کی حامل ہیں، اور کیا نہیں ہیں۔ میں اپنے متعلق اور اپنی زندگی کے متعلق کوئی حکم نہیں لگاتا۔ مجھے کسی شے کا یقین حاصل نہیں ہے۔ کسی معاملے میں فی الحقیقت میرے پختہ اور واضح معتقدات نہیں ہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں پیدا ہوا تھا اور زندہ ہوں۔ اور مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ میں خود نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہوں اور یہ کہ میرے وجود کا انحصار کسی دوسری شے پر ہے جسے میں نہیں جانتا۔ [Reflections Memories, Dreams and Reflection- By C.D. Jung -1961] اس بات کا اظہار شاید تعجب خیز نظر آئے گا کہ سائنس کسی مسئلے کا قطعی اور قابلِ اطمینان حل پیش نہیں کرتی۔''

[Human Destiny , by Le.Comte, page 36]

(مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ: ص ۶۹ تا ۸۴)

عقل پرستی نے انسان کو کیا دیا

عالمِ افکار میں عقل کی بالادستی نے مغربی انسان کو کیا دیا؟ اشرف المخلوقات کے درجہ سے گرا کر حیوان بنا دیا۔ عالمِ غیب کا انکار کر کے محسوسات کے تنگ پنجرے میں اس کو مقید کر دیا۔ حسی لذات سے بلند کوئی مقصد اس کے سامنے نہ رہا۔ غرض و غایت اور منزلِ مقصود سے اس کو محروم کر دیا۔ حیاتِ انسانی کے جہاز کو مادیت کے سمندر میں بہنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔ مذہب اور اخلاق کے لنگر سے کٹ کر یہ جہاز مادیت کی تند و تیز موجوں کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہا ہے۔ سمندر میں اس کی حیثیت ایک بے بس تنکے سے زیادہ نہیں جو وقت کے دھارے پر چار و ناچار بہا چلا جا رہا ہے۔ نہ منزل کا تعین ہے، نہ ناخدا ساتھ ہے، نہ کارواں کی رفاقت حاصل ہے۔

چلا جاتا ہوں ہوتا ہے جدھر دل کا اشارہ
نہ منزل ہے کوئی نہ کوئی کارواں میرا

عقل کو مختارِ مطلق بنا دینا اور وحیٔ الٰہی کی رہنمائی سے محروم کر دینا، انسانیت کی تاریخ کا بھیانک المیہ ہے انسانیت کے حق میں اس سے بڑی اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ دورِ جدید کے ایک بڑے نقاد امریکی صحافی والٹر لپ مین [Walter Lippman 1889] کے قلم حقیقت رقم نے دورِ جدید کے انسان کی ذہنی گھٹن اور بے چارگی کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے:

''تنہا اپنی ذات پر پہلے کبھی ہم نے اتنا انحصار نہیں کیا تھا۔ آج کوئی ہمدرد ہماری فکر کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی نمونہ زندگی بلا چون و چرا اطاعت کرنے اور پیروی کرنے کے لئے سامنے موجود نہیں ہے۔ کوئی مافوق شارع نہیں ہے۔ سب عوام الناس ہیں، جن کو دل گداز مصائب اور مشکلات کا سامنا ہے۔ تمام کمزوریاں سطح پر نمایاں ہو گئی ہیں۔ ناقابو یافتہ طبعی قوتیں کبھی خوف زدہ کرتی ہیں اور کبھی ڈھارس بندھاتی ہیں۔

فی الحقیقت ہماری ثقافت گنجلک ہے۔ ہماری تہذیب ہنگامی ہے۔ ہمارے جذبات جامے سے باہر ہو رہے ہیں۔ کسی ملاح نے شاید ہی کبھی ایسے سمندر میں جہاز رانی کی ہو، جیسی

کی بیسویں صدی میں پیدا ہونے والے انسان کو کرنی پڑ رہی ہے۔ ہمارے اسلاف سمجھتے تھے کہ وہ اپنا راستہ پیدائش سے لے کر موت تک جانتے ہیں۔ لیکن ہم پریشان ہیں۔ ہمیں کل کے بعد آنے والے دن کی بھی خبر نہیں۔

مذہب سے آزادی حاصل کرنے کے بعد سے یہ تمام مصیبتیں شروع ہوئی ہیں۔ آزادی ایک دل خراش چیلنج ہے۔ یہ انسان کو رہبر کی رہنمائی سے اور پادری کی طمانیت سے محروم کر دیتی ہے۔ مذہب کے بت کو پاش پاش کرنے والوں نے ہمیں آزاد نہیں کیا، بلکہ در حقیقت سمندر کی موجوں میں پھینک دیا۔ اب ہمیں خود ہی ہاتھ پیر مارنے ہیں۔

[9.Drift and Mystry,by Walter Lippman , 196-97]

ایک دوسرے مغربی مفکر کا اعتراف حقیقت سنیے۔ لارڈ لوتھین Lord Lothian نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقسیم اسناد کے اجتماع ۱۹۳۸ء کے موقع پر ایک پر مغز خطبہ دیا تھا۔ اس میں انہوں نے فرمایا تھا:

اس وقت یورپ روحانی اعتبار سے مردہ ہے، اخلاقی اعتبار سے مریض ہے اور معاشی نقطہ نظر سے سخت اضطراب میں ہے۔ وہ تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ وہ اپنی اجتماعی زندگی کے کسی مسئلہ کو تسلی بخش طریقے سے حل نہیں کر سکتا۔ وہ اس وقت ایک ایسے نظامِ حیات کی تلاش میں ہے جو اس کے روحانی، اخلاقی، سیاسی، معاشی اور عمرانی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکے۔

ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ [۱۸۷۸ء تا ۱۹۳۸] نے اہل مغرب کی مشکلات و مصائب کا تذکرہ اپنے حکیمانہ انداز میں اس طرح کیا ہے:

عشق ناپید و خرد می گزدش صورت مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

عقل کا صحیح مقام

عقل خلق اللہ ہے، مظاہرِ فطرت سے استنباطِ حقائق کرتی ہے۔ وحی کلام اللہ ہے، براہِ راست خالقِ کائنات سے علم حاصل کرتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان تصادم اور تناقض کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔ اگر کہیں ایسا فی الواقع ہو رہا ہے تو یا تو عقل کی نافہمی اور کوتاہ دامنی ہے یا نصوص وحی کے سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے۔ قانونِ الٰہی کی بنیادیں اگرچہ عقل کی رسائی سے ماورا ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ محال یا خلافِ عقل ہیں۔ ان کو قبول کرنے میں عقل کو استبعاد ہے۔ دورِ جدید کا سب سے بڑا سائنس دان آئن سٹائن لکھتا ہے:

> یہ اقدار (مذہبی احکام) تجربات کے بعد وضع نہیں کی گئی ہیں، بلکہ یہ مقتدر ہستیوں کی وساطت سے بذریعہ وحی والہام حاصل ہوئی ہیں۔ ان کی بنیاد عقلِ انسانی پر نہیں ہے۔ تاہم وہ تجربے کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہیں، اس لئے کہ صداقت کہتے ہی اسے ہیں جو تجربات سے درست ثابت ہو۔

[11.Out , of My Liter Days, by Einstein,Niw York]

اسی سلسلے میں ہندوستانی کمیشن کے ممبروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے:

> قوموں کو تاجر یا سیاست دان تشکیل نہیں کرتے، بلکہ قوموں کو مفکر، فلاسفہ اور مذہبی رہنما تشکیل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ قومی وحدت اور قومی ترقی کے لئے تجارتی اداروں اور سیاسی تنظیمات سے عمیق تر بنیادیں درکار ہوتی ہیں۔

12.The of University Commision India]

[page*55

وحی سے حاصل شدہ افکار و تصورات میں انقلاب انگیزی اور مردم سازی کی بڑی غیر معمولی قوت پنہاں ہوتی ہے۔ ان کی اثر آفرینی خشک فلسفیانہ افکار سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ افکار صدیوں تر و تازہ رہتے ہیں، اور لاکھوں کروڑوں افراد کی زندگیاں ان سے اثرات قبول کر کے سدھرتی اور سنورتی ہیں۔ اس کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

''تجربہ بتاتا ہے کہ عقل کے ذریعے حاصل شدہ صداقت دلوں میں وہ زندہ ایمان پیدا کرنے سے قاصر ہے جو وحی والہام کے ذریعہ حاصل شدہ صداقت پیدا کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجرد افکار زندگی پر بہت کم اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن مذہب نے افراد کو رفعتِ اخلاق تک پہنچا دیا اور معاشروں کو تبدیل کر ڈالا۔''

[''اسلامی افکار کی تشکیلِ جدید'' از علامہ اقبالؒ۔ ترجمہ چودھری نیاز احمد، لاہور، صفحہ نمبر ۱۷۰]

یونان کے فلسفیوں نے اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کی، مگر سب ہی ناکام ہوئے۔ سقراط نے مجردِ عقل کے ذریعہ یونانی معاشرے کی برائیوں کی اصلاح کرنا چاہی۔ اس نے اعلان کیا کہ علم نیکی ہے۔ مگر وہ اس مہم میں ناکام ہوا، بلکہ اپنی جان بھی کھو بیٹھا۔

اس کے شاگرد افلاطون Plato کو ۳۶۷ ق م میں سارا کیوز Syracuse کے بادشاہ ڈیکن Dacon نے طلب کیا اور کہا کہ وہ ریاست میں اپنے نظریات کے مطابق نظامِ تعلیم چلائے۔ ''مثالی جمہوریت'' کے مصنف افلاطون کو اپنے نظریات کو روبہ عمل لانے کا یہ بہترین موقعہ تھا۔ مگر وہ وہاں سے بری طرح ناکام ہو کر لوٹا۔ افلاطون کا شاگرد ارسطو تھا۔ شاہزادہ اسکندر کی تعلیم و تربیت ارسطو کے سپرد تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ اسکندر بڑا ظالم اور بدکردار حکمران تھا۔ اس نے ارسطو کی تعلیم کا کوئی خاص اثر قبول نہ کیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ دنیا کی تین بڑے فلسفی عقل کے بل بوتے پر معاشرے کی اصلاح میں سخت ناکام ہوئے۔ اور دنیا یہ بھی جانتی ہے کہ نبیوں اور رسولوں کی اصلاح کا اثر صدیاں گزر جانے کے بعد آج تک قائم ہے۔ وحی کے مقابلہ میں مجردِ عقل کی ناکامی کا یہ واضح ثبوت ہے۔ اس لئے عقل کے لئے صحیح راہِ عمل یہی ہے کہ وہ وحیٔ الٰہی کی رہنمائی قبول کرے اور پھر اس کی روشنی میں اپنا فریضہ انجام دے۔

وحیٔ الٰہی سے منہ موڑ کر اور مختارِ مطلق بن کر عقل نے ہمیشہ خسارہ اٹھایا ہے۔

وہ علم کم بصری، جس میں ہم کنار نہیں
تجلیاتِ کلیم (نبی و رسل) و مشاہداتِ حکیم (حکیم فلسفی سائنسدان)

مغربی نظامِ تصورات جن بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے، ان کا مختصر سا تذکرہ صفحاتِ بالا میں پیش کیا جا چکا ہے۔ نقد و نظر کی کسوٹی پر یہ تصورات حقیقت و صداقت ثابت نہ ہو سکے، جیسا کہ ان کے متعلق اہلِ مغرب کا دعویٰ رہا ہے۔ فی الحقیقت یہ چند مزعومہ تصورات ہیں جن کو نشہ کامرانی نے حقائق کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ غلبہ اقوام اور مادی کامرانی کی صہبائے تند و تیز کا نشہ دل و دماغ پر اس درجہ حاوی تھا کہ ادراکِ حقیقت سے اس وقت کے اذہان قاصر ہیں۔ اساس و بنیاد کے نقص اور فتور کو ظاہر ہوتے ہوتے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ عمرانی دنیا میں نتائج فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ اب نتائج ظاہر ہونے شروع ہو رہے ہیں۔ آج ان افکار و تصورات کی ہلاکت خیزیاں عیاں ہو رہی ہیں۔ آج ہر چشم بینا اور ذہنِ رسا اس صورت پر ماتم کناں ہے۔ مگر کچھ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھیں ظاہری چمک دمک سے خیرہ ہو چکی ہیں، جن کی بصارت ماؤف ہو چکی ہے، وہ بدستور بدمستی میں مگن ہیں۔ وہ نیند کے ماتے ابھی نہیں چونکے۔

[مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ: ص ۶۹ تا ۹۴]

چند جدید افکار و نظریات کی تعریفات

[۱] سیکولرزم:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سیکولرزم کا لفظ اس طرح بیان کرتا ہے کہ یہ ایک ایسی اجتماعی تحریک ہے جو لوگوں کے سامنے آخرت کی بجائے اکیلی دنیا کو ہی ایک ہدف و مقصد کے طور پر پیش کرتی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی لکھتے ہیں کہ اگر سیکولرزم کا ترجمہ "فصل دین عن الحیاۃ" یعنی "دین کو مکمل زندگی سے الگ کرنا" کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ سیکولرزم کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ زندگی کو دین سے ہٹ کر قائم کیا جائے، چاہے یہ قوم کی سطح پر ہو یا فرد کی۔ (سیکولرزم :ص ۲۸)

[۲] گلوبلائزیشن:

سیکولرزم اور لادینیت پر مبنی مغربی بلکہ امریکی (صیہونی طاقتوں) تہذیب و نظامِ حیات کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کا نام گلوبلائزیشن، عالمگیریت ہے۔

[۳] جمہوریت:

اہلِ مغرب نے جمہوریت کا تصور عربی ڈکشنری سے نہیں لیا ہے۔ بلکہ یونانی لفظ ڈیموکریسی سے لیا ہے۔ جس کے معنی ہیں عوام کی حکومت یعنی عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے عوام کے لیے۔ عرض یہ ہے کہ جمہوریت صرف سیاسی نظام نہیں ہے بلکہ زندگی چلانے کا مکمل

طریقہ۔ جمہوری نظام کی بنیاد وحی نہیں بلکہ انسانی عقل ہے۔ جمہوریت میں ارکانِ اسمبلی کی اکثریت کی رائے کو معیارِ حق تسلیم کیا گیا۔ جبکہ اسلام میں صحیح وغلط، سچ وجھوٹ، جائز وناجائز، حلال وحرام، حق وباطل کا معیار وحی یعنی قرآن وسنت ہے۔

[۴] سرمایہ دارانہ نظام:

مغربی نظریہ کے مطابق انسان خودغرض اور نفس پرست بلکہ لذت پرست ہے اور زیادہ سے زیادہ نفسانی خواہشات کی تکمیل اس کا مقصدِ حیات ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ہر فرد زیادہ سے زیادہ مال اور سرمایہ جمع کرنے (احتکار) کی خواہش رکھتا ہے۔ یعنی وہ مال کی حرص کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کا انحصار زیادہ سے زیادہ مال وسرمایہ جمع کرنے کی رفتار میں مسلسل اضافہ پر ہے۔

[۵] لبرل ازم یعنی بے قید اور بے لگام آزادی:

ماں باپ اور بڑوں کا احترام کرنا لبرل ازم اور ماڈرن ازم کے خلاف ایک دقیانوسی خیال کیا جاتا ہے۔ سیاسی آزادی کے تحت اگر کوئی تحریک چلانی ہو، احتجاج کرنا ہو یا مظاہرہ کرنا ہو، آگ لگانا، سنگ بازی کرنا، گھیراؤ کرنا اور ہر قسم کے تخریبی کام کرنا جمہوری حق سمجھا جاتا ہے۔ لبرل ازم بادشاہ یا پوپ کی غلامی ہی سے آزادی کا نام نہیں بلکہ ان کے ساتھ خدا ورسول مذہب اور اخلاقی قدروں سے بھی آزادی کا نام ہے۔

[۶] کیپیٹل ازم:

مذہب اور روحانی قدروں سے بغاوت کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسان پیٹ کا پرستار بن جاتا ہے۔ مغربی نظام میں بغیر سود اور منافع کے کسی کو قرض تک نہیں دیا جاتا۔ دولت کمانے کے لیے عصمت فروشی تک کو جائز پیشہ سمجھا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا اور جائیداد بنانا اس نظام میں مقصدِ حیات ہوتا ہے۔

[۷] نیشنلزم یعنی قوم پرستی اور دوسری قوموں کا استحصال:

نیشنلزم نسلی اتحاد، مشترکہ زبان، مشترکہ مذہب، جغرافیائی اشتراک، مشترکہ ثقافت ورسم ورواج، سیاسی جذبات اور جذبہ قومیت کی حدود میں مقید ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اسلام امت کا تصور پیش کرتا ہے جو نسب، خون، رنگ وزبان، اور وطن کی جملہ قیود سے بے نیاز ہو کر صرف ایک نظریہ سے وابستگی کے باعث وجود میں آتی ہے۔ وہ نظریہ اسلام ہے اور یہ نظریہ قومیت کی طرف تعصبا غیر فطری تقسیم، اخلاقی گراوٹ جنگ اور خدا سے بے نیازی پر مبنی نہیں۔

[۷] الحاد:

الحاد کا عربی زبان میں لغوی معنی انحراف یا راستے سے ہٹ جانا۔ الحاد کو انگریزی زبان میں Atheism کہا جاتا ہے جس کا اردو زبان میں مطلب لا مذہبیت لا دینیت کہا جاتا ہے۔ الحاد کے پیروکاروں کو ملحد، دہریے، مادیت پرست یا Atheists بھی کہا جاتا ہے۔ ملحدین کا خیال ہے کہ دنیا کسی خدا نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود وجود میں آئی ہے۔

[۸] تصورِ آزادی:

انسان کو اپنے خیر وشر کے معیارات کے تعین کا حق حاصل ہے۔ انسان اپنی عقل کے ذریعے نظامِ زندگی اور طریقِ حیات خود طے کر سکتا ہے۔ انسان جو چاہے چاہ سکے اور اسے حاصل کر سکے۔ اس آزادی کا مطلب عبدیت کی نفی، معبود کا انکار اور خدا کہ جگہ پر عقل پرستی۔

[۹] تصورِ ترقی:

زیادہ سے زیادہ خواہشات کی تکمیل انسان کا مقصدِ حیات ہے تو جتنی زیادہ خواہشات کی تکمیل ہوگی اتنی زیادہ انسان ترقی کرتا جائے گا۔ اس کا مطلب آخرت کی نفی اور دنیا کے دارالامتحان ہونے کا انکار ہے۔ کیونکہ جب دنیاوی زندگی ہی مقصود ہے تو آخرت اور جنت وجہنم کا کیا سوال؟

[۱۰] تصورِ انسان:

مغرب کا بنیادی نظریہ ہیومن ازم یعنی انسان پرستی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا مرکز و محور انسان ہے، وہی مقصود بالذات اور قائم بالذات ہے۔ انسان خود پر شک وشبہے سے بالاتر ہے۔ لہٰذا انسانی عملی و عقلی بنیادوں پر اپنے علاوہ ہر چیز خدا، وحی اور خیر و شر اور ہر قسم کے خیالات و اقدار کی نفی و انکار کر سکتا ہے۔

[۱۱] مساوات:

خیر و شر کے معیارات کے تعین کا حق ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس حوالے سے تمام انسان (مرد و عورت) برابر ہیں۔ ہر فرد کو اپنے ذاتی و معاشرتی اہداف کو آزادانہ طور پر مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اسلام وحی پر مبنی تعلیماتِ نبوی، حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دیتا ہے۔

[۱۲] اشتراکیت یعنی سوشلزم:

اشتراکیت کو انگریزی میں سوشلزم کہتے ہیں جو سوسائٹی سے نکلا ہے۔ اور اس کا مادہ سوشل سے ہے جس کے معنی ہیں سماجی یا معاشرتی، سیاسیات اور معاشیات کی اصطلاح میں سوشلزم کی تعریف یہ ہے۔

> ''وہ نظام جس میں کسی ملک کے تمام ذرائع پیداوار کی ایک فرد یا چند افراد کی ملکیت میں ہونے کی بجائے پورے معاشرے کی ملکیت قرار دیئے جاتے ہیں۔ بس کارل مارکس کو اشتراکیت ''سائنٹیفک سوشلزم کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سوشلزم کو مارکسزم بھی کہا جاتا ہے۔ مارکس اپنی زندگی میں تو سوشلسٹ انقلاب نہ لا سکا مگر اس کے بعد لینن کی قیادت میں اکتوبر 1917ء میں روس کی سرزمین پر یہ انقلاب آ گیا۔''

اشتراکیت اور سوشلزم کے چند بنیادی اصول:

[۱] مادی نظریہ حیات: مادیت کا یہ نظریہ ڈارون کے فلسفہ ارتقاء پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مادی جرثومے کی ترقی یافتہ شکل ہے اور تمام حیوانات، نباتات، جمادات مادے ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ یعنی خدا پرستی اور روحانیت کی جگہ مادہ پرستی سوشلزم کا بنیادی اصول ہے۔ لینن نے کہا ہے کہ مارکس کا فلسفہ مادہ پرستی کا فلسفہ ہے۔

[۲] خداوند قدوس کی ہستی سے انکار یعنی دہریت۔

[۳] مذہب اور دین سے انکار۔

[۴] خاندانی نظام سے انکار۔

[۵] شخصی ملکیت سے انکار۔

[۶] جدلیاتی فلسفہ اور طبقاتی کشمکش۔

اشتراکی نظریہ سیاست: یہ ہے کہ دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک طبقے کو مٹا کر دوسرے کو غالب کر دیا جائے۔ اشتراکیت مزدوروں کو پکارتی ہے اور لڑاتی ہے۔ ظلم کو ختم کرنے کی بجائے ایک طبقے کو مٹانا اور دوسرے کو اٹھانا اس کا منشورِ اساسی ہے۔

[۱۳] سامراجیت:

سامراجی سیاسی تسلط کی حکومت ہے جس میں ایک فوجی طاقت کے ذریعے یا معاشی، ثقافتی یا سیاسی اثر و رسوخ کے ذریعے دوسرے لوگوں یا ریاستوں پر اپنا تسلط پھیلاتی ہے۔

یعنی ایک ملک سرحدوں سے باہر جا کے دوسرے ملک کے اختیارات پر دخل اندازی کرنے کے عمل کو سامراجیت کہا جاتا ہے۔ یہ دخل اندازی جغرافیائی، سیاسی یا اقتصادی طور پر ہو سکتی ہے۔ کسی ملک یا کسی خطے کو اپنے سیاسی یا مالیاتی اختیار میں لا کے وہاں کے باشندوں کو مختلف حقوق سے محروم کرنا اس نظام کی سب سے ظاہری صورت ہے۔

[۱۴] استعماریت:

استعماریت یا کالونیل ازم کے عام معنی ایک ملک کے ذریعے دوسرے ملک یا علاقہ کو بتدریج اور منظم طریقے سے سیاسی اور اقتصادی طور پر محکوم بنانے یا ایسے محکوم علاقے برقرار رکھنے کی پالیسی کے ہیں۔

[۱۵] نظریہ ارتقاء:

اس نظریہ کے مطابق انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ یعنی انسان پہلے بندر تھا پھر رفتہ رفتہ بتدریج ترقی ہوئی اور اس ترقی کے نتیجے میں بندر سے انسان کی شکل اختیار کی، جسمانی ترقی کی طرح ذہنی ترقی بھی بتدریج ہوئی۔ انسان کا دماغ بچوں جیسا تھا اور قوت متخیلہ مفقود تھی پھر رفتہ رفتہ ذہنی و فکری ترقی ہوئی اور انسان عاقل و ناطق کہلانے کا مستحق قرار پایا۔

[۱۶] جنسی آزادی:

الحاد کے فروغ کے ساتھ ہی مغرب میں جنسی آزادی کا تصور پیدا ہوا۔ اکثر ملحدین کے مطابق کھانے پینے اور سونے کی طرح جنسی خواہشات کی تکمیل انسان کی فطری خواہش ہے لہٰذا اسے اجازت ہونی چاہیے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک زنا بالجبر ایک غلط کام ہے مگر دونوں فریقین کی رضامندی سے ہونے والی جنسی تعلق میں کوئی برائی نہیں۔

قوم پرستی

وطن پرستی اور قوم پرستی مغربی نظامِ حیات کی بہت ہی طاقتور قدریں ہیں۔ قوم پرستی کے نشے سے افراد اور اقوام سب مخمور ہیں۔

انسانوں کو باہم جوڑنے کے لیے مذہب ایک زبردست قوت ہے۔ وہ وحدت الٰہ کے منطقی نتیجے کے طور پر وحدتِ آدم اور وحدتِ عالم کا علَم بردار ہے۔ اہلِ مغرب نے جب مذہب کو اس کے منصب سے معزول کر دیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ افراد اور معاشرے کو مجتمع رکھنے کے لیے کوئی کلمہء جامعہ، کوئی رشتہء رابطہ تلاش کرنا چاہیے۔ قوم کی محبت اور وطن کی محبت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ یورپ کے شاطروں نے اس جذبے سے یہ کام لیا۔ وطن، نسل اور زبان کی وابستگی کے نام پر لوگوں کو جمع کیا گیا۔

قوم کی جامع اور مانع تعریف بیان کرنے کی تمام کوششیں اب تک ناکام رہی ہیں۔ کارلٹن ہیس Carlton Hyes کے خیال کے مطابق قوم ایک مبہم لفظ ہے، اور قومیت ایک رمزیہ mysterious لفظ ہے، جس کا مدلول متعین طور پر معلوم نہیں۔ پروفیسر کر Carr نے کہا ہے کہ قوم کی تعریف بیان کرنا ناممکن ہے۔ ان دشواریوں کو سامنے رکھ کر پروفیسر ایمرسن Emerson نے قوم کی تعریف اس طرح کی ہے کہ انسانوں کا وہ گروہ جو خود کو ایک قوم سمجھے۔ ظاہر ہے یہ کوئی منطقی تعریف نہیں ہے۔ قوم پرستی کا مطلب ہٹلر کے وزیر داخلہ ہرفریڈرک Herr Fredric کے تاریخی الفاظ میں یہ ہے:

> ''ہٹلر کی خدمت کرنا، جرمنی کی خدمت کرنا ہے۔ اور جرمنی کی خدمت کرنا، خدا کی خدمت کرنا ہے۔ ہٹلر کا فیصلہ خیر ہے اور ابد تک خیر رہے گا۔ ہٹلر کی خدمت

کے لیے ہر ذریعہ استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ بظاہر وہ غیر اخلاقی فعل نظر آتا ہو۔"

قوم پرستی کے زیر اثر صرف حکمران طبقہ ہی نہیں، بلکہ قوم کا ایک ایک فرد اپنی قوم کو دنیا کی ساری قوموں سے افضل اور برتر سمجھتا ہے۔

انگریز کہتا ہے:

ہم دنیا کی شریف ترین نسل ہیں۔

جرمن کہتا ہے:

ہم شریف ترین قوم ہیں۔

جاپانی کہتا ہے:

ہم آسمانی باپ کے بیٹے ہیں۔

یہودی کہتا ہے:

ہم خداوند تعالیٰ کی چہیتی قوم ہیں۔

پھر اپنی قوم کی برتری کے لیے یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ دوسری قوموں کی تحقیر اور تذلیل کی جائے۔

ہندو برہمن کہتا ہے:

"تمام دوسری اقوام اچھوت اور ملیچھ (گندی، ناپاک) ہیں۔

فرانسیسی ادیب مانٹسیکو Montesquieu, 1689-1755 لکھتا ہے:

"یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ اس نے سیاہ فام لوگوں کے جسم کے اندر پاکیزہ روح رکھی ہوگی۔"

ان سب کے برخلاف نبی عربی ﷺ کا اعلان ہے: "عربی کو غیر عربی اور غیر عربی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ تم سب لوگ آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔" مزید فرمایا: "انسان کی بزرگی اور برتری کا تعلق اعمال سے ہے، تقویٰ سے ہے۔ جسم سے اور خون سے نہیں ہے۔"

قوم پرستی کی اصل روح خود غرضی ہے، خود غرضی انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس

کو اگر پھیلنے اور بڑھنے کا موقع دیا جائے تو یہ حد سے باہر ہو جاتی ہے۔ فرد، خاندان، قبیلہ، قوم اور وطن سب خود غرضی کے پھیلتے ہوئے دائرے ہیں۔ خود غرضی کا خاصا تصادم اور پے کار ہے۔ قومیت کا جذبہ نفرت کی غذا کھا کر پلتا ہے۔ دوسری قوم کو یا اقلیت کو حریف بنالیا جاتا ہے۔ شکایات واقعی یا موہوم کا ایک دفتر اس کے خلاف جمع ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے قوم کے ایک ایک فرد کا مزاج برہم رہتا ہے۔ مستقل ذہنی تناؤ کی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔ ذہنی کشیدگی میں افواہیں اور غلط سلط بیانات کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ ذرا ذرا سی باتیں تصادم اور جنگ و پیکار پر ختم ہوتی ہیں۔ اس طرح غذا کھا کر قومیت کر عفریت طاقت ور بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ذہنی انحراف کی بدترین شکل ہے۔ جس کا نام قومیت یا حُبُّ الوطنی ہے۔ لوئی فشر Louis Fisher لکھتا ہے:

Patriotism is the last refuge of a scoundrel

جذبۂ حُب الوطنی ایک بدمعاش کی آخری پناہ گاہ ہوتی ہے۔

آلڈوس ہکسلے Aldos huxley لکھتا ہے:

''قومیت نے ایک بت پرستانہ اور مشرکانہ مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ نیا مذہب انسانیت کے درمیان فساد اور تفریق پیدا کرنے کا بڑا طاقت ور ذریعہ بن گیا ہے۔ کوئی خدا پرست مذہب جو مساوات اور وحدتِ انسانی کا علَم بردار ہے، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مزید وہ لکھتا ہے:

''آج دنیا تقریباً پچاس ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی ہے (اُس وقت اقوامِ متحدہ کی ارکان ریاستیں پچاس تھیں) جنہیں اقوامِ عالم کہا جاتا ہے۔ یہ قوم پرستی ان کا سرکاری مذہب ہے یعنی بجائے خدا کے قوم کی پرستش کی جاتی ہے۔ قوم کو اعلیٰ اقدار کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ ان پچاس دیوتاؤں میں سے ہر دیوتا کے پجاری باقی انچاس دیوتاؤں کے پجاریوں کو ملیچھ (ناپاک) تصور کرتے ہیں۔''

آگے چل کر لکھتا ہے۔

''قومیت اخلاق کی تباہی کا سبب اسی طرح بنتی ہے کہ اس کی رُو سے عالمگیر انسانیت، احترامِ آدمیت اور خدائے واحد کا اعتقاد سب باطل قرار پاتے ہیں۔ ان کی بجائے انانیت Egotism اور خود کفالتی Self-sufficiency کے عقائد ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں نفرت اور جنگ و پیکار لازم بن جاتے ہیں۔''

اُمید کی کرن Hope for the changing world میں رقم طراز ہے:

''ہمارے زمانے میں جو چیز معاشرتی روابط کو قومی حدود سے آگے بڑھنے میں مانع ہے وہ قومیت ہے۔ اس لیے قومیت نوعِ انسانی کی تباہی کے لیے سب سے بڑی قوت ہے۔ یہ بات ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ دوسرے ملکوں کی قوم پرستی بڑی خراب شے، لیکن اس کے اپنے وطن کی قوم پرستی اچھی شے ہے۔''

وطن پرستی کی فطرت میں انتشار کی قوتیں پنہاں ہیں۔ تفریق در تفریق کا عمل وطنی قومیت کا خاصہ ہے۔ اس عملِ تفریق کی کوئی حد نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ریاست طاقت ور اور جہانگیریت کی راہ پر گامزن ہے۔ اس وقت تک اس کا اندرونی انتشار دبا رہتا ہے۔ جب ذرا کمزور پڑتی ہے تو یہ انتشار کی قوتیں سر اُبھارتی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یورپ کی قوموں کی شہنشاہیت ختم ہو گئی۔ اب ان کے اندر انتشار کا دیو پھنکار مار رہا ہے۔

کاش اہلِ مغرب سوچیں کہ مذہب کی جگہ اس بت کو بٹھا کر انہوں نے انسانیت کی کتنی تذلیل کی ہے، اور اس کو کن کن معاشرتی روگوں میں مبتلا کر دیا ہے۔

درس گاہوں اور تعلیم گاہوں میں قوم پرستی کی پرورش کی جاتی ہے۔ اس کی طاقتور خوراک نوخیز نسلوں کے سادہ ذہنوں میں اُتار دی جاتی ہے۔ اس طرح آغازِ عمر ہی سے ان کے سوچنے کے انداز قوم پرستانہ رُخ اختیار کر لیتے ہیں۔ قوم پرستی کے نام پر تنگ نظری اور خود غرضی کا سبق ان کو سکھایا جاتا ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنے

رنگین چشموں سے دیکھنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ وحدتِ انسانیت اور مساواتِ آدم کا سبق ان معصوم بچوں کو پڑھایا ہی نہیں جاتا۔ مغربی تعلیم ہر فرد کی آنکھ پر قوم پرستی کی عینکیں چڑھا دیتی ہے۔ جو کسی وقت اور کسی حال میں اُترتی ہی نہیں۔ آج آپ کو ہر جگہ جرمن، انگریز، امریکن، روسی وغیرہ تو نظر آتے ہیں، لیکن انسان نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ قومی اور وطنی نقطۂ نظر تو عام ہے، لیکن آفاقی اور عالمگیر نقطۂ نظر مفقود ہے۔ کوئی جرأت مند روسو آج پیدا نہیں ہوتا جو مغربی بت کدہ میں اعلان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف انسان پیدا کیے تھے، تم نے انگریز، جرمن، روسی، امریکن وغیرہ کہاں سے پیدا کر لیے؟

آگے چل کر یورپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انسانوں کو ایک وحدت کے تحت جمع کیے بغیر چارہ نہیں۔ کہیں تو ثقافت کے نام پر، کہیں باہمی مفادات کے نام پر اقوام کو خود ساختہ رشتوں میں منسلک کیا جا رہا ہے۔ کہیں لیگ آف نیشنز اور کہیں اقوامِ متحدہ کے ادارے وجود میں آ رہے ہیں۔ مگر یہاں یہ سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ کیا یہ خود ساختہ قوانین اور ضابطے مذہب کے رشتے کی جگہ لے سکیں گے؟ کیا یہ اغراض پرستی سے بلند ہو سکتے ہیں؟ کیا یہ بے لاگ اخلاقی کردار ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ان میں تقدس و احترام پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ تو انسان کو خطاب کرنے کی بجائے ابھی تک اقوام کو خطاب کر رہے ہیں۔ اخلاق کی بجائے اغراض کے بندے بنے ہوئے ہیں۔

(مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، صفحہ ۱۵۲ تا ۱۵۸ ملخصا)

❁❁❁

گلوبلائزیشن اسلام مخالف

عالم گیریت محض سیاسی یا اقتصادی تحریک ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ کہ براہِ راست اسلام پر بھی حملہ ہے۔اس لئے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو اپنی صفت عالمیت کی وجہ سے گلوبلائزیشن کے فتنے کا مقابلہ کرسکتا ہے ورنہ آج کے دور میں کوئی مذہب اور کوئی تحریک ایسی نظر نہیں آتی جو اس کے سامنے سدّ سکندری ثابت ہو سکے۔ لہٰذا عالم گیریت کے پالیسی ساز اداروں کے منصوبوں میں جہاں سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی میدانوں میں اپنے مقاصد اور مفادات کا حصول شامل ہے وہیں اسلام کو کمزور کرنا اور اس پر یورش کرنا بھی ان کی اولین ترجیحات میں داخل ہے۔گلوبلائزیشن اسلام کے خلاف علی الاعلان جو سازش کر رہا ہے آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

(۱) عالم گیریت کی یہ کوشش ہے کہ مسلمانوں کے دینی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے جائیں تاکہ مسلمان اپنے مذہب کا سہارا نہ لے سکیں جو دراصل ان کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

(۲) مغربی مادیت پرست اور ملحدانہ افکار وخیالات کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کے مقاصد سے مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو مغربی طاقتوں کے زیرِ اثر کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے پاس کوئی مرکز نہ رہے۔

(۳) ہر ملک میں اسلامی عقیدے کی جگہ مادّی فلسفے کو مسلط کر دیا جائے تاکہ مسلمان

اسلامی عقائد سے کوئی روشنی نہ پاسکیں۔

(۴) اسلام کو حکومت اور سیاست سے بے دخل کر دیا جائے اور مغربی اقدار پر مبنی ''سیکولر'' فلسفے کی بنیاد پر حکومتوں کی تشکیل کی جائے۔

آج ہر مسلم ملک میں ایسی تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں جو آزادی، جمہوریت اور حقوقِ انسانی کے نام پر اسلامی شریعت کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف ہیں۔ ان اداروں کو فکری اور مادی طور پر مغرب کی حمایت حاصل ہے۔ ان کا مقصد اسلامی تہذیب وثقافت کی مخالفت کرنا، اسلامی قوانین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، مرد وعورت کے درمیان تعلق اور مسلم عورت کے مسائل کے حوالے سے اسلام پر نکتہ چینی کرنا ہے۔ بعض مسلم ممالک میں تو اس قسم کے اداروں نے حکومتوں سے علی الاعلان یہ اپیل بھی کی ہے کہ انسانی حقوق کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی پاس کردہ قرارداد کی روشنی میں قوانین بنائے جائیں اور اسلامی شریعت کو اس طرح کے قوانین سے دور رکھا جائے۔ لیکن ان سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ گلوبلائزیشن کے قائدین براہِ راست اسلامی اصولوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف ہو رہی ہیں کہ کسی طرح اسلام کے مسلمہ عقائد کا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ حتی کہ روئے زمین ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل پیرا ہونے والوں سے خالی ہو جائے۔ اسی لیے ایسے حساس موضوع پر جو بھی منفی انداز میں قلم اٹھاتا ہے اس کو مغرب کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے۔ حال ہی میں عالمِ عرب سے تعلق رکھنے والے تین ملحد قلم کار اُبھرے ہیں۔ ان میں سے ایک ''محمد شحرور'' سوریا (شام) سے، محمد سعید العشمادی'' مصر سے اور ''محمد ارکون'' الجزائر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تینوں نے اسلامی اصولوں اور قوانین میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اسلامی عقائد، حدود، میراث اور خاندانی قوانین کو زمانہ جاہلیت کا ردِّ عمل ثابت کرنے کی مذموم سعی کی ہے۔ ان کا مقصد لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانا ہے کہ یہ قوانین جدید دور سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ان تینوں مصنفین کی

کتابوں کے منظرِ عام پر آجانے کے بعد انہیں مغرب کی پناہ حاصل ہوگئی۔ حتیٰ کہ سابق امریکی انتظامیہ کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان "بیلٹر" نے تینوں کی خوب مدح سرائی کی اور انہیں روشن خیالی کا تمغہ عطا کیا۔(۱) دراصل عالم گیریت کے قائدین کو معلوم ہے کہ اسلام میں چوں کہ اس کا نعم البدل بننے اور ہر سطح پر اس کا مقابلے کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے اسلام کو محض ایسا مذہب بنا دیا جائے جو چند ارکان کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہو۔ عملی زندگی میں اس کا کوئی کردار نہ ہو۔

(گلوبلائزیشن اور اسلام، ص ۴۲۳۔۴۲۶)

مغرب کا بے بنیاد کفالتی دعویٰ

آج مغرب اپنی معاشی پالیسیوں اور کفالتی منصوبوں کی تعریفیں کرتے تھکتا نہیں ہے۔ مغرب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انسانی حقوق کے حوالے سے کفالتی سکیموں کی ابتداء ہم نے کی ہے اور ہم ہی اس کے موجد ہیں۔ یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد دعویٰ پر مبنی ہے۔ جس نظام کو وہ دردر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد قائم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا آغاز ہی ایسے خوبصورت احساسات وجذبات سے ہے۔ مغرب کی چند ریاستیں نومولود بچوں کا وظیفہ جاری کر کے اپنے آپ کو بنی نوع انسان کا سب سے بڑا ہمدرد اور خیر خواہ جتلاتی ہیں۔ کیا وہ بھول گئے ہیں کہ وظائف اور عطایا کا اجراء اسلامی نظامِ کفالت کی تخلیق اور اسلامی حکمرانوں کا سنہرا کارنامہ ہے۔

پروفیسر امیر الدین مہر کہتے ہیں:

''بڑے تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ یورپ اور اس کے دلدادہ اور اسلامی تاریخ سے ناواقف اجتماعی کفالت کے نظام کو یورپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ستر ہویں اور اٹھارویں صدی عیسوی کو اس کی ابتداء بتا کر دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم نے یہ نظام ایجاد کیا، متعارف کرایا اور دنیا میں رائج کر رہے ہیں۔ یہ لوگ تاریخ سے نہ صرف آنکھیں بند کر لیتے ہیں بلکہ صحیح تاریخ کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ مدینے کی اسلامی حکومت نے اول روز سے سب سے پہلے اس شعبے کو منظم کیا۔ اپنے پیروکاروں سے ترغیب وترہیب (نرمی وسختی) دونوں طریقوں سے زکوٰۃ وصول کی اور کسی صورت

میں زکوٰۃ کو چھوٹ نہیں دی بلکہ اس کے لئے لڑائی لڑنے کی ضرورت ہوئی تو لڑائی تک کی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اگر کسی نے زکوٰۃ کی معمولی چیز کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو وہ برداشت نہیں ہوگی بلکہ اس کی وصولی کے لئے لڑائی ہوگی"۔

زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ سوشیالوجی کے مسلم سکالر بھی یورپ کی زبان بولنے لگ جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اپنی سچی اور صاف تاریخ کو بھول جاتے ہیں یا یورپ کی عینک سے صرف وہی دیکھتے ہیں جو وہ عینک دکھاتی ہے۔ یورپ والے اپنی تاریخ کی روشنی میں اور یورپ کے تاریکی کے دور کو سامنے رکھ کر کہیں کہ ہم نے اس کام کو سترہویں صدی میں سمجھا، سیکھا اور جاری کرنے کی کوشش کی، تو کسی حد تک صحیح ہوسکتا ہے۔ پھر انہوں نے اس کام کو خوشی، خوش دلی سے شروع نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے اسے اللہ کی رضا چاہنے کے لئے اور لوگوں پر رحم کھاتے ہوئے شروع کیا۔ بلکہ مختلف اصلاحی و معاشی انقلابات، کمیونزم کے سیلاب کے نتیجے میں اس پر چار و ناچار عمل شروع کیا۔ پھر دوسری عالمگیر لڑائی نے مجبور کیا کہ اپنی قوم کی اشک شوئی کریں، انہیں راضی کریں اور جنگ سے پہنچنے والے زخموں پر مرہم رکھیں اور ان کے یتیموں اور بیواؤں کے لئے ابتدائی بندوبست کریں۔ اس طرح ان میں رفاہی اور سماجی کاموں کا شعور بڑھا۔ لیکن اسلام نے تو ان باتوں کو روزِ اول سے نافذ کیا ہے۔

(عہدِ رسالت میں نظامِ کفالت: ۴۹ تا ۵۱)

دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ

اُمتِ مسلمہ پر چار سمت سے حملے

اس وقت آپ کی توجہ ایک انتہائی اہم پہلو کی طرف مبذول کرائی جارہی ہے کہ اس وقت امت مسلمہ کی فکری وعملی زندگی پر درج ذیل چار پہلوں سے حملے ہورہے ہیں۔

(۱) مادیت کا حملہ

(۲) اشراقیت کا حملہ

(۳) متنبیت کا حملہ

(۴) معرضیت کا حملہ

پہلا حملہ..... مادیت

اس حملے سے مسلمانوں کے اذہان وقلوب کو مادیت کی لپیٹ میں لایا جارہا ہے اور ان کے دل ودماغ کو لبھانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ مغربی تہذیب کی کشش اور چکاچوند سے ان کے اعتقاد اور اعتماد کو اس درجہ متزلزل کردیا جائے کہ وہ اسلام کی روحانی اقدار سے بر گشتہ ہوجائیں۔

مادیت سے جنم لینے والے فتنے

مادیت کی بے پناہ یلغار نے ملت اسلامیہ کو چار مختلف فتنوں سے دوچار کردیا ہے:

پہلا فتنہ..... حکم الجاھلیۃ

دوسرا فتنہ.....ظن الجاھلیۃ
تیسرا فتنہ.....تبرج الجاھلیۃ
چوتھا فتنہ.....حمیۃ الجاھلیۃ

حکم الجاھلیہ

اس سے مراد مادیت کا وہ فتنہ ہے جس کی زد میں آکر مسلمان ریاستیں نام تو اسلام کا لیتی ہیں لیکن عملاً احکم الحاکمین کے عطا کردہ نظام اور قانون شریعت کے نفاذ کی بجائے مغرب سے مستعار نظام رائج کرنے کو ترجیح دے رہی ہیں اور احکام الٰہیہ کو حیلوں بہانوں سے پس پشت ڈال کر مغربی قوانین کے عمل درآمد (IMPLEMENTATION) میں مادی ترقی کی ضمانت تلاش کر رہی ہیں۔ اس طرح امت مسلمہ کو شریعت کے فیوض و برکات سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

ظن الجاھلیہ

اس سے مراد مادیت کا وہ فتنہ ہے جس میں مبتلا ہو کر امت مسلمہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اسلامی فکر و فلسفہ سے منہ موڑ کر مغربی افکار کا دلدادہ ہو رہا ہے۔ نتیجتاً کالجوں، یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلباء الا ماشاء اللہ مغربی فلسفے، سیکولر افکار اور لادینی نظریات کا مطالعہ تو نام نہاد ترقی پسندی اور روشن خیالی کے زعم میں بڑے شوق و شغف سے کرتے ہیں لیکن اسلامی افکار کے حیات بخش سرچشمے سے متمتع ہونے کی انہیں توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔

تبرج الجاھلیہ

مادیت کا یہ تیسرا فتنہ درحقیقت مغرب تہذیب کی یلغار کا نتیجہ ہے جس کے زیر اثر اعلیٰ اسلامی روایات اور شرم و حیا کی آفاقی اقدار بری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چکا چوند اور طمع کاری سے متاثر ہو کر ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں عصمت و عفت کے اسلامی تصور سے بیگانہ ہو کر خود کو مغربی قانون کے قالب میں ڈھال رہی ہیں جس کے نتیجے میں

مغربی آرائش جمال کی رو میں بہہ کر شرم وحیاء کے جوہر سے تہی مایہ نسوانیت شمع خانہ بننے کی بجائے رونق محفل بن کر رہ گئی ہے۔ عصمت وعفت کا اسلامی تصور قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔

حمیۃ الجاھلیہ

چوتھا فتنہ مادیت حمیۃ الجاھلیہ ہے جو ان قبائلی، گروہی، علاقائی اور صوبائی تعصبات ومفادات کو فروغ دے رہا ہے جنہیں ختم کرنے کے لئے اسلام آیا تھا۔ آقا دو جہاں ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ

''کل شیء من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع''۔

آج کے دن جاہلیت کے تمام تصورات میں نے اپنے قدموں تلے روند ڈالے ہیں۔

آپ ﷺ نے دور جاہلیت کی جھوٹی عصبیتوں اور حمیتوں کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا اور نسلیت، قبائلیت، علاقائیت اور لسانیت کے سارے بت پاش پاش کر دیئے تھے۔ بدقسمتی سے آج اسلامی حمیت وغیرت خوابیدہ ہے جبکہ جھوٹی اور محدود عصبیتیں پھر سے سر اٹھانے لگی ہیں۔ اور امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ انتشار وافتراق کی ہواؤں میں ہر طرف بکھرتا دکھائی دے رہا ہے۔

دوسرا حملہ.....اشراقیت

جہاں مادیت کے حملے سے ملت بیضا کو اسلام کے روحانی پہلو سے محروم کیا جا رہا ہے۔ وہاں اشراقی فتنے کے ذریعے نقلی ومصنوعی روحانیت کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو منہاج شریعت سے دور رکھنے کے جتن کیے جا رہے ہیں۔ شریعت اور طریقت میں دوری اور بُعد پیدا کر کے ظاہری احکام شریعت سے یہ کہہ کر پہلو تہی کی جا رہی ہے کہ دین کی اصل تو باطن ہے جسے ظاہری شریعت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اشتراکیت کے حملے کے ذریعے اطاعت واتباع احکام الٰہی اور شریعتِ مطہرہ کی پیروی کے تصور کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور آزاد خیالی وآزاد روی کے نام پر ایک مصنوعی اور کھوکھلی روحانیت کو رواج دیا جا رہا ہے۔ جس کے ذریعے اس

تصور کو فروغ دیا جارہا ہے کہ اصل راہ تو طریقت وباطنیت کی راہ ہے اور منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے شرعی احکام کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں۔

تیسرا حملہ.....متنبیت

اسلام کے قالب پر ہونے والا تیسرا حملہ متنبیت کا ہے جس نے امت مسلمہ کے اندر طرح طرح کے فتنوں کو جنم دیا ہے۔ان میں ایک بہت بڑا فتنہ جھوٹی نبوت کا ہے۔امت کو بظاہر بے یارو مددگار اور بے سہارا دیکھ کر مختلف افراد جھوٹی نبوت ،مجددیت اور قیادت کے دعویدار بن کر سامنے آئے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے ان کے ایمان واسلام کو غارت کر دیا ہے۔ یہ حملہ پہلے دو حملوں کی نسبت کہیں خطرناک ہے اور متاع ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔اس حملے کے ذریعے ملت اسلامیہ کو اس کے مرکز سے بیگانہ کر کے اس کی وفاداریوں کو تقسیم کیا جارہا ہے۔

چوتھا حملہ.....معرضیت

اسلام کے خلاف چوتھا حملہ معرضیت کا ہے جس کے زیر اثر اسلام کے نام پر افراد امت کو بانیِ اسلام سے دور لے جایا جارہا ہے۔اور ان کے دلوں میں بھڑکنے والی عشق مصطفیٰ ﷺ کی چنگاری کو بجھانے کے جتن کیے جارہے ہیں۔یعنی بقول اقبالؒ

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کے حجاز ویمن سے نکال دو

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک سینوں میں محبت رسول ﷺ کی حرارت ہے اور تب وتاب باقی رہتی ہے امت کے اجتماعی احوال واعمال چاہے کتنے دگرگوں کیوں نہ ہو جائیں ان کی متاع رفتہ پھر ہاتھ آسکتی ہے اور راکھ میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاری نسبت مصطفیٰ سے بھڑک کر شعلہ جوالہ بن سکتی ہے لیکن اگر خدانخواستہ امت کی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ یہ

نسبت کمزور پڑ جائے اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی ذات سے عشق ومحبت کو شخصیت پرستی اور فرسودہ خیالی پر محمول کیا جانے لگے تو اس کو دائمی شکست سے دو چار ہونے سے نہیں روکا جا سکتا اور مستقبل میں اس کا اپنے احیاء کی نسبت یقین یکسر متزلزل ہو جاتا ہے اور رزم گاہ حیات میں اس کا دوبارہ غلبہ حاصل کرنا

ایں خیال است محال است جنوں

والی بات بن کر رہ جاتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ

اُمتِ مسلمہ کے قلب وجگر پر کیے جانے والے مذکورہ چاروں حملوں کا مقصد فقط ایک ہے کہ نسبت رسالت کی اساس کو اس درجہ کمزور و مضمحل کر دیا جائے کہ امت کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ تعلق اور ناطہ برائے نام رہ جائے۔ ان حملوں کا آغاز برطانوی استعمار اور مغربی سامراجی طاقتوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا تھا تاکہ مختلف حربوں سے امت کو عشق ومحبت رسول ﷺ کے مرکز سے دور ہٹا کر اس کی اساسی نسبت کو کمزور کر دیا جائے۔ جس سے وہ ایمان کی حرارت اور زندگی کی رمق حاصل کرتی ہے۔ اور جس سے سرشار ہو کر وہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ افرنگی حیلہ گروں نے سوچا کہ جب اس امت کا تعلق اپنے مرکز سے جہاں سے اسے زندگی مل رہی ہے ٹوٹ جائے گا تو اس پر ایک نہ ختم ہونے والی ابدی موت طاری ہو جائے گی۔

[دور حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ: ص ۸ تا ۱۳]

نام نہاد محقق

اسلامی اقدار کو توڑنے کا یہ ایک نیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور میڈیا کے مختلف ذرائع اور چینلز ان حضرات سے تجاہل برتتے ہیں جن کی طرف ان کا دل مائل نہیں۔ یعنی علماء اور دیندار ذہن رکھنے والے وطن پرست ماہرین ونقاد) بلکہ وہ تو یہ سارے کام صبح وشام سیکولر اور لادینی عناصر کے ذریعے کروا رہے ہیں۔ چنانچہ اگر انھیں کسی چینل پر عالم کو لانے کی ضرورت ہوتی ہے تو کسی سیکولر اور لادینی (یا منکر حدیث یا منکر فقہ) شخص کو لا کر بیٹھا دیتے ہیں۔ اگر انہیں فکر وادب پر کچھ کہلوانا مقصود ہوتا ہے تو وہاں سیکولر ذہن کی بات کہلوائی جاتی ہے اسی طرح اگر وطنیت پر کچھ کہلوانا ہے تو بھی سیکولر ذہن سے کہلوا دیا جاتا ہے (تاکہ حقیقی وطن پرست جذبات کو فراموش کیا جاسکے)۔ باوجودیکہ یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ اسلامی حکام امانت دار ثابت ہوتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ امانت دار ثابت نہیں ہوتے۔ (یہ مظاہرہ آپ افسر شاہی اور حکومتی اہلکاروں اور حکمرانوں کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں)۔

پھر جب میڈیا پر کسی گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے تو وہاں ہر قسم کی سیکولر آراء پیش کی جاتی ہیں اور جان بوجھ کر ان آراء (اسلامی اقدار پر مبنی) جن کو میڈیا والے نہیں چاہتے سکوت کر لیا جاتا ہے یا پھر کسی ایسے شخص کو بٹھایا جاتا ہے جو اسلام کی نمائندگی کمزور طریقہ پر کرتا ہے۔ (ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے والا کوئی عالم بیٹھا ہو تو آخری رائے کسی سیکولر سے لی جاتی ہے وہ ان تمام شقوں کو جو عالم پیش کرے ایک جملہ میں غلط کہہ کر اپنی غلط سوچ اور بیکار سی عقلی دلیل دے دیتا ہے تو پروگرام کا وقت ختم کر دیا جاتا ہے۔)

(نوجوانوں سے راز کی باتیں۔ ص ۲۷۷ تا ۲۷۸)

❁❁❁

استشراق ومستشرقین

تحریک استشراق کیا ہے؟.....اور مستشرقین کسے کہتے ہیں؟

پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں:

''اہل مغرب بالعموم اور یہود ونصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب وتمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں۔ ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے۔''

مستشرقین کے عزائم:

مستشرقین کے عزائم یہ ہیں کہ علم وثقافت اور تہذیب وتمدن ہر جگہ نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے سینوں سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے تشکیک کے بیج بو دیں۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے انہوں نے مسلمانوں کے عقائد ونظریات، شریعت، تاریخ، معاشی ومعاشرتی نظام، عائلی قوانین وغیرہ کا مطالعہ کیا اور پھر غیر جانب دار محقق کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی فکر پر شب خون مارنے کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دیا۔ اور اپنے ان عزائم کے لئے انہوں نے اپنے یہاں علوم اسلامیہ کے ادارے قائم کیے تاکہ وہاں سے وہ ایسے لوگ پیدا کر سکیں جو اسلام پر تنقید کر سکیں۔

[استشراقی فریب: ص ۳۹]

❁❁❁

موجودہ دور کے فکری چیلنجز اور فضلاء کی ذمہ داری

مختلف میدانوں میں اسلام اور کفر کی جنگ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ نبی پاک ﷺ کی وفات ہوتے ہی اسلام کی فصیلوں میں دراڑیں ڈالنے کا ابلیسی عمل شروع ہوا جو بلا تعطل آج تک جاری ہے۔

حق و باطل کی اس طویل کشمکش میں جہاں اہلِ باطل اور اہلِ کفر کی ریشہ دوانیوں، سازشوں، نت نئے طریقوں سے حق کو ختم کرنے کی کوششوں اور اپنے تمام تر وسائل و ساز و سامان کے ساتھ حق کو ملیا میٹ کرنے کی تگ و دو اور عسکری، فکری، علمی، سیاسی، تہذیبی اور دیگر میدانوں میں حملہ آور ہونے کی داستانوں کی ایک طویل تاریخ ہے وہاں باطل کے خلاف اہلِ حق کی کاوشوں، حق پر ڈٹنے اور مر مٹنے کے مبارک جذبوں، غلبہ حق کے لیے جان و مال کی قربانیوں، باطل کے ایوانوں میں گرجدار للکاروں اور ہر میدان میں باطل کو منہ توڑ جواب دینے کی تاریخ ہے۔ دعوت و عزیمت کی یہ صبر آزما تاریخ ہمارے لیے مشعل راہ اور مایوس کن حالات میں شمع اُمید ہے اور دین اسلام کی حفاظت کے خداوندی وعدے کا منتظر اتم ہے آج کی دنیا علوم و فنون کی دنیا ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کا دور ہے۔ فلسفہ و عقل کی موشگافیوں کا زمانہ ہے۔ آزاد خیالی اور نفس پرستی کا دور دورہ ہے۔ مادیت اور سرمایہ ہی اس دور کے انسان کا معبود اعظم ہے۔ انٹرنیٹ اور میڈیا نے دور اور قریب کے فرق کو مٹا دیا آج ماضی کے برعکس زیادہ تنوع، وسعت اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ باطل اسلام پر حملہ آور ہے۔ مزید براں مسلمان ماضی کی طرح قوت و طاقت میں نہیں ہیں خلافت کا سائبان مسلمانوں کے سر پر سایہ فگن نہیں ہے آج کی دنیا کے اختیارات کی باگ ڈور مغرب کے ہاتھ میں ہے اور

سیاست، معیشت، سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ، فکر، تہذیب غرض ہر میدان میں مغرب حاکم، امام اور کلی اختیارات کا مالک ہے۔ مغرب نے اپنی حاکمیت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام پر چاروں طرف سے حملہ کر رکھا ہے۔ آج کے مسلمان خصوصاً ایک عالم دین اور فاضل کی ذمہ داری ماضی کے برخلاف کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ امتِ مسلمہ کی بقا، تحفظ اور دینی و ایمانی حفاظت وارثین انبیاء کے کندھوں پر ہے۔ موجودہ دور کے بڑے چیلنجز سے ہر عالم و فاضل کو باخبر رہنا چاہیے اور ان کے سدباب اور توڑ کے لیے ہمہ جہت تیاری کرنی چاہیے اُمتِ مسلمہ کو علمی و فکری حوالے سے درجہ ذیل بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔

۱۔ سیکولرزم۔ سیکولرزم عصر حاضر کے بڑے اور خطرناک فتنوں میں سرِ فہرست ہے۔

۲۔ الحاد۔ انسانی معاشروں میں ایسے لوگوں کا وجود ہمیشہ سے رہا ہے جو مذہب اور خدا کے منکر تھے لیکن عصر حاضر کی حیرت انگیز مادی ترقی اور سائنسی ایجادات کے بطن سے الحاد کی ایک عالمگیر تحریک نے جنم لیا ہے۔

۳۔ جدیدیت۔ کلیسا اور پاپائیت کے خلاف متنوع تحریک اٹھی اور ان تحریکوں کی کوکھ سے ماڈرن ازم کی ایک ہمہ گیر تحریک نے جنم لیا۔ جدید مغربی دنیا نے آزادی، مساوات اور ترقی کے تین بنیادی اصولوں پر نظامِ زندگی کی تشکیل کی جس کے بطن سے سرمایہ دارانہ نظام، لبرل، مغربی جمہوریت، عالمی چارٹر، سوشل سائنسز اور دیگر جدید نظام ہائے زندگی وجود میں آئے۔

۴۔ مابعد جدیدیت: مابعد جدیدیت کا فلسفہ جدیدیت کے ردِعمل میں وجود میں آیا۔

۵۔ تجدد پسندی۔ سیکولرزم، الحاد، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے افکار کی اٹھان مغرب سے ہوئی اور مغرب سے بقیہ دنیا میں پھیل گئے۔

فضلاء کی ذمہ داری

عصر حاضر کے ان بڑے فکری چیلنجز کا مقابلہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

علمائے امت چونکہ حدیث کے مطابق انبیاء کے وارث ہیں اس لیے ان کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمارے فضلاء کو پانچ میدانوں میں ان تھک محنت کی ضرورت ہے۔

۱۔ اسلامی علوم میں کامل رسوخ ومہارت

۲۔ فرق وافکار کی تاریخ کا مطالعہ

۳۔ مغربی فکر وفلسفہ سے واقفیت

۴۔ عالم اسلام کی احیائی وفکری تحریکات کا مطالعہ

۵۔ عصر حاضر کے اسالیب تحریر وتقریر اور جدید علوم سے بقدر ضرورت واقفیت

(ماخوذ از ماہنامہ الشریعہ، نومبر ۲۰۱۵ء)

ثقافتی ہیرو

ثقافتی ہیرو وہ کھلاڑی، اداکار اور فنکار ہیں جو فی زمانہ معاشرے کے آئیڈیل افراد کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ رقاص اور مداری جو کل تک حقیر پیشہ سمجھتے جاتے تھے اب ڈسکو ڈانسر اور کھلاڑی بن کر مذہبی رہنماؤں سے بھی زیادہ عزت و توقیر کے حق دار بن گئے۔ گلوکار اور اداکار جنہیں ماضی قریب میں میراثی، بھانڈ اور مسخرا کہا جاتا تھا اب قوم کے ہیرو اور فن کار بنا دیے گئے ہیں۔ نہ صرف ان کے ہیر اسٹائل، لباس، تراش خراش، چلنے پھرنے کے انداز اور رہن سہن کے طور طریقوں کی اندھا دھند نقل کرتے ہیں بلکہ ان کے تمام خیالات کو بھی بلا سوچے سمجھے قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔

ثقافتی ہیرو زندگی کے فلسفے اور سیاست سے لے کر مذہب اور شریعت تک ہر معاملے میں اپنی رائے جھاڑتے ہیں اور لوگ ان کے قول کو کسی عالم دین کے فتوے سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ الغرض اہل باطل اپنے افکار و نظریات کی تشہیر کے لیے ثقافتی ہیرو کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔

علاقائی تہذیب وثقافت

علاقائی تہذیب وثقافت کا فروغ بھی اسلام کے خلاف استعمال کیا جانے والا ایک بڑا حربہ ہے۔ عالم اسلام کے قدیم مشترکہ تہذیب وتمدن کو متروک بنانے کی کوششیں جاری ہیں اور اس کی جگہ ہر ہر صوبے کو اس کی الگ تہذیب اور شناختوں سے روشناس کرایا جارہا ہے۔

اسی تہذیبی تعصب نے اسلامی دنیا میں صوبائیت اور وطنیت پر استوار سیاسی پارٹیوں کو وجود بخشا۔ 1947ء میں عراق اور شام میں حزب البعث العربی نامی تنظیم نے جم لیا جس کا بانی ایک عیسائی تھا اور اس کی بنیاد عرب قومیت پر تھی۔ 1909ء میں عرب میں ''الجمعیۃ القحطانیۃ'' متعارف کروائی گئی۔ علاقائی تہذیب وتمدن اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تعلیم وتحقیق کے لیے مستقل علمی ادارے بھی بنائے گئے جن میں سے ایک ''جامعہ دول العربیہ'' ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مغربی دنیا اربوں ڈالر خرچ کر کے اسلامی ممالک میں دبے ہوئے ہزاروں سال پرانے آثار اور زمانہ جہالت کے کھنڈرات سامنے لا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو اس کی اسلامی شناخت سے توڑ کر یہ یاد دلایا جائے کہ تم اصلاً ان کی اولاد تھے جو کہ بت پرست تھے۔ مغربی دنیا کو ٹیکسلا، ہڑپہ اور موہن جوداڑو سے اسی لیے دلچسپی ہے کہ انہیں زمانہ قبل از اسلام کی تہذیبوں کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔

گزشتہ صدی کے آغاز میں جب آثار قدیمہ کی دریافت کا کام زوروں پر تھا تب ایک مستشرق نے لکھا تھا کہ اس انتہائی مہنگی مہم کے ثمرات اور فوائد فی الحال نظر نہیں آسکتے لیکن مستقبل میں اس کے لامحدود اثرات سامنے آئیں گے۔

جاہلی عصبیت، قومی ووطنی عصبیت کا فروغ

قومی اور وطنی عصبیتوں کا فروغ، عالمگیر اسلامی وحدت کو توڑ کر کئی چھوٹی چھوٹی وحدتیں پیدا کر دیتا ہے اور یوں لادینیت کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

کسی گروہ، ملک یا نسل سے تعلق پر اس طرح فخر کرنا کہ جائز و ناجائز، انصاف یا ظلم میں بہر صورت اس کا ساتھ دیا جائے، اور اس کے موقف کو بہر صورت حق سمجھا جائے، عصبیت ہے۔ اسی طرح اپنی قوم، ملک اور نسل کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا بھی عصبیت ہے کہ اسی کے افراد سب سے افضل اور لائق سیادت ہیں۔ یہی وہ جاہلی عصبیت ہے جسے شریعت نے سخت ناپسند کیا ہے۔

اسلام نے دنیا کو عصبیت کی ان اکائیوں سے نکال کر ایک عالمگیر وحدت دی۔ جس کی چار بڑی بنیادیں ہیں:

(۱) وحدۃ الایمان یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ پر خالص ایمان لانا۔

(۲) وحدۃ الاصل یعنی یہ یقین رکھنا کہ تمام انسانوں کی اصل اور نسل ایک ہے۔ سب آدم کی اولاد ہیں۔

(۳) وحدۃ العبدیت یعنی یہ یقین رکھنا کہ سب انسان اللہ کے بندے ہیں، بندہ ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں۔ کوئی اللہ کا رشتہ دار نہیں۔ قیامت میں سب اپنے اپنے ایمان اور اعمال کے لیے جوابدہ ہوں گے۔

(۴) معیار الفضیلہ یعنی بندوں کے درمیان اگر افضلیت کا کوئی معیار ہے وہ تقویٰ ہے رنگ و نسل یا وطن نہیں۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾[الحجرات:۱۳]

''اللہ کے ہاں تم میں سے افضل وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے''۔

یہ وہ تعلیم ہے جس کی بناء پر اسلام نے بنی آدم کو ایک وحدت بنا دیا۔ وہ لوگ جن پر کوئی حکومت نہیں کر سکتا تھا، اسلام نے ان کو آپس میں اس طرح جوڑ دیا تاریخ عالم اس کی

مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

مگر اسلام دشمن قوتیں اسلام کی اس انتہائی پرکشش تعلیم کو خود مسلمانوں ہی سے اوجھل کر دیا اور اس کی جگہ جاہلی عصبیت کو فروغ دے کر مسلمانوں کو لڑانے میں اس حد تک کامیاب ہو گئے کہ آج کوئی مسلمان ملک بھی کسی ایک بڑے مسئلے پر متفق نہیں ہو پاتا۔ نسلی بنیادوں پر کھڑی ہونے والی سیاسی پارٹیاں اس قومی عصبیت کو مزید فروغ دے رہی ہیں اور اس طرح وحدت اسلامی بالکل پارہ پارہ ہوتی جا رہی ہے۔

[نظریاتی جنگ کے محاذ: ص ۳۳۹ تا ۳۴۲]

آزادیٔ نسواں کے لیے پروپیگنڈہ مہم

آزادیٔ نسواں کو فروغ دینے اور مسلم عورت کا ذہن بدلنے کے لیے اہل مغرب نے جو پروپیگنڈا مہم شروع کر رکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں عورت مظلوم ہے۔ مسلم معاشرے میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا۔ وہ ہر معاملہ میں مردوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ معاشرے کا سارا بوجھ اسی پر ہے اور اسی سے سارے گھٹیا کام کاج کروائے جاتے ہیں۔ غرض یہ اسلام کو عورت کے بنیادی حقوق کا غاصب مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اس سلسلے میں درج ذیل نکات خاص طور پر اٹھائے جاتے ہیں:

(۱) اسلام میں عورت کو گھر کا قیدی بنا دیا گیا ہے۔ اسے پردے پر مجبور کر کے اپنی خداداد صلاحیتوں اور عمدہ صفات کے اظہار سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس کی خود کو دنیا سے منوانے کی فطری خواہش کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ مگر مغرب نے عورت کو اظہار ذات و صفات کا پورا موقع دیا ہے۔

(۲) اسلام نے عورت کو خود کفیل ہونے اور کمائی کے لیے باہر نکلنے سے منع کیا ہے، اس طرح عورت کی معاشی اور معاشرتی حیثیت تباہ ہو جاتی ہے جبکہ یورپ میں عورت پوری طرح آزاد ہے۔ وہ مردوں کی طرح نوکری کر سکتی ہے اور معاشی طور پر خود کفیل ہو چکی ہے۔

(۳) اسلام نے تو عورتوں کو ناقصات العقل قرار دیا ہے جو کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ مغرب عورت کو پورا انسان مانتا ہے اور اسے کسی طرح مردوں سے کم تر نہیں سمجھتا۔

(۴) اسلام میں عورت کو بڑی حد تک میراث سے محروم کر کے زیادہ حصہ مردوں کو دے دیا جاتا ہے۔ ''مرد کا میراث میں دو عورتوں کے برابر حصہ ہونا'' ایک جابردارانہ قانون ہے۔

(۵) اسلام میں طلاق کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے۔ یہ بھی عورت کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ حق عورتوں کو بھی حاصل ہونا چاہیے۔

(۶) اسلام مردوں کو بیک وقت چار چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے مگر عورت کو یہ اجازت نہیں۔ وہ ایک ہی خاوند پر اکتفاء کرنے کی پابند بنادی گئی ہے۔

(۷) اسلامی معاشرے کی عدالت میں عورت کی گواہی نصف مانی جاتی ہے۔ گویا اسے آدھا انسان قرار دیا گیا ہے۔

جواب:

اگرچہ ایسے گمراہ کن اشکالات کے مفصل جوابات دیے جا چکے ہیں اور یہاں ان تفاصیل میں جانے کی گنجائش نہیں تاہم اس پروپیگنڈے کا مختصر جواب دیا جاتا ہے تاکہ طلبہ اور ناواقف قارئین کی تسلی ہو سکے کہ اسلام میں عورت پر ان پابندیوں کی وجہ کیا ہے۔

اصولاً کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد کسی فرد کو شرعی احکام پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ جب ہم ایمان لا چکے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس نظام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس کے ہر حکم میں بے شمار حکمتیں ہیں تو ہمیں کسی حکم کی تعمیل کی بجائے اس کی علتیں تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ ایک مسلمان کا کام ہے بے چوں و چراں احکام الٰہی کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ حجت بازی کرنا۔

''الله حكيم وفعل الحكيم لا يخلو عن الحكمة''.

یقیناً اللہ تعالیٰ کو کوئی امر حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس خالق و مالک کے نام اور شریعت کی ایک ایک چیز حکمتوں اور اسرار سے بھرپور ہے جن کو پوری طرح سمجھنا انسانی عقل

کے بس میں نہیں۔ اہل ایمان کی سوچ یہی ہونی چاہیے تاہم تشکیک میں مبتلا اذہان کے اطمینان کے لیے اس پروپیگنڈے کے خلاف چند عقلی دلائل بھی دیے جاتے ہیں:

عورت گھر کی قیدی ہے؟

اسلام میں عورت کو گھر سے باہر نکلنا مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ اس کو ضرورت کے وقت شرعی پردے کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عورت اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ہاں جا سکتی ہے۔ مجبوری میں خرید و فروخت کے لیے بھی نکل سکتی ہے۔ طبیب وغیرہ کے پاس جانے کی بھی اجازت ہے۔ عورتیں حج پر بھی جاتی ہیں جو ایک طویل سفر ہوتا ہے، اس کے علاوہ نفیر عام کے وقت عورتیں جہاد میں بھی حصہ لے سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ازواجِ مطہرات کو سفر میں اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کا قیدی بنایا ہے۔ وہ گھر کی قیدی نہیں گھر کی ملکہ ہے۔ اسے گھر پر رہنے کی تلقین اسی لیے کی جاتی ہے تاکہ وہ گھر کے کاروبار پر پوری توجہ دے سکے۔ باہر دھکے کھانے اور زمانے کے فتنوں سے محفوظ رہے۔

[نظریاتی جنگ کے محاذ: ص ۳۴۵ تا ۳۴۷]

❁❁❁

مغرب میں عورت کو کیا ملا؟

مغرب میں آزادیِ نسواں کے کھوکھلے نعرے کی حقیقت عیاں ہو چکی ہے۔ مغربی عورتیں اب بھی شوہروں کے تشدد کا شکار ہیں۔ زنا کی قانوناً اجازت کے باوجود ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زنا بالجبر کے کیس بڑھ چکے ہیں کہ کم سن ماؤں کے الگ اسکول بن چکے ہیں جہاں دس دس سالہ لڑکیاں اپنے بچوں کو گود میں لیے ہوئے تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ امریکا کی کم سن ماؤں نے اپنی ایک الگ تنظیم بنا رکھی ہے جو جنسی آزادی کی شدت سے مخالفت کرتی ہے۔ وہاں عورتیں اب محض شوپیس ہیں جنہیں جوانی ڈھلتے ہی کوڑا کرکٹ سمجھ کر کنارے پر ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کی آخری منزل اولڈ ہاؤس ہوتی ہے جہاں وہ بقیہ عمر شدید احساس محرومی میں گزار دیتی ہیں۔ خاندانی نظام کی تباہی نے خالہ، پھوپھی، ماموں، چچا دادا، دادی اور نانا، نانی جیسے رشتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ لاکھوں میں سے کوئی ایک فرد ہوتا ہے جسے اپنے دادا یا دادی کا نام یاد ہو۔ بے نسب بچوں کی کثرت نے وہاں ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔

یورپ و امریکا میں 20 اور 25 سال کی عمر کے اکثر لوگ بغیر شادی کے جنسی عمل کرتے ہیں۔ اور اس زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ شمالی یورپ میں ایسے لوگوں کا تناسب 90 فیصد تک ہے۔ یعنی ایک ہزار میں صرف 36 افراد شادی کرتے ہیں۔ 1969ء کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ 75 فیصد غیر شادی شدہ لڑکیاں اسقاطِ حمل کرواتی ہیں۔ حکومت 2 لاکھ قانونی اسقاط کرنے والیوں پر 55 ملین ڈالر خرچ کرتی ہے۔ 75 فیصد شادی شدہ عورتیں اسقاطِ حمل کرواتی ہیں۔ دو تہائی سفید فام عورتیں اسقاطِ حمل کراتی ہیں، ان میں دو تہائی کی عمر 15 سے 24 سال کے درمیان ہوتی ہے۔

(مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص:35)

ان مفاسد کو دیکھنے کے بعد یورپ میں یہ تحریک شروع ہو چکی ہے کہ آزاد عورت کو دوبارہ گھریلو عورت بنایا جائے تاکہ خاندان کا تصور دوبارہ فروغ پا سکے۔ بڑے بڑے دانشور اور سیاست دان اس کام کے لیے کوششیں کر رہے ہیں۔ روس کے سابق صدر گورباچوف نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عورت کو واپس گھر لایا جائے تاکہ وہ گھریلو سکون دوبارہ مل سکے جو کسی زمانے میں نظر آتا تھا۔

[نظریاتی جنگ کے محاذ: ص ۳۶۳ تا ۳۶۴]

ہم جنس پرستی دنیا کو تباہ و برباد کرنے کی ایک منظّم تحریک

حال ہی میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ایک اور صوبے نے ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ عطا کر دیا ہے۔ اس سے پہلے نیویارک، کنکٹی کٹ، آئیوا، میساچوسٹ، نیو ہمپشائر، ورمومنٹ اور واشنگٹن ڈی سی کے بعد یہ آٹھواں صوبہ ہے جس نے ہم جنس سے شادی کو باقاعدہ قانونی طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد ان صوبوں میں جائیداد، مالی معاونت اور عائلی مفادات کے حوالے سے جو مراعات ایک عام شادی شدہ جوڑے کو حاصل ہوتی ہیں وہ تمام کی تمام ایک ہم جنس شادی شدہ جوڑے کو بھی حاصل ہوں جائیں گی۔

اگر اس تحریک کو کامیابی ملتی رہی تو یہ دنیا کے لیے تباہ کن نتائج کا باعث بن جائے گا۔ یہ تو کہتے ہیں کہ ابھی ہم جنس پرستی کی مخالفت کرنے والے خیمے میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حقوق انسانی کی آزادی کے حوالے سے بھی صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ وقت خوفناک ہوگا جب ہم جنس پرستی کی حمایت کرنا حقوق انسانی کے لیے لڑائی کا متبادل بن جائے۔ پھر تو لوگ اپنے آپ کو محض انسانیت دوست ثابت کرنے کے لیے ہم جنس پرستی کی حمایت کرنے لگیں گے۔ ٹھیک اسی طرح جب کہ ایک مغرب زدہ مسلمان اپنے آپ کو ترقی یافتہ ثابت کرنے کے لیے مغربی تہذیب کی پذیرائی کرنے لگتا ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ کیا ہم جنس پرستی کی تحریک دنیا کو تباہی کی طرف لے جانے کی ایک منظّم کوشش نظر نہیں آتی؟

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف تو پڑھے لکھے لوگ تعلیم و ترقی اور دنیا کو مزید پرکشش بنانے کی وکالت کرتے ہیں اور دوسری طرف ایسے لوگوں کی حمایت بھی کرتے ہیں جو دنیا کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اسے فکری تصادم کی شرمناک مثال کہنا حالات کی صحیح ترجمانی ہوگی۔

(فکر و نظر کے دریچے: ص ۲۵)

❁❁❁

مطلق آزادی کا تصور

فرد کی بے لگام آزادی ملحد نظام فکر کا بنیادی خاصہ ہے۔ یعنی ایک فرد اپنی انفرادی زندگی میں ہر طرح سے مکمل آزاد ہونا چاہیے اور اپنی داخلی اور خارجی زندگی میں بھی اس سے مذہب کا ظہور نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ مذہب جو سماجی اصول وضوابط، عبادات اور اقدار کا جو ضابطہ فراہم کرتا ہے، ملحدین کے نزدیک یہ سب غیر ضروری اور عملی زندگی میں غیر حقیقی ہیں۔ چنانچہ انسان کو اپنی زندگی میں مذہبی قدغن مثلاً شراب نوشی، زنا، سود، برہنگی وغیرہ کی حرمت کا احترام اور ان کی پابندی نہیں کرنی چاہیے۔ اس مطلق آزادی کے تصور میں مذہب محض ایک ثقافتی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی ایک شخص جس مذہب وسماج میں پیدا ہوگا اس کی شادی بیاہ، تہوار، تجہیز وتکفین وغیرہ کے رسوم اسی مذہب کے مطابق ہو سکتے ہیں۔

(الحاد اور جدید ذہن کے سوالات: ص ۱۰۳)

اباحیت اور جنسی آزادی

الحاد کے فروغ کے ساتھ ہی مغرب میں جنسی آزادی کا تصور پیدا ہوا۔ اکثر ملحدین کے مطابق کھانے پینے سونے کی طرح جنسی خواہشات کی تکمیل انسان کی فطری خواہش ہے لہٰذا اسے اجازت ہونی چاہیے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک زنا بالجبر ایک غلط کام ہے مگر دونوں فریقین کی رضامندی سے ہونے والے جنسی تعلق میں کوئی برائی نہیں۔

فری سیکس کے تصور کے سب سے پہلے مغرب میں مشہور ملحد ماہرِ نفسیات اور نیورولوجسٹ سگمنڈ فرائڈ (1856-1939) نے پیش کیا تھا۔ فرائڈ کے مطابق جس طرح انسان بھوک، پیاس وغیرہ جیسی خواہشات کو پورا نہ کرے تو بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جنسی خواہش کی تکمیل نہ ہونے پر بھی انسان ذہنی مریض بن جاتا ہے۔ فرائڈ کے نظریے کو اہلِ مغرب نے بخوشی قبول کیا اور مصنفین، فلسفی، موسیقار، شعراء، ڈرامہ نگار اور فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے سبھی لوگوں نے اس تصور کے فروغ کے لیے اپنی اپنی کوششیں کیں۔ دورِ حاضر میں جب مغرب میں فلم انڈسٹری قائم ہوئی تو اس انڈسٹری نے بھی جنسی آزادی کے تصور کو پروان چڑھایا۔ ابتداء میں عمومی قسم کی فلموں کے ذریعے لوگوں کے جنسی جذبات کو اُبھارنے کی کوشش کی گئیں لیکن جلد ہی باقاعدہ طور پر اس مقصد کی تکمیل کے لیے پورنوگرافی (Pomography) پر مبنی فلم انڈسٹری قائم کی گئی جس کا اہم مقصد اباحیت اور ننگے پن (Nudism) کا فروغ ہے۔ اس انڈسٹری میں کام کرنے والوں کو مغرب میں عصمت فروشوں کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ محض ایک فلمی پیشے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ماضی میں خواتین میں فری سیکس تحریک کے فروغ میں ایک اہم رکاوٹ جنسی تعلق سے حاملہ ہونے کا خوف تھا لیکن مانع حمل ادویات کی ایجاد نے اس تصور سے متاثرہ خواتین کو اس میدان میں آگے بڑھنے کا موقع دیا کہ وہ شادی کے بغیر جنسی تعلق سے بھی حاملہ نہ ہوں۔ بعدازاں مغرب میں آزادنہ جنسی تعلق کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جس کے مطابق زنا بالجبر کے علاوہ انسان جس طرح جس سے چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرسکتا ہے۔ اگر وہ ہم جنس پرستی کرے تو اس پر کوئی تنقید نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کا حق ہے۔ بیسویں صدی میں انٹرنیٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی بدولت اہلِ مشرق بھی اس جنسی بے راہ روی سے شدید متاثر ہوئے جس کا نتیجہ آج ہم بخوبی دیکھ رہے ہیں۔

(الحاد اور جدید ذہن کے سوالات: ص ۱۰۴)

مذہبی و معاشرتی حالات

مذہب کی مخالفت کا ایک اہم عنصر سماجی ہوتا ہے۔ بعض لوگ جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں کے مذہبی حالات درست نہیں ہوتے۔ ان میں غیر عقلی اور شدت پسندی کے رجحانات کو مذہبی تعلیمات میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مذہب ہی برا ہو بلکہ ممکن ہے مذہبی رہنماؤں کی جانب سے اس کی غلط تشریح و تفہیم کی گئی ہو۔ اس کی وجہ سے انسان کلی طور پر مذہب کو اسی مذہب کی طرح گمان کرتا ہے۔ اور مذہب کا منکر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے مذہب کا پیروکار ہو جو عقل و فطرت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو، ایسی صورت میں بھی بعض حضرات تمام مذاہب کو یکساں طور پر باطل مان لیتے ہیں۔

کچھ معاشروں میں مذہبی شدت پسندی یا پھر کوئی ایسا معاشرتی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذمہ دار کسی نہ کسی طرح مذہبی راہنما سمجھے جاتے ہیں۔ مذہبی راہنماؤں کی اخلاقی حالت اس سلسلے میں کافی اہمیت کی حامل ہے۔ اگر مذہبی رہنماؤں کی اخلاقی حالت مخدوش ہو تو بعض لوگ اسی بنیاد پر مذہب ہی کے مخالف ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ

مذہب پر ایمان ہی سماجی مسائل اور حالات کا ذمہ دار ہے۔ عام طور پر اسی صورت میں سیکولرزم کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

سماجی اور معاشرتی وجوہات کی بنیاد پر اور بالخصوص مذہبی رہنماؤں کے منفی کردار یا مذہب کی غیر عقلی اور شدت پسندانہ تعبیر کی بنیاد پر الحاد کی راہیں اختیار کرنے والوں کو مذہب کی جانب مائل کرنے کے لیے سب سے اولین ضرورت تو یہ ہے کہ ان کے سامنے مذہب کی درست تفہیم و تشریح پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی کے ساتھ انہیں اس جانب متوجہ کیا

جائے کہ چند برے لوگوں کے اعمال اور ان کی بداخلاقی کسی مذہب یا پوری مذہبی فکر کی نمائندگی نہیں کرتی۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اچھے اور باکردار لوگ مذہب اور اہلِ مذہب کی نمائندگی کرنے کے لیے آگے آئیں اور انہیں اس بات پر قائل کیا جائے کہ وہ مذہب کی صحیح نمائندگی کے لیے بجائے مذہب سے بیزار ہونے کے از خود بھی آگے بڑھ کر اس کی نمائندگی اپنے اچھے کردار اور اخلاق سے کر سکتے ہیں۔

(الحاد اور جدید ذہن کے سوالات: ص ۱۶۷)

نفس پرستی

بعض لوگوں میں مذہب سے ذاتی طور پر بیزاری پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور مذہب چونکہ کئی اخلاقی جرائم پر پابندی عائد کرتا ہے۔ لہٰذا وہ مذہب کو اس سلسلے میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مزید غور کیا جائے تو مزاج کا یہی عنصر عصرِ حاضر میں آزادانہ جنسی تعلقات سمیت کئی اخلاقی برائیوں مثلاً ہم جنس پرستی کی ایک وجہ ہے۔

ملحدین کے اس گروہ کی اصل ضرورت دین کی روحانی دعوت کا پیش کرنا ہے۔ یعنی انہیں اسلام کے روحانی نظام سے نہ صرف علمی طور پر متعارف کرایا جائے بلکہ عملی ماحول سے جوڑنے اور صالحین کی صحبت کا اہتمام بھی کیا جائے جس کی بدولت ان کی شخصیت میں اخلاقی برائیوں سے بچنے کا حقیقی محرک پیدا کیا جا سکے۔

(الحاد اور جدید ذہن کے سوالات: ص ۱۶۹)

عقلی و نظریاتی وجوہات

الحاد کے فروغ میں نظریاتی عوامل کا بھی ایک اہم اور بہت بڑا کردار ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن میں دوسروں کی باتیں سن کر یا بعض نفسیاتی کمزوریوں کے سبب از خود ہی شبہات اور شکوک پیدا ہوتے ہیں اور وہ جلد ہی نفسیاتی طور پر اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں اگر تجزیہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہو یا پھر وہ کسی بناء پر تجزیہ کرنے کے عادی نہ ہوں تو ان کا ذہن اسی مناسبت سے کئی قسم کے شکوک و شبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اور چونکہ وہ اپنی کنفیوژنز کا جواب نہیں تلاش کر پاتے تو وہ مذہب کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔

تجزیے کی صلاحیت سے محروم ایسے ہی لوگوں میں سے بعض جن کا میدانِ تخصص سائنس ہو تو سائنسی مضامین کی مخصوص علمی اپروچ اور طرزِ استدال کا مطالعہ کرتے ہوئے جب مذہب کی تعلیم اور سائنسی حقیقت میں مطابقت نہیں دیکھتے تو مذہب کی صداقت کے بارے میں ان کے دل کا یقین متزلزل ہونے لگتا ہے۔ اکثر مذاہب میں موجود غیر عقلی عقائد بھی اس کی ایک اہم مثال ہیں جسے وہ عقل کے خلاف دیکھتے ہیں تو کلی طور پر تمام مذاہب کے ہی مخالف ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی حقیقی ضرورت اسلام کے عقائد اور افکار کو عقلی بنیادوں پر ثابت کرنا ہے۔ سائنس اور فزیکل سائنسز کی محدودیت، خلافِ عقل اور ماورائے عقل اُمور میں فرق سمجھانا اور مذہب کے وجود کو فطرت اور وجدان کی پکار کا جواب ثابت کرنا ہے۔

ہر آدمی ایک سی ذہنی استعداد کا حامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ مخاطب کی ذہنی استعداد اور علمی گہرائی کا ٹھیک سے اندازہ لگاتے ہوئے جوابات دیے جانے چاہئیں۔ مذہب اور سائنس دو الگ الگ میدان ہیں جہاں تمام ہی چیزوں کو ایک سے طرزِ استدلال پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا مذہب کے طرزِ استدلال کی گہرائیوں اور فکری بالیدگی کو درست طرز پر پیش کرنا یہاں اصل چیلنج ہے۔

(الحاد اور جدید ذہن کے سوالات: ص ۱۷۰)

نظریہ وحدت ادیان

عصر حاضر کے بے شمار فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ نظریہ وحدت ادیان ہے جس کے مطابق تمام مذاہب یکساں اور برحق ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی پیروی سے کائنات کے خالق اللہ رب العالمین کی رضا اور خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے لہٰذا کسی ایک مذہب والے کا اس بات پر اصرار کرنا کہ اب تا قیامت نجات کی سبیل صرف ہمارا دین و مذہب میں ہیں یہ ایک بے جا سختی اور تشدد یا انتہا پسندی ہے جس کا خاتمہ از حد ضروری ہے۔ بظاہر تو یہ بات بھلی لگتی ہے لیکن اپنی حقیقت اور مضمرات کے اعتبار سے پریشان کن ہے۔

صاحب علم و صاحب مطالعہ حضرات یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ نظریہ وحدت ادیان ایک جدید اصطلاح ہے جسے اسلام دشمن عناصر نے یا احباب نما اغیار نے ایجاد کیا ہے اور یہ ایک انتہائی اور اسلام مخالف اصطلاح ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نظریہ وحدت ادیان کے حاملین، قائلین اور فاعلین، اقارب و اجانب بظاہر بڑے خوب صورت نعرے لیے پھرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واقعی اب عالم دنیا کو اس ڈگر پر چلانے کی ضرورت ہے خواہ آخرت برباد ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ نظریہ اسلام سے اصولاً و فروعاً متصادم ہے کیونکہ اسلام کامل مکمل ہے اور اس کے بعد تمام ادیان منسوخ ہو چکے ہیں اب نجات صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ○

ترجمہ: جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

یہ دوٹوک اسلامی فیصلہ ہے جس کے بعد وحدتِ ادیان کے نظریہ کو قبول کرنے کا کوئی جواز کسی مسلمان کے پاس باقی نہیں رہ جاتا۔

عالم اسلام کے خلاف مغربی مصنفین کی سازش

مغربی ذرائع ابلاغ کے مسلسل پروپیگنڈے اور مغربی حکمرانوں کی پالیسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی باوقار یونیورسٹی ہارورڈ کے پروفیسر "ہنٹنگٹن کی تہذیبوں کے تصادم کے متعلق پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوئی۔ یہ تصادم کس صورت میں ہوگا اور کب ہوگا؟ اس کے متعلق وثوق سے ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس امر میں اب کسی شبہے کی گنجائش نہیں کہ اسلام کے خلاف مہم کا آغاز ہو چکا ہے اور اسے بتدریج آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ امکان یہ ہے کہ پہلے اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کی یلغار سے آزمایا جائے گا۔

اگر مغربی تہذیب اس میں ڈینٹ ڈالنے میں کامیاب نہ ہوئی اور اسلامی تہذیب اس یلغار کے سامنے پسپا نہ ہوئی تو پھر دیگر ذرائع کے استعمال کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام کی بظاہر تو مذمت نہیں کی جا رہی اور یہ کہا جا رہا ہے کہ مغربی اسلام دشمن نہیں۔ امریکہ کے وزیر خارجہ کرسٹوفر نے اپنی ایک تقریر میں بھی یہی کہا کہ امریکہ اسلام کا دشمن نہیں مگر اسلام کو خشیت اور دہشت کے ساتھ برملا منسلک کیا جا رہا ہے اور مغرب کے عوام کو یہ تاثر دے کر کہ اسلام دہشت گردی کا دوسرا نام ہے اسلام کے خلاف تیار کیا جا رہا ہے۔

مغرب کے اخبار میں اسلامک ملیٹنس کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ مغرب نے اسلامی بنیاد پرستی کی مذمت کو وطیرہ بنا لیا ہے۔ یہ بنیاد پرستی ہے کیا؟ اس کی وضاحت کھلے عام تو نہیں کی جاتی مگر دبی زبان میں یہ ضرور کہا جا رہا ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان پر یقین رکھنے والا بنیاد پرست ہے۔ مغرب کی نظروں میں وہ مسلمان بنیاد پرست نہیں جو نماز نہیں پڑھتا اور روزے نہیں

رکھتا اور اپنے مذہب کو اپنے گھر تک محدود رکھنے کا قائل ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے کہ مغرب مسلمانوں کی سائیکی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ یہ لوگ پیغمبر اسلام سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں؟ قرآن کی غلط تشریح کو قابل مواخذہ کیوں سمجھتے ہیں؟ حضور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب رشدی کو ملعون کیوں کہتے ہیں؟ اور ''لجا'' لکھنے والی تسلیمہ نسرین کے خلاف کیوں ہیں؟ تعجب اس پر نہیں کہ مسلمان اسلام کی تحقیر کرنے والوں کے خلاف کیوں ہیں؟ تعجب اس امر پر ہے کہ ان انسانوں کو جنہوں نے اسلام کی جان بوجھ کر تحقیر کی، مغرب میں اس طرح پذیرائی مل رہی ہے جیسے وہ دنیا کے نجات دہندہ ہوں۔

برطانیہ نے سرکاری خرچ پر رشدی کی حفاظت کی۔ وہ امریکہ پہنچا تو امریکہ کے صدر کلنٹن کے جن سے ملاقات کے لیے دنیا کے سربراہان حکومت کی قطار لگی رہتی ہے اسے بغیر کسی پروگرام کے اپنے حضور میں حاضر ہونے کا موقع فراہم کیا اور ٹی وی پر اس کی یوں تشہیر کی گئی جیسے کوئی بہت بڑا قائد، کوئی بہت بڑا عالم اور حکیم صدر سے ملنے آیا ہو۔ تسلیمہ نسرین ابھی امریکہ نہیں گئی، وہ گئی تو ممکن ہے کہ اس کو رشدی سے زیادہ پذیرائی ملے۔

رشدی کی کتاب کی ادبی حیثیت کچھ نہیں۔ اگر وہ ادبی لحاظ سے کسی قابل ہوتی تو اسے ادب کا نوبل پرائز دے دیا جاتا۔ اس کی شیطانی حیثیت ضرور ہے اور اس شیطانیت کو سیاسی رنگ دے کر اس بے ضمیر کو اس قدر اہمیت دے دی گئی ہے کہ اسے بھی ہونے پر فکر ہونے لگا ہوگا۔ تسلیمہ کی ''لجا'' بھی ناول ہے۔ ممکن ہے اگلے سال کے نوبل پرائز کے لیے منتخب کر لیا جائے مگر تا حال تو کتاب کی بجائے لکھنے والی کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔

سوئیڈن نے سیاسی پناہ دے رکھی ہے۔ تسلیمہ نسرین کو لجا لکھنے پر سوئیڈن نے ایوارڈ دیا۔ یورپی پالیمنٹ نے اسے مدعو کیا ہے، اسے عورتوں کے حقوق کے حق میں آواز بلند کرنے پر یورپی پارلیمنٹ نے بھی ایوارڈ دیا۔ ساڑھے بارہ ہزار ڈالر کی بنگلہ دیش میں تو بہت اہمیت ہوگی۔ سوئیڈن میں جہاں وہ رہائش پذیر ہے، یہ رقم دو تین مہینے اس کا ساتھ دے سکے گی اور فرانس کے صدر متراں نے بھی اس تسلیمہ نسرین سے ملاقات کی۔ اسے اور رشدی کو پذیرائی

صرف مغرب میں ملی اور وہ ابھی اس لیے کہ ان دونوں نے اسلام کی تحقیر اور تضحیک کی۔ کیا اس پذیرائی سے یہ سمجھا جائے کہ مغرب اسلام کی تحقیر کرنے والوں کو خوش آمدید کہتا ہے اور ان کی ہر قسم کی اعانت کے لیے تیار ہے۔ کیا اس پذیرائی پر اسلامی مملکت کے لئے کوئی پیغام مضمر تو نہیں ؟ کیا مغرب کا یہ اقدام اسلام کی تحقیر کے مترادف نہیں؟

پورا مغربی پریس اسلام کے خلاف مصروف کار ہے

آج کل پورے مغربی پریس اور ان کے الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں اپنی بھرپور طاقت لگا رکھی ہے اور اس پروپیگنڈے میں دو باتیں بنیادی طور پر شامل ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے یہاں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے اور ان کو گھر کی چار دیواری میں قید کر کے ان کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ مسلمان جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں اور جہاد سے ویسے بھی یہ لوگ ہمیشہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ اور عورتوں کی تعداد پوری دنیا میں کم از نصف ہے تو ان کی کوشش یہ ہے کہ عورت کو اسلام کے خلاف پکا کر دیں۔ کیونکہ عورت ہی وہ ذات ہے جس کی گود میں قومیں بنتی ہیں۔ اس لیے اگر ہم نے عورت کو اسلام کے خلاف پکا کر دیا تو اسلام کا راستہ خود بخود رک جائے گا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود پروردگار عالم اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا رہا ہے کہ جن مراکز میں پروپیگنڈے کا طوفان برپا ہے۔ ان کی اپنی عمارتیں مسلمان ہو رہی ہیں اور وہ عورتیں اپنے اسلام کی وجہ یہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے آس پاس میں مسلمان عورتوں کی جو محبت وشفقت اور عظمت ملتی ہے اس کا ہمارے یہاں تصور میں نہیں ہے۔ ہم خواہ کتنے بھی گئے گزرے ہیں لیکن الحمدللہ اب بھی اتنی بات ہے کہ ہم لوگ اپنی ماں کی عزت کرتے ہیں اور اتنا جانتے ہیں کہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے اور بچپن ہی سے ہمیں یہ سکھا دیا گیا ہے کہ ماں کی عظمت، بہن کی عظمت اور بیٹی کی شفقت ہمارے دل میں ہر وقت ہونی چاہیے۔

مغربی میڈیا مسلمانوں کے عیب اچھالنے کی تلاش میں رہتا ہے

مشہور امریکی نقاد ایڈورڈ ڈبلیو سعید اپنی کتاب ''ذرائع ابلاغ اور اسلام'' میں مغربی میڈیا کے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

آج کل امریکہ اور یورپ میں عام لوگوں کے لیے اسلام کا مطلب ایسی چیزیں ہیں جو خاص طور پر ناگوار خاطر ہیں۔ ذرائع ابلاغ، حکومتیں اور دانشور سب اس پر متفق ہیں کہ اسلام مغربی تمدن کے لیے خطرہ ہے، اسلام کی منفی باتیں دوسری باتوں کے مقابلے میں زیادہ رائج ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس نے اسلام کے اس منفی تصور کو پھیلانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔

میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ امریکہ میں ٹیلی ویژن پر مقبول اوقات میں شاید ہی کوئی پروگرام ہو جس میں نسلی عداوت شامل نہ ہو اور جہاں مسلمانوں کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو اور جہاں مسلمانوں کو ''جزک'' کا نام دے کر برا بھلا نہ کہا گیا ہو۔ اسلام کے مقابلے میں امریکہ کی رائے عامہ یہ ہے کہ جو چیزیں انہیں ناپسند ہیں وہ اسلامی ہیں۔

مغربی مصنفین کا منافقانہ روّیہ

اعداد و شمار سے پتا چلتا ہے کہ انجینئرنگ کے شعبوں میں اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کی پچاس فیصد تعداد عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے طلبہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ امریکا میں سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں بھی مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد سرگرم ہے۔ بایں ہمہ، مغربی میڈیا اسے صرف جزئی اور انفرادی سطح کی کامیابی کا سرٹیفکیٹ دیتی ہے۔ جبکہ یہودیوں کی کم و بیش اس قسم کی کامیابیوں کا اس طور پر ڈھنڈورا پیٹتی ہے کہ گویا یہ نسلی برتری کی دلیل اور یہودی قوم کی ذہانت و ذکاوت اور فطری صلاحیتوں کی غماز ہے۔

گزشتہ دنوں امریکا میں ایک کتاب چھپی ہے اس کا نام ''یہود اور سیاہ فاموں کے درمیان''.....اس کتاب میں یہود اور سیاہ فاموں کے درمیان مختلف اعتبارات سے تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ مصنف نے کئی مواقع پر زور دے کر یہ بات لکھی ہے کہ اگرچہ یہود اور سیاہ

فام دونوں ہی امریکی اقلیت ہیں۔ تاہم جہاں تک مغربی تہذیب پر اثر اندازی کا تعلق ہے تو دونوں میں واضح فرق ہے۔ مصنف نے یہودیوں کی قصیدہ خوانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ ان کی فطری ذہانت و ذکاوت کی تفصیلات کافی رنگ و روغن کے ساتھ پیش کی ہیں۔ جبکہ سیاہ فاموں کے معاملے میں انصاف اور جانبداری کو بالائے طاق رکھ کر غلط تفصیلات دی گئی ہیں۔ ان کی اصل پوزیشن کو کافی گھٹا کر دکھایا گیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سیاہ فاموں میں اسلام کافی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ چنانچہ جب ایک عام اور سادہ لوح آدمی اسے پڑھے گا تو اس کا کیا تاثر ہوگا یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

مغربی جرائد کے چند مقالوں کے عنوان

مغربی جرائد دنیا بھر میں برپا ہونے والی اسلامی تحریکات کے خلاف نفسیاتی جنگ کے اسالیب سے بھرے رہتے ہیں۔ مثلاً ان جرائد میں مقالوں کے عنوان یہ ہوتے ہیں:

(۱) سیاہ فام افریقہ سے سائبریا کے آخری کناروں تک اسلامی لہر دنیا کو فتح کرتی جا رہی ہے۔ یہ مضمون فرانسیسی مجلہ۔ باری ماتش میں شائع ہوا اور اس کا ترجمہ الاصلاح عدد۔۱۱ میں چھپا۔

(۲) مغربی جرائد کا اسلام پر حملہ سنڈے ٹیلیگراف۔ اس کا ترجمہ المجتمع عدد ۴۸۵ میں شائع ہوا۔

(۳) اسلامی نشاۃ ثانیہ کی آندھیاں دنیا کو خوفزدہ کر رہی ہیں۔ ہیرالڈ ٹریبیون اس کا ترجمہ البلاغ عدد ۴۶۹ میں شائع ہوا۔

(۴) اسلامی تحریکات کا مطالعہ، امریکی خفیہ تحقیقاتی اداروں کی رپورٹ کویت کے القبس شمارہ ۲۲ صر ۱۳۹۹ھ اور الشرق الاوسط یکم فروری ۷۹ء میں شائع ہوا۔

(۵) اسلامی گھوڑے تیار کھڑے ہیں اور مغرب پر لرزہ طاری ہے فرانسیسی اخبار لاموندے۔ ترجمہ الاصلاح عدد ۱۱ میں شائع ہوا۔

(۶) مغربی اخبارات کا اسلامی تحریک پر حملہ اور فرانسیسی رسالہ باری ماتش کا اسلامی

معاشرے پر یہ تبصرہ کہ یہ بند معاشرہ ہے۔ فرانسیسی باری ماتش سے ترجمہ ہو کر المجتمع عدد ۴۳۰ میں شائع ہوا۔

(۷) مغربی ذرائع ابلاغ کا اسلامی دنیا پر حملہ، المجتمع عدد ۴۸۶۔

(۸) اسلامی تحریک کے خلاف مغرب کی برپا کی ہوئی دھمکیوں کی نفسیاتی جگن۔ المجتمع عدد ۴۸۱۔

ان سب امور پر مستزاد یہ کہ مغربی جرائد اسلامی تحریکات اور مسلم حکمرانوں کے درمیان آویزش کو ہوا دیتے اور کشمکش کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ اور حکمرانوں کو اکساتے ہیں کہ وہ اسلامی تحریکات کو ختم کر دیں اور کچل دیں، مبادا یہ ان کے اقتدار کے لیے خطرہ بن جائے۔

مقصود کلام یہ ہے کہ ہمیں مغربی جرائد اور ان سے ترجمہ ہونے والے مضامین کو مکمل احتیاط کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ ان کی شر انگیزی سے بچ سکیں۔

یورپ کی اسلام دشمنی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین کو اسلامی نظریات سے اختلاف پیدا کرنے پر مغربی ممالک نے اپنے ہاں پناہ دینے کی پیشکش کی اور سویڈن میں پناہ لینے پر وزیر اعظم سویڈن نے خود ایئر پورٹ پر اس کا استقبال کیا۔ سویڈن میں اسے ادبی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی طرح سلمان رشدی کو یورپ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یورپی میڈیا نے اس کے خیالات کو خوب اچھالا اور اسلام دشمنی کا ثبوت دیا۔

لائبریریوں میں اسلام مخالف لٹریچر

ڈاکٹر شلڈرک انگلستان کے صحافی تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

مذاہب عالم پر انگلستان کی لائبریوں میں جتنی بھی کتابیں ملیں میں نے سب پڑھ لیں۔ کتابوں میں یہودیت، ہندومت اور بدمت وغیرہ کے بارے میں تو صرف معلومات تھیں۔ مگر اسلام کا جہاں بھی ذکر آتا تھا کوئی مصنف بھی طعن و تشنیع کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ اسلام کے بارے میں ان کتابوں کا ماحاصل یہ تھا

کہ اسلام بذات خود کوئی مستقل مذہب نہیں بلکہ محض عیسائی لٹریچر سے ماخوذ چند اقوال کا مجموعہ ہے۔ اگر عیسائی مصنفین مذہب اسلام سے خائف نہ ہوتے، نہ ہی اٹھتے بیٹھتے اس کی توہین وتذلیل کے درپے ہوتے میں اسلام کا مطالعہ کبھی نہ کرتا۔

امریکہ میں اسلام کے خلاف ۲۵ ہزار کتابیں چھپیں

مراکش اور لبنان کے دو مسلمان اسکالروں نے ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۸ء کے درمیان امریکہ میں اسلام کے موضوع پر شائع ہونے والی تحریروں کا جائزہ لیا تھا اور اس تحقیق کے نتائج مرتب شکل میں پیش کیے تھے۔ مراکش کے اسکالر کا نام ڈاکٹر حمید بن قلاب ہے اور لبنانی اسکالر کا نام محمد اقبال ہے۔ اپنی ریسرچ میں انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں اسلام کی مخالفت میں ۲۵ ہزار کتابیں چھپیں۔ ۳۰ ہزار رسائل شائع ہوئے۔ ۶۰ ہزار مضامین لکھے گئے اور ۲۵۵۰ فلمیں بنائی گئیں۔ فرانس اور سوئیڈن میں ۱۵ ہزار کتابیں چھپیں، ۱۲ ہزار رسائل شائع ہوئے اور ۵۰ ہزار مضامین چھاپے گئے اور تین ہزار فلمیں تیار ہوئیں۔

یہ حال ان ملکوں کا ہے جنہیں جمہوریت پر ناز ہے اور جن کی دوستی پر مسلمانوں کو ناز ہے۔ ان ملکوں میں اسلام کے خلاف بدگمانی پھیلانے کا مشن اتنا طاقتور ہے۔ بھارت کے اخبارات کا جائزہ لینے کے لیے یونیورسل پیس فاؤنڈیشن انڈیا نے پریس مانیٹرنگ سیکشن قائم کیا ہے۔ اس سیکشن کے ذمہ داروں کے سامنے جب اخبارات کے تراشے رکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے پیمانے پر یہاں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فضا بنائی جارہی ہے۔

ہم مسلمانوں کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اسلام کے خلاف عالم گیر نشریاتی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا کیا؟ کتنے کتابچے چھاپے؟، کتنی زبانوں میں چھاپے، کتنی دعوتی کتابیں تیار کیں؟ اور کتنی زبانوں میں کیں؟ ہم نے غیر مسلموں

تک کتابوں کے پہنچانے کا کیا انتظام کیا؟ ہم نے ان کے شبہات کو دور کرنے کے لیے کیا کیا؟

صرف کسی ایک ادارے کی نہیں بلکہ یہ ہر ایک فرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں اور حلقہ احباب کو اسلام پر کتابوں کا تحفہ پیش کرے اور اپنے حسن اخلاق سے دلوں کو جیتنے کی کوشش کرے، ہر شخص کو چاہیے کہ دعوت کے مشن میں خود کو شامل کرے اور غیر مسلموں تک اللہ کا پیغام پہنچائے۔

(اسلام اور جدید فکر مغرب: ۵۳تا۵۶)

الزام جبر و تشدد پسندی

مستشرقین اسلام اور پیغمبر اسلام پر جبر و تشدد پسندی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور مسلمانوں نے اپنی معیشت کو بہتر کرنے کے لیے جہاد کی آڑ میں ڈاکہ زنی سے کام لیا۔ جارج سیل کے مطابق اسلام نے اپنی ترویج و اشاعت کے لیے کلیتہً تلوار پر انحصار کیا ہے۔ ٹار اندرائے کہتا ہے کہ جنگ بدر کی فتح و کامرانی کے بعد اہل اسلام نے طاقت کا اصول وضع کر لیا اور تلوار ہی تبلیغ اسلام کا اصل ذریعہ قرار پا گئی۔ منٹگمری واٹ لکھتا ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وارٹ کے نزدیک بدر اور دیگر مہمات کا مقصد غیر ضروری خطرات مول لیے بغیر مال غنیمت کا اکٹھا کرنا تھا۔

صاحب تفسیر ماجدی نے جہاد و قتال سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں مستشرقین کے مذکورہ الزامات کو نہایت محکم دلائل سے رد کیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۰ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ قتال کا یہ حکم ان مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے جو وہ چار مہینے نہیں پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد بلکہ شقاوت و سفا کی اور بہیمیت پر صبر کے امتحان میں پورے اتر چکے تھے۔ اور اب وطن سے بے وطن ہو کر گھر بار چھوڑنے پر مدینہ میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے انگریز نو مسلم ہیڈلے کی جو بہت پتے کی بات کر گیا ہے کہ تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی؟ اور

چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ آور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا؟ اور حفاظت خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہل فساد یا مدینہ کے صابر و شاکر مؤمنین؟ بدر مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے اور اُحد مدینہ سے کل بارہ میل ہے اور جنگ خندق میں تو خاص مدینہ کا محاصرہ ہوا تھا۔ الغرض ہر دفعہ قریش مکہ یا ان کے حلیف و مددگار ہی مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ پھر الفاظ قرآنی سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ قتال کا حکم صرف انہی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں (Combatants) کے مقابلہ میں غیر مصافی (Non. Combatants)۔ آبدی کے سروں پر بم برسا دینے، پر امن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے اور ان پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے ''مہذب ترین'' آئین حرب سے اسلام کا قانون جنگ نا آشنا ہے۔ یہی نہیں بلکہ لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں۔ اب بھی لڑی جا رہی ہیں اور آئندہ بھی لڑی جائیں گی لیکن کس کے لیے؟ زر کے لیے یا زن کے لیے یا زمین کے لیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ''قوم'' اور ''وطن'' کے لیے! یعنی زر و زمین کی طلب فرد کے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے رہ جائیں۔ یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد ''بدنام و رسوا'' اسلامی جہاد کی ہے کہ جب بھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو، شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دین حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو، خودی کے لیے نہیں خدا کے لیے ہو، نفس کے لیے قبیلہ کے لیے۔ ''حلقہ اثر'' کی توسیع کے لیے، ''آزادی تجارت'' کے لیے، ''آزادی سمندر'' کے لیے، نو آبادیاں کے ''تحفظ'' کے لیے ''برآمد کی منڈیاں'' پیدا کرنے کے لیے، غرض کسی بھی قسم کی عصبیت جاہلی کے جھنڈے تلے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۶ کی تفسیر میں مستشرقین کے الزامات کو نہایت سخت الفاظ میں رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت پوری تردید کر رہی ہے ان بے غیرت مستشرقین کی

جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مالِ غنیمت کی ہوس میں خود ہی جنگ و قتال کے مشتاق تھے۔ ﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ کے الفاظ سے قرآن مجید کو جس تصریح و اہتمام کے ساتھ تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ''کرم فرما'' اور مسیحی دنیا کے نامور مورخ و سیرت نویس پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر ''سچائی'' اور ''دیانت'' سے لبریز ہے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ نے اپنے شورش پسند پیروؤں کو مشغول کار رکھنے کے لیے جہاد کے ذریعہ لوٹ مار میں لگا دیا۔ گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا شکار کی قسم کا کوئی مشغلہ سیر و تفریح تھا۔ دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں۔

سورۃ الانفال کی آیت ۵ کی تفسیر میں جہاد اسلامی کو ڈاکہ زنی سے تعبیر کرنے والے مستشرقین کی تردید کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق نقل کی ہے کہ ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر ان کی جائیدادوں کا ضبط کر لینا، اور ان کے لئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور با اثر لوگوں کو ان تارکینِ وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا۔ دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کو اپنے زیر اثر علاقوں میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹنا، ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں، اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے۔

مولانا نے استشراقی الزامات کی تردید کی غرض سے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بھی نہایت خوبصورت اور مدلل انداز میں واضح کیا ہے کہ اسلامی جہاد سفلی اغراض کے پیش نظر لڑی جانے والے عام دنیوی جنگوں کی قبیل کی جنگ نہیں بلکہ یہ انتہائی بلند و اعلیٰ مقصد کی خاطر

طاغوتی قوتوں سے لڑی جانے والی جنگ ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۷ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اسلامی جہاد کی غایت دنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم و جور، شورش و بدنامی کو دُور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہوں وہ جراح کے نشتر اور ڈاکہ کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔ سورۃ الانفال کی آیت ۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دنیوی سپہ داروں کی نہ صرف یہ کہ نسبت دنیا کی ہوتی ہے بلکہ ان کی چال ڈھال، اوضاع و اطوار اور عمل و کردار ہر چیز سے دنیا طلبی ہی ٹپکتی ہے۔ مجاہد و غازی اس کے بر عکس اپنی انا کو پہلے ہی زیر کر چکا ہوتا ہے۔ اس کا مقصود ظاہر او باطنا اور قولا و فعلا اللہ کے دین کی سربلندی ہی ہوتا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۷۶ کے الفاظ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے تحت حاشیہ طراز ہیں: ''رنگ اور نسل'' اور زبان اور قوم، وطن اور قبیلہ کی عزت و حمیت پر کٹ مرنے والے اسلامی نقطہ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لیے ہزاروں من اور سینکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سینکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لیے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک قدم کا حساب دینا ہے، کبھی اس کا قدم ان گندے راستوں پر پڑ بھی سکتا ہے۔''

حاصل بحث

مستشرقین قرآن کے کلامی الٰہی ہونے کے منکر ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن نبی کریم ﷺ کا کلام ہے جسے انہوں نے یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ذرائع سے مواد حاصل کر کے مرتب کیا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ اپنے تخیل کو قیاسات و گمانات کی مختلف وادیوں میں سرپٹ دوڑاتے ہیں۔ صاحب تفسیر ماجدی جو استشراقی لٹریچر کا عمیق مطالعہ، مستشرقین کی ذہنیت کا گہرا اور فلسفہ و نفسیات میں مثالی دستگاہ رکھتے تھے، قرآن کے کلام خداوندی ہونے سے

انکار کے ضمن میں مستشرقین اور مشرکین مکہ اور عہد نزول قرآن کے یہود و نصاریٰ کو ایک ہی ذہنی سطح پر کھڑا دیکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے خوبصورت تفسیری حاشیوں کے ذریعے نہایت بلیغ انداز سے ثابت کیا ہے کہ اس سلسلہ میں مستشرقین کے خیالات بالکل اسی طرح کے ہیں جس طرح کے قرآن کے اولین معاندین کے تھے۔ وہ لوگ بھی قرآن کے مصادر کی تلاش میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے اور یہ بھی ماخذات قرآن کی تحقیق میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔ دونوں کی رٹ ایک ہی ہے کہ محمد ﷺ نے قرآن ضرور کہیں دائیں بائیں سے سن سنا کر اور سیکھ سکھا کر تیار کیا ہے۔ نہ قرآن کے اولین مخاطب معاندین سے بن پڑا کہ اس ضمن میں کبھی خدا کا نام فرض کر لیتے اور نہ ہی عصر حاضر کے "روشن خیال" اور "صاحبان عقل و تحقیق" مستشرقین سے ہو سکا کہ کبھی اس امکان کو سامنے رکھ لیتے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر وحی نازل کرنے والا پروردگار عالم محمد ﷺ کو بھی اپنے مکالمہ و مکاتبہ سے مشرف کر سکتا ہے۔ جدید علمی و سائنسی معلومات کے ذریعے بائبل کی بہت سی غلطیاں منظر عام پر آئی ہیں جبکہ قرآن کے کسی ایک واقعہ کو بھی نہیں جھٹلایا جا سکا۔ یہی نہیں بلکہ جدید ترین معلومات نے نہ صرف یہ کہ قرآن کے کئی ایسے واقعات کی درستی کی تصدیق کر دی ہے جن کے بہت سے مستشرقین بائبل نہ پائے جانے کی بنا پر منکر تھے۔ بلکہ کئی ایسے واقعات و شخصیات کی تاریخی حیثیت پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جن کے بعض آزاد خیال مغربی اہل قلم، بائبل و قرآن ہر دو میں پائے جانے کے باوصف، بعض جدید غیر مصدقہ تاریخی معلومات کے بھروسے پر منکر ہو رہے تھے مثلاً حضرت ابراہیم اور نمرود کے مباحثہ کے واقعہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخی حیثیت کا اثبات۔

یوں مولانا دریابادی کے نزدیک قرآن کو کلام الٰہی ماننے سے انکار کے حوالے سے مستشرقین جہاں ایک طرف غیر علمی و دقیانوسی فکر کے حامل ٹھہرتے ہیں جسے انہیں جدید ترقی یافتہ سائنسی زمانے میں علم و تحقیق کے نام پر پیش کرتے ہوئے ندامت محسوس ہونی چاہیے، وہاں دوسری طرف وہ اس لحاظ سے سخت متعصب و تنگ نظر بھی قرار پاتے ہیں کہ بائبل کی متعدد

مسلم علمی و سائنسی الفاظ کے باوصف اسے منزل من اللہ سمجھتے ہیں لیکن قرآن کو اس کے بیان کردہ مصدقہ علمی حقائق کے باوجود کلام الٰہی ماننے سے گریزاں ہیں جو عصر حاضر میں علمی تحقیقات کے دعویداروں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ جہاں تک سیرت نبوی کے ضمن میں استشراقی رویے کا تعلق ہے۔ وہ بھی ان کے قرآن سے متعلق رویے سے کچھ مختلف نہیں۔ یوں مولانا کے نزدیک سیرت طیبہ کے حوالے سے استشراقی رویہ اس ضمن میں کفار عرب کے خرافاتی اور عرب اہل کتاب کے علیسیبی رویہ کی محض نقل ٹھہرتا ہے، جس پر انہوں نے ناحق عقلیت پسندی اور معروضیت کا لیبل لگا رکھا ہے۔

(اسلام اور جدید فکر مغرب ۲۷۵ تا ۲۷۷)

❁❁❁

بنیاد پرست

گزشتہ چند برسوں سے مغربی ذرائع ابلاغ ان گروہوں یا افراد کو جو اسلام کو ایک مکمل جامع اور تا قیامت قائم رہنے والے نظامِ حیات کے طور پر مانتے اور دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ ایک خاص اصطلاح سے یاد کر رہے ہیں اور وہ ہے "فنڈا مینڈلسٹ" جسے ہمارے اخبار و جرائد بنیاد پرست لکھ رہے ہیں اسے مغرب تو کم از کم ہمارے حق میں ایک گالی سمجھتا ہے لیکن ہمارے نام نہاد روشن خیال دانشور اسے اپنے اوپر ایک الزام قرار دیتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے بنیاد پرستی کوئی مذموم لفظ نہیں کیونکہ اس کا لغوی معنی ہے کسی بھی چیز کا نظام، عقیدہ، فلسفہ اور نظریہ کے بنیادی اصول کو تسلیم کرنا۔ مغرب کے نزدیک وہ مسلمان بنیاد پرست ہیں جن کی فکر اور طرزِ زندگی کا قبلہ احکامِ الٰہی اور سوچ و عمل کا کعبہ سنت رسول مقبول ﷺ ہیں جو شعائرِ اسلامی کے پابند اور اسلام کی منع کردہ باتوں سے دور رہنے والے ہیں۔

مغرب ان (نام نہاد) مسلمانوں کو قطعاً بنیاد پرست نہیں کہتا اور سمجھتا جو آئے روز اسلام میں کسی نہ کسی نظام کی پیوند کاری کرتے رہتے ہیں جن کی بود و باش میں اسلام کی جھلک تک دکھائی نہیں دیتی جن کے ذہن اور فکر پر سوائے اسلام کے ہر چیز کا غلبہ ہے۔

رہا بنیاد پرست کا ایک وہ مفہوم جو مغرب سمجھتا ہے اور ہم پر چسپاں کرتا ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہیے کہ تاریک خیال، دہشت گرد اور تو ہم پرست ہم نہیں تم ہو ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھ لو جب اسلام کا نور قرآن کا پیغام دنیا کو منور اور پرسکون زندگی کا ڈھنگ بتا رہا تھا اس وقت یورپ جہالت اور بدتہذیبی کے اندھے غاروں میں پڑا تھا۔ تہذیب تو دوسری بات ہے صلیبی جنگیں ہمارا نہیں تمہارا ورثہ ہے۔

(جہاد اور دہشت گردی، صفحہ ۲۳۳)

امریکی میڈیا

امریکی میڈیا کتنی وسعت رکھتا ہے، اس کا اندازہ اخبار و جرائد کی تعداد اشاعت سے ہوسکتا ہے۔ روزناموں میں نیویارک ٹائمز 17 لاکھ، ڈیلی نیوز 10 لاکھ اور وال اسٹریٹ جنرل 7 لاکھ تک چھپتے ہیں۔ میگزینوں میں ریڈرز ڈائجسٹ کی اشاعت اڑھائی کروڑ اور نیشنل جیوگرافی کی ڈیڑھ کروڑ سے متجاوز ہے۔ اس کے علاوہ ''نیوز ویک'' بھی امریکہ کے مقبول ترین جرائد میں شامل ہیں۔ بالی وڈ کی فلمیں پوری دنیا میں سب سے زیادہ دیکھی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کی اکثر انگریزی فلمیں یہاں تیار ہوتی ہیں۔

اس وقت امریکا میں 1100 ٹی وی چینل چل رہے ہیں۔ ٹی وی چینلوں میں ''این بی سی''، ''اے بی سی''، ''سی این این'' عالمی سطح پر مقبول ہیں۔ ''سی این این'' کے ایڈیٹر کا کہنا ہے:

> ''جب ناظرین ٹی وی اسکرین کے ایک کونے میں LIVE (براہ راست) لکھا ہوا دیکھتے ہیں وہ تھوڑی دیر کے لیے چینل بدلنا روک دیتے ہیں اور غور سے ہمارے چینل پر پیش کی جانے والی رپورٹ دیکھنے لگتے ہیں قبل اس کے انہیں سستی آجائے ہم دوسری براہ راست رپورٹ پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔''

مسلسل ٹی وی دیکھنے والا شخص اپنی عقل و بصیرت کو پرے رکھ کر پروگراموں ہی کے تبصروں اور تجزیوں میں کھو جاتا ہے اور ان میں پیش کیے گئے ہر پیغام کو جزب کرتا چلا جاتا ہے۔

یہودی لابی اور میڈیا

اس وقت دنیا میں سب سے مقبول اور معیاری سمجھی جانے والی اکثر خبر رساں ایجنسیاں یہودیوں کی ہیں، کوئی مسلم ملک ابھی تک بی بی سی (BBC) کی ٹکر کا نشریاتی ادارہ قائم نہیں کر سکا، چنانچہ ہم معلومات کے تمام ذرائع میں اغیار کے دست نگر ہیں۔ ان ہی کی دی ہوئی خبریں سنتے ہیں اور وہ جس خبر کو جس انداز میں چاہتے ہیں پیش کرتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانا ان کا بائیں ہاتھ کا کام ہے۔

اس وقت دنیا میں میڈیا پر یہودیوں کی اجارہ داری قائم ہے۔ ان کے مشہور زمانہ پروٹوکولز میں سے بارہویں پروٹوکول میں یہ طے ہے کہ دنیا میں خبروں کے تمام ذرائع یہود کے پاس ہوں گے۔ میڈیا پر مکمل قبضے کے لیے انہوں نے مندرجہ ذیل اہداف مقرر کیے تھے:

(۱) کوئی خبر ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر دنیا تک نہ پہنچے۔

(۲) ہم مختلف گروہوں کی حمایت یا مخالفت کریں گے۔

(۳) لوگوں کے جزبات ہمارے ہاتھ میں ہوں گے، ہم جس کو جس طرح چاہیں گے استعمال کریں گے اور ہماری انگلیاں رائے عامہ کی نبض پر ہوں گی۔

(۴) ہم بدکردار یا بکنے والے صحافیوں کی سرپرستی کریں گے۔

(۵) ہم جس لیڈر کو اوپر لانا چاہیں وہی آگے آئے گا اور جس کو ذلت میں مبتلاء کرنا چاہیں وہ ذلیل ہوگا۔

(۶) واقعہ خواہ کیسا ہی ہو دنیا اسے اس رنگ میں دیکھے گی جس رنگ میں ہم چاہیں گے۔

اس کام کی تکمیل کے لیے یہودیوں نے دنیا بھر کی خبر رسال ایجنسیاں اپنے ہاتھ میں لے لیں جن میں سے رائٹرز، ایسوسی ایٹڈ پریس، یونائیٹڈ پریس اور فرانسیسی نیوز ایجنسی زیادہ مشہور ہیں۔

رائٹرز: (Reuters)

یہ یہودیوں کی سب سے مشہور خبر رساں ایجنسی ہے جس کا بانی جولیس رائٹر تھا۔ یہ 1816ء میں جرمنی کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا، اس نے ابتداء میں دنیا کی معاشی سرگرمیوں اور بینکوں کی مصروفیات کی خبریں حاصل کر کے بینکوں کو فروخت کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور بھاری معاوضوں پر خبریں فروخت کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس نے اقتصادیات کی خبروں کے علاوہ سیاست، جنگ، صحت، کھیل اور دیگر تمام شعبہائے زندگی کی خبریں حاصل کر کے اخبارات کو فروخت کرنا شروع کر دیں۔ کہا جاتا ہے کہ 1858ء میں اس ادارے نے اس وقت تیز ترین خبر رسانی کا عالمی ریکارڈ قائم کیا جب فرانس کے حکمران نپولین سوئم کی تقریر ایک گھنٹے کے اندر اندر ساری دنیا میں پہنچا دی گئی۔ ''رائٹر'' برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ذرائع ابلاغ کو سب سے زیادہ خبریں فراہم کرتی ہے۔

اس وقت ''رائٹر'' کے 15 سو لگ بھگ ایڈیٹر ہیں۔ 100 کے قریب اخباری مراکز ہیں۔ 150 ملکوں کے اخبارات اس ایجنسی سے خبریں لیتے ہیں۔ یہ ایجنسی 48 زبانوں میں مواد فراہم کرتی ہے۔ روزانہ تقریباً 20 سے 25 لاکھ الفاظ اس ادارے کے ذریعے دنیا تک پہنچتے ہیں۔

ایسوسی ایٹڈ پریس:

امریکا کے پانچ بڑے روزناموں نے یہ سوچا کہ ہم دوسروں سے خبریں خریدنے کی بجائے اپنی خبریں خود تلاش کر کے نشر کریں۔ لہٰذا اس مشن کی تکمیل کے لیے وہ یک جا ہو گئے اور یوں 1848ء میں ایسوسی ایٹڈ پریس نامی خبر رساں ایجنسی وجود میں آئی۔ اس وقت اس ایجنسی میں 90 فیصد یہودی ہیں جو 90 ممالک کو خبریں دیتے ہیں۔

3997 ریڈیو اور ٹی وی چینلز سے خبریں لیتے ہیں۔ امریکا سے باہر اس کے 9536 مراکز ہیں اور اس کے ذریعے دنیا کو روزانہ ایک کروڑ 17 لاکھ الفاظ پہنچتے ہیں۔

یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل:

یہ 1907ء میں قائم ہوا۔ یہ بھی یہودی سرمایہ کاروں کے ماتحت چل رہا ہے۔ امریکا میں 11 سو 34 روزناموں، پبلشنگ اداروں اور 3 ہزار 6 سو 99 ریڈیو اسٹیشنوں کو خبریں مہیا کر رہا ہے۔ پوری دنیا میں اس ایجنسی کے ایک سو 77 مراکز ہیں، امریکا میں اس کے 96 اور امریکا سے باہر 578 دفاتر کام کرتے ہیں۔ 1245 ایڈیٹر اور سینکڑوں نامہ نگار اس سے وابستہ ہی ہے۔ یہ ادارہ روزانہ ایک کروڑ 80 لاکھ الفاظ دنیا میں بھیج رہا ہے۔

فرانسیسی نیوز ایجنسی:

ویسے تو فرانس میں یہودیوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن میڈیا پر 85 فیصد یہودی قابض ہیں۔ فرانسیسی نیوز ایجنسی بھی ان کے ہاتھ میں ہے جو 42 زبانوں میں خبریں نشر کرتی ہے۔ اس کے تحت نیوز ایجنسیاں کام کر رہی ہیں اور روزانہ 33442 الفاظ کی خبریں دنیا میں بھیجتی ہیں۔ [مغربی میڈیا اور اس کے اثرات: ص ۱۱۳]

علماء اور جدید مسائل

علومِ جدیدہ سے علماء کی دوری اور بے گانگی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جدید علوم کی نشوونما اور ان کی ترویج واشاعت کے باعث معاشرہ جن نئے نئے علمی، فکری اور معاشرتی وتمدنی مسائل ومشکلات سے دوچار ہوتا ہے، ان سے بھی مکمل بے گانگی عمل میں آئی اور یہ تصور عام ہوگیا کہ اب علماء کو ان علوم اور ان مسائل سے کسی بھی قسم کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن کے مقاصد اور اس کے عالمگیر نظریات کے مطابق ضروری تھا کہ وہ انسانی معاشرے کے ایک ایک "یونٹ" میں گھستے اور اس کے ایک ایک رگ وریشے سے واقف ہوکر اپنا فریضہ "معروف ومنکر" ادا کرتے۔ معروف ومنکر محض چند رسوم یا رواجات کی تلقین کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانی افکار ونظریات، اس کے فلسفوں اور اس کی تمام تحریکوں کا جائزہ لے کر کھرے کھوٹے کو الگ کرنا اور صحیح وسقیم کا حال ان کے وسیع مفہوم کے مطابق عقل ونقل کی روشنی میں پوری وضاحت کے ساتھ کرکے ان کے نشیب وفراز اور عواقب ونتائج سے پوری نوعِ انسانی کو آگاہ اور متنبہ کرنا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

"بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر فرقان (حق وباطل میں تمیز کرنے والی فیصلہ کن کتاب) نازل کی تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کرسکے"۔ [سورۂ فرقان: آیت:۱]

اس لحاظ سے معاشرہ کی اصلاح وگمراہ فلسفوں اور تحریکوں کے ابطال کے لئے ان فلسفوں اور جدید علوم ومسائل سے واقفیت نہ صرف ضروری ہے بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے اس مسئلہ میں کہ غیر منقولی مسائل میں غور وخوض جائز ہے

یا نہیں؟، نیز یہ کہ اگر جائز ہے تو اس کے ضروری اور واجب ہونے کی کوئی دلیل ہے بھی نہیں ؟تحریر فرمایا ہے:

''رسول اللہ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں اس پر مجمل اور عمومی طور پر ایمان لانا سب پر واجب ہے۔ مگر اس کی تفصیلی معرفت حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور یہ شقِ دین کی تبلیغ میں داخل ہے۔ اسی طرح یہ بات قرآن کے تدبر اور اس کے فہم، کتاب وحکمت کے علم اور اس کی حفاظتِ خیر اور معروف کی طرف بلانے، منکرات سے روکنے اور راہِ خداوندی کی طرف حکمت وموعظت اور بہترین مجادلے ومباحثے کے ذریعہ دعوت دینے وغیرہ تمام اُمور میں داخل وشامل ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ لہٰذا (ان تمام حیثیتوں سے)''

یہ علم واجب کفایہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر علماء اور دینِ الٰہی کے رمز شناس ہی اس کوچے سے ہٹ جائیں تو پھر اصلاحِ عالم کا فریضہ کون ادا کر سکے گا؟ لہٰذا ہر دور میں علماء پر یہ فریضہ ایک فرضِ کفایہ کے طور پر عائد رہتا ہے کہ وہ اپنے دور کے تمام غلط اور بے بنیاد افکار وخیالات اور گمراہ کن تحریکوں نیز خدا بیزار فلسفوں اور دیگر عملی واعتقادی مفاسد کا پوری باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے کر ''کتابِ حکمت'' کی روشنی میں ان کا علمی تجزیہ کریں۔ پھر ان مفاسد کو نمایاں اور خدائی ہدایت وراہنمائی کو واضح کر کے عالمِ انسانی کی فکری ونظریاتی اعتبار سے صحیح راہنمائی کریں۔ یہ ہے علماء اسلام کا صحیح مقام اور ان کا صحیح منصب۔

[اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں: ص ۳۰۰ تا ۳۳۲]

دنیا بھر کے تمام مذاہب کو ایک منصفانہ چیلنج

اب وہ سوالات پیش کیے جاتے ہیں جن کے جوابات سے دنیا کا ہر ذی شعور شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ یاد رہے کہ دعویٰ اور دلیل اپنی مقدس کتب سے ہی دیں۔

[۱] اسلام کے بہترین نظامِ عبادت کا کون سا مذہب مقابلہ کر سکتا ہے؟

[۲] اسلام کی بنیادی تعلیمات کے بمقابل کون سا مذہب اپنی تعلیمات پیش کر سکتا ہے؟

[۳] اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے بمقابل کون سا مذہب اپنی اخلاقی تعلیمات پیش کر سکتا ہے؟

[۴] اَخلاقِ شنیعہ سے بچنے کے لئے انسانی نفسیات کے پیشِ نظر جو تعلیم اسلام نے دی ہے کیا ایسی تعلیم کوئی مذہب پیش کر سکتا ہے؟

[۵] اسلام کے خوبصورت نظامِ معاشرت کا کوئی مذہب مقابلہ کر سکتا ہے؟

[۶] اسلام کے فلسفہ جہاد کے بمقابل کوئی مذہب ایسا فلسفہ پیش کر سکتا ہے؟

[۷] اسلام کی طرح کس مذہب نے جنگوں میں بھی اخلاقی قدروں کی پاسداری کی؟

[۸] عائلی زندگی کے بارے میں اسلام نے جو بہترین راہنمائی دی اس کا کوئی مقابل ہے؟

[۹] والدین اور اولاد کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا کون سا مذہب مقابلہ کر سکتا ہے؟

[۱۰] خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض کی تفصیل کس مذہب میں اسلام کے مقابل اچھی ہے؟

[۱۱] کیا آپ کے مذہب میں نجات کا فلسفہ اسلام کے فلسفہ نجات سے بہتر ہے؟

[۱۲] رنگ و نسل کی تفریق کا خاتمہ اسلام کی طرح آپ کے مذہب میں ہے؟

[۱۳] کیا آپ کا مذہب اسلام کی طرح قومیت یا قوم پرستی کے شر سے دور ہے؟

[۱۴] کیا آپ کے مذہب میں قیامِ امن کا فارمولا اسلام سے اچھا ہے؟

[۱۵] کیا اسلام کے بیان کردہ حقوقِ انسانی کا آپ کا مذہب مقابلہ کر سکتا ہے؟

[۱۶] معاشرتی مسائل کا کیا آپ کے مذہب میں بہترین حل ہے؟

[۱۷] عصرِ حاضر کے مسائل کا بہترین حل اسلام کی نسبت دنیا کے کس مذہب میں ہے؟

[۱۸] کیا اسلام کے نظامِ اقتصادیات کا مقابلہ کوئی مذہب کر سکتا ہے؟

[۱۹] اسلام کی بیان کردہ خارجہ پالیسی کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب کر سکتا ہے؟

[۲۰] لین دین کے معاملات کے بارے میں کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

[۲۱] اسلام کے مجلسوں اور دعوتوں کے بارے میں احکامات کا مقابلہ کوئی مذہب کر سکتا ہے؟

[۲۲] کیا آپ کا مذہب اسلام کی طرح پیدائش سے لے مرنے تک بلکہ مرنے کے بعد کے بارے میں بھی مکمل راہنمائی کرتا ہے؟

[۲۳] کیا آپ کے مذہب میں اسلام کی طرح ایسی تعلیم ہے جو کہ ایک پیروکار کو روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اسلام کی طرح آپ کے مذہب میں مکمل راہنمائی موجود ہے؟

(دنیا پر کون سا دین غالب آئے گا؟ ص ۲۹۴ تا ۲۹۵)

اسلام کی راہ میں صحابہ کرام کے مصائب

مکہ کے جو لوگ اسلام لائے ان کی ایذا رسانی کی بھی کوئی حد نہ تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے آقا اُمیہ بن خلف نے ان کو گرم ریت پر لٹایا، تپتا ہوا پتھر ان کے سینہ پر رکھا، ان کی مشکیں باندھ کر ستایا، ان کی گردن میں رسی ڈال کر مکہ کی پہاڑیوں میں گھسٹوایا، ان تمام مصیبتوں میں ان کی زبان سے صرف اَحَد اَحَد کے نعرے نکلتے رہے۔

(اسد الغابہ، جلد ۱، ص ۲۰۶)

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اُن کے چچا نے کھجور کی رسی سے باندھ کر مارا۔

(طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت عثمان بن عفان، سیرۃ النبی جلد ۱، صفحہ ۲۳۲)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جب سولہ برس کے تھے تو اسلام لائے، غیر مسلموں نے ان کو چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیا اور اس قدر دھواں دیا کہ ان کا دَم گھٹنے لگا ان کی زبان سے صرف یہ نکلا کہ کچھ کرو اب میں کافر نہیں ہو سکتا۔

(اصابہ، ج ۱، تذکرہ زبیر، مہاجرین حصہ اوّل صفحہ ۷۹)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اٹھارہ برس کی عمر میں ایمان لائے تو ان کے حقیقی بھائی نے ان کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا۔

(اسد الغابہ۔ جلد ۳، ص ۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو غیر مسلموں کے سامنے کلام پاک پڑھنا شروع کیا، اُنہوں نے ان کو اتنا مارا کہ ان کا چہرہ ورم کر گیا پھر بھی ان کی زبان بند نہیں ہوئی اور صرف اتنا کہا کہ دُشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے۔

(اسد الغابہ، تذکرہ عبداللہ بن مسعود، مہاجرین۔ حصہ اوّل صفحہ ۳۶۵)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو غیر مسلموں نے ان کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر صرف اتنا فرمایا..... ''اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا''۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نہایت بے رحمی سے اپنے نیزہ سے شہید کیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی راہ میں جاں بحق ہوئے۔ ایک بار حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایذا رسانی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..... ''صبر کرو، صبر کرو، پھر دعا کی کہ اے خدا! آل یاسر کو بخش دے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے گھر سے گزرتے تو اس خاندان کی مصیبت کو دیکھ کر فرماتے ''اے آل عمار! تمہیں بشارت ہو، جنت تمہاری منتظر ہے۔''

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث، صفحہ ۱۷۸)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ مکہ میں غیر مسلموں کے مظالم سے تنگ آ گئے تو مدینہ ہجرت کرنے کو تیار ہوئے غیر مسلم سد راہ ہوئے تو اُنہوں نے ان کو اپنا ترکش دکھا کر کہا..... تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں۔ خدا کی قسم جب تک اس میں ایک تیر بھی ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ اس کے بعد اپنی تلوار سے تمہارا مقابلہ کروں گا، اگر مال و دولت چاہتے ہو تو اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو، یہ غیر مسلم اس پر راضی ہو گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے ایمان کی خاطر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

(طبقات ابن سعد قسم اول، جز ثالث، صفحہ ۱۶۳)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے برہم ہو کر ایک غیر مسلم نے ان کو اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کی ایک آنکھ زرد پڑ گئی۔ جب ان کی توجہ دلائی گئی تو بولے..... خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے۔

(اسد الغابہ: جلد ۳، ص ۸۶)

صحابہ کرام کے مشرف بہ اسلام ہونے پر ان غیر مسلموں کی طرف سے جو مظالم

ڈھائے گئے ان کی اسی طرح کی اور مثالیں بکثرت ہیں، گھر سے ان کا نکلنا مشکل تھا، ان کی جانیں غیر محفوظ تھیں۔ وہ علانیہ عبادت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان مظالم سے بچنے کے لئے حبشہ ہجرت کرنے کو فرمایا، پہلا قافلہ گیارہ مرد اور چار عورتوں پر مشتمل تھا، اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بھی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ حبش کے بادشاہ نجاشی پر مکہ کے غیر مسلموں نے دباؤ ڈالا کہ ان کو اپنے یہاں سے نکال دے، نجاشی نے ان مہاجروں کو اپنے سامنے طلب کر کے ان سے پوچھا کہ تمہارا مذہب آخر ہم لوگوں کے مذہب سے کیا نرالا ہے جو تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اس کا جواب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بہت ہی مؤثر انداز میں دیا۔ بادشاہ کے سامنے نڈر ہو کر ایک تقریر کی، جس میں یہ بتایا کہ ہم ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردے کھاتے تھے، بدکاریوں کے عادی تھے، دلوں میں رحم نہ تھا، پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے۔ ہمارا زبردست فرد دوسرے زبردست فرد کو کھا جاتا۔ اتنے میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث ہوا جس کے صدق، امانت، شرافت کو ہم جانتے ہیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ ہم کو بتایا کہ ہم سچ بولیں اور امانت ادا کریں۔ صلہ رحمی کریں، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، حرام باتوں اور خون ریزی سے احتراز کریں۔ فواحش سے باز آجائیں، جھوٹ نہ بولیں، یتیم کا مال نہ کھائیں۔ عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ خدائے واحد کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔ نماز پڑھیں روزے رکھیں، ہم نے اس کو مانا، اس پر ایمان لائے، اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا تو اس پر ہماری قوم دشمن ہو گئی ہے۔ ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچانے لگی کہ ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر پھر اصنام پرستی شروع کر دیں۔

(سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱، صفحہ ۱۷۱۔۱۸۲)

سیرۃ ابن ہشام کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس تقریر کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف پر رقت طاری ہو گئی اور نجاشی نے کہا کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

یہ مہاجرین کچھ دنوں حبشہ میں رہ کر پھر مکہ واپس آ گئے۔ لیکن ان کے مصائب بھی ختم نہیں ہوئے۔ غیر مسلموں کے مظالم پھر بڑھے، تو رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی ہجرت کی اجازت دے دی، ۸۳ مردوں اور ۲۰ عورتوں کا یہ قافلہ پھر کسی نہ کسی طرح حبشہ روانہ ہو گیا۔

ان ناسازگار حالات میں رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ جاری رہی، رفتہ رفتہ بنو ہاشم، موالی بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو مطلب کے حلیف، بنو عبد شمس، بنو شمس کے حلیف بنو نوفل، بنو اسد، بنو عبد دار، بنی عبد بنی قصی، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ، بنو مخزوم ابن یقظہ، بنو عدی، بنو سہم، بنی جمح، بنو عامر بن لوئی، بنو فہر، مالک، بنو اسد بن عبد العزی، بنو عبد دار بن قصی اور ان کے حلیفوں میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

پھر بھی ان کی تعداد غیر مسلموں سے بہت کم تھی جن کی ایذا رسانیاں جاری رہیں۔ رسول اللہ ﷺ حج کے موقع پر تبلیغ اسلام فرماتے رہتے تھے، مدینہ کے لوگ آپ ﷺ کی تعلیم سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے تو مدینہ منورہ دار الامن بن گیا۔ یہاں پناہ ملنے کی امید ہوئی تو مسلمانوں کی ہجرت شروع ہو گئی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے وہاں کافی مسلمان پہنچ گئے، یہ جلاوطنی اسلام کی راہ میں بہت بڑی قربانی تھی۔

مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے، اس سے متاثر ہو کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ ان دشمنوں کے حق میں بددُعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا (صحیح بخاری، بعثۃ النبی، سیرۃ النبی ج ۲، ص ۳۷۸) ایک دوسرے موقع پر چند صحابیوں نے دشمنوں کے لئے اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا..... میں اس دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مشکوٰۃ، اخلاق النبی)

مکہ میں جن دِنوں مسلمانوں پر مظالم ہو رہے تھے، تو سخت قحط پڑا، لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، آپ کے شدید دشمن ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا محمد! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، اللہ سے دُعا کرو کہ یہ مصیبت جاتی رہے، آپ ﷺ نے فوراً دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو دُور کر دیا۔ (بخاری شریف، تفسیر دخان)

طائف میں جب آپ ﷺ کی دعوت پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے مبلغینِ اسلام پر بڑے مظالم ڈھائے، ان کو بکثرت شہید کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کے حق میں بددعا کیجئے، آپ ہاتھ اُٹھاتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ بددعا فرمارہے ہیں لیکن آپ یہ فرمارہے تھے: ''خداوند! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور ان کو مدینہ لا اور یہ دعا قبول ہو کر رہی۔''

(ابن سعد، غزوۂ طائف سیرۃ النبی جلد دوم، صفحہ ۳۷۹)

یہ تفصیلات پہلی دفعہ پیش نہیں کی جارہی ہیں۔ اسلام کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے عام ہیں۔ ان کو یہاں پر مختصر طریقہ سے دہرانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے ناظرین کے سامنے ایک بار پھر یہ حقیقت سامنے آجائے کہ ظالم، قاہر، جابر اور عدم رواداری کون تھا اور کون مظلوم، مقہور، مجبور اور رواداری بن کر رہا۔ تشدد کس طرف سے ہوا اور عدم تشدد کس نے اپنا وطیرہ بنایا۔ نہتا کون تھا اسلام زور و جبر اور سختی سے پھیلا یا ایثار و قربانی، امن پسندی، صلح جوئی، بے سروسامانی، پرامن تبلیغ، جذبہ فدائیت، صبر، تحمل، بردباری اور رواداری سے بڑھا اور بڑھتا گیا۔

(اسلام میں مذہبی رواداری صفحہ ۴۸ تا ۳۴)

مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ

مصنف کتاب..... ''اُسوہ حسنہ'' مولانا ظفر الدین' کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

سرورِ کونین ﷺ کے مصائب کی دل گداز داستان آپ نے جگر تھام کر پڑھی، تھوڑی دیر کے لیے ہر ایک چیز سے یکسو ہو کر غور کیجئے، کون سی ایسی اذیت، تکلیف، درد دُکھ اور مصیبت باقی رہ گئی، جو رحمت عالم ﷺ کو نہ پہنچائی گئی؟ جان، مال، آل اولاد، عزت، آبرو کس چیز پر مصیبت نہ آئی؟ اور پھر اپنے سے لے کر غیر تک، اور سردار سے لے کر غنڈہ تک میں کس نے معاف کیا؟ مکی زندگی میں نہ سہی، مدنی ہی زندگی میں ظاہری اطمینان کب نصیب ہوا۔

ایک منصف مزاج کا فیصلہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ رحمت عالم ﷺ کی ظاہری زندگی مصائب میں گھری ہوئی زندگی تھی اور خود سرورِ کائنات ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

و اوذیت فی اللّٰہ مالم یوذ احد قبلی

(جمع الفوائد۔ صفحہ ۲۷۴۔ جلد ۲)

ترجمہ: اللہ کے راستے میں جس قدر مجھے اذیت دی گئی کسی اور کو پہلے ایسی تکلیف نہ دی گئی۔

اس سے بڑھ کر اور کس کی شہادت چاہیے، مگر سوچنا یہ ہے کہ ان ساری اذیتوں سے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کیوں دوچار ہوئے؟ تاریخ و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ انسانیت بیمار ہو چکی تھی، اس کی مٹی پلید کی جا رہی تھی اور دُنیا نجات کے راستے سے دور جا پڑی تھی، جس کی اصلاح بے حد ضروری ہو چکی تھی۔

رحمت عالم ﷺ اسی اصلاح کی غرض سے مبعوث ہوئے اور پوری زندگی اسی میں صرف کر دی۔ آخری دین جس کا نام نامی ''اسلام'' ہے دُنیا کو اس نعمتِ عظمیٰ سے مالا مال کر

گئے، اور بیمارانِ انسانیت کو تندرستی اور صحت کا انمٹ نسخہ ''قرآن'' عطا فرما گئے۔

روئے زمین پر کون سا ایسا مذہب ہے جس کے سمجھدار پیرو خاتم النبیین ﷺ کے گُن نہیں گاتے؟ اور کون مکتب خیال ہے جس نے تعلیماتِ نبوی ﷺ کی خوشہ چینی نہ کی؟ ہر ایک کو بقدرِ ظرف آفتابِ نبوت سے روشنی ملی، مل رہی ہے اور ملتی رہے گی۔

مسلمانوں پر آخری نبی ﷺ کی اُمت ہونے کی حیثیت سے بڑی ذمہ داری ہے، ان واقعات کو جو لکھے جا چکے ہیں، عبرت کی نگاہ سے پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔ مصائب النبی ﷺ پر ماتم نہ کریں۔ اپنا فریضہ یاد کریں، اور طے کرلیں کہ اِنہی مصائب سے دوچار ہو کر ہم کو بھی تبلیغ کا یہ فریضہ ادا کرنا ہے۔

ہمیں اسلام کے ایک ایک قانون پر خود بھی عمل کرنا ہے اور دوسروں کو بھی اس راستے پر لانا ہے۔ اس کے لیے ہمارا جینا ہے اور اسی کے لیے مرنا۔

ماخذ و استفادہ

۱۔	اسلام کا نظامِ سیاست و حکومت	از مولانا عبدالباقی حقانی
۲۔	اسلامی نظامِ خلافت اور ہماری ذمہ داری	مولانا زاہد اقبال
۳۔	عصرِ حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار	مولانا زاہد اقبال
۴۔	اسلام کی نشاۃِ ثانیہ قرآن کی نظر میں	مولانا محمد شہاب الدین ندوی
۵۔	نظریاتی جنگ کے محاذ	مولانا محمد اسماعیل ریحان
۶۔	گلوبلائزیشن اور اسلام	مولانا یاسر ندیم
۷۔	مغرب زدہ مسلمانوں کے نام	شیخ نثار احمد خان فتحی
۸۔	جدید انسان کا داخلی بحران	حافظ محمد موسیٰ بھٹو
۹۔	مادیت اور روحانیت کی کشمکش	حافظ محمد موسیٰ بھٹو
۱۰۔	سیکولرزم	ڈاکٹر سفر الحوالی
۱۱۔	تعارف، تہذیب مغرب	مفتی محمد احمد
۱۲۔	مجموعہ محمد حسن عسکری	پروفیسر محمد حسن عسکری
۱۳۔	اسلامی سیاست	مولانا گوہر الرحمٰن
۱۴۔	غیر مسلموں کے حقوق و فرائض	علامہ محمد یوسف القرضاوی
۱۵۔	عہد رسالت میں نظامِ کفالت	مولانا ابو محمد عبدالمالک
۱۶۔	اسلامی ریاست میں آزادی ذرائع ابلاغ کی حدود	ڈاکٹر وسیم اکبر شیخ
۱۷۔	اسلام میں انسانی حقوق	پروفیسر سلیمان بن عبدالرحمٰن
۱۸۔	ریاست مدینہ	علامہ زاہد الراشدی
۱۹۔	اسلام اور امنِ عالم	مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
۲۰۔	اسلام اور جدید فکر مغرب	ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
۲۱۔	دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ	ڈاکٹر طاہر القادری

۲۲۔	مسلمانوں کا فکری اغوا	مریم خنساء
۲۳۔	اسلام کا نظامِ امن	مفتی ظفر الدین مفتاحی
۲۴۔	اشتراکی فریب	محمد اسماعیل بدایونی
۲۵۔	نوجوانوں سے راز کی باتیں	الشیخ حسان شمسی
۲۶۔	اسلام اور عصرِ حاضر	علامہ سمیع الحق شہیدؒ
۲۷۔	لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر	مولانا محمد تقی امینی
۲۸۔	اسلام ایک نظر میں	مولانا صدر الدین اصلاحی
۲۹۔	اسلام کا معاشرتی نظام	ڈاکٹر خالد علوی
۳۰۔	الحاد ایک تعارف	حافظ محمد شارق
۳۱۔	اسلام کا نظامِ حقوق و فرائض	ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی
۳۲۔	اسلام میرا مذہب	علامہ عبد الشکور فاروقی لکھنوی
۳۳۔	نبی امن و آشتی	مولانا محمد رفیق
۳۴۔	دہریت سے اسلام تک	مولانا سید مختار الدین
۳۵۔	بکھرے موتی	مولانا یونس پالن پوری
۳۶۔	ہم دعوتِ اسلام کا کام کیسے کریں؟	مولانا نور اللہ رشیدی
۳۷۔	اسلام کا دنیا پر دوبارہ عروج	ڈاکٹر اختر احمد
۳۸۔	دستور اسلامی مع نظامِ اسلام	مولانا ادریس کاندھلوی
۳۹۔	مغربی میڈیا اور اس کے اثرات	مولانا نذر الحفیظ ندوی
۴۰۔	فکر و نظر	مولانا غلام زرقانی
۴۱۔	مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ	پروفیسر محمد سلیم
۴۲۔	جہاد اور دہشت گردی	مبشر لاہوری
۴۳۔	اجتماعیت اور فرقہ واریت	مولانا محمد امین دوست

داعیٔ اسلام مولانا نوراللہ رشیدی کی چند تصنیفات

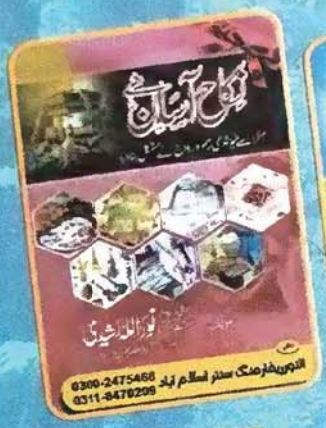

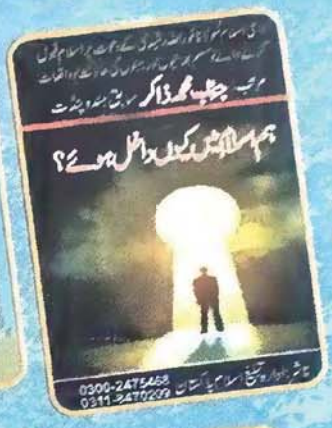

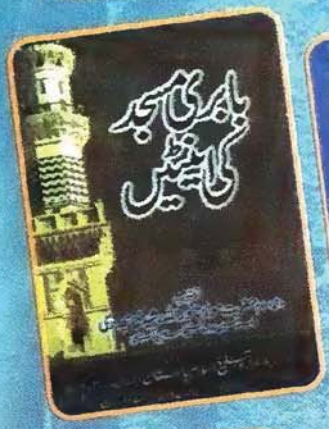

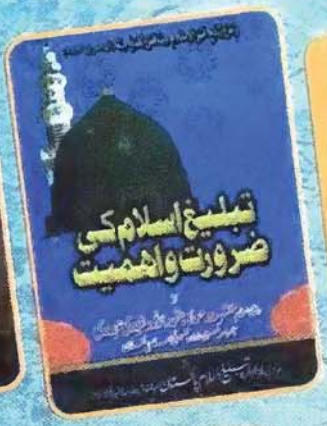

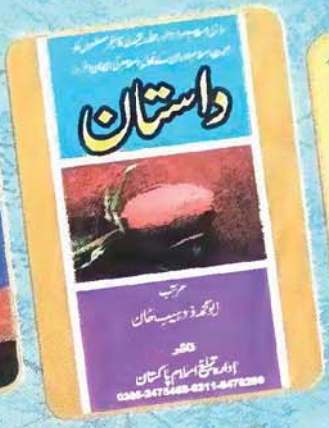

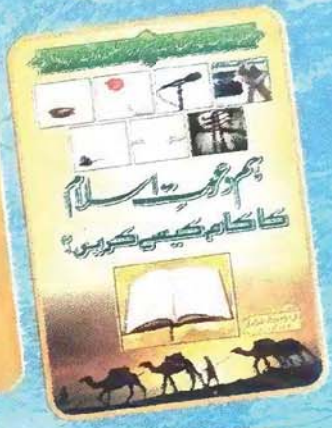

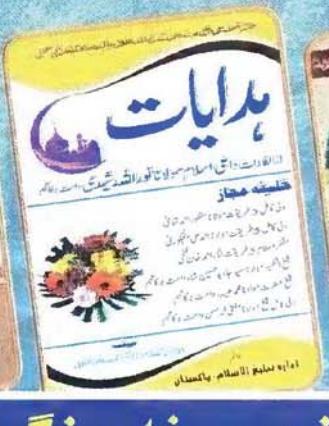

النور فارمنگ سینٹر اسلام آباد